مختصر سیرتِ نبوی ﷺ

سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف سیرت کی کتاب کا آسان،
عام فہم اُردو زبان میں ترجمہ واختصار، جس میں میں حیاتِ طیبہ کے
تمام واقعات کا تذکرہ آگیا ہے، مدارس و اسکولوں میں داخل
نصاب کئے جانے کے لائق اور عام لوگوں کے لئے قابل مطالعہ۔

تالیف

ابو محمد عبد الملک بن ہشام حمیری بصریؒ (۲۱۸ھ)

ترجمہ وتلخیص

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ)

ناشر : دارالعلوم شیخ علی متقی برہان پور (ایم، پی)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

طبع دوم ۱۴۳۷ھ — ۲۰۱۶ء

کتاب	:	مختصر سیرتِ نبوی (ﷺ)
تالیف	:	ابو محمد عبد الملک بن ہشام حمیری بصریؒ
ترجمہ و تلخیص	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات	:	۳۰۸
کمپیوٹر کتابت	:	محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : +91 9959897621 (العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)
سن طباعت	:	۱۲ر جمادی الاول ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

باہتمام : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ)

ناشر : دارالعلوم شیخ علی متقی برہان پور (ایم، پی)

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر، حیدرآباد۔
- دارالعلوم شیخ علی متقی برہان پور (ایم، پی)۔
- کتب خانہ نعیمیہ، ضلع سہارنپور، دیوبند (یوپی)۔
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسیما ! جانب بطحا گذر کن
زِ احوالم محمد را خبر کن

توئی سلطانِ عالم یا محمد !
زِ روئے لطف سوئے من نظر کن

(ملا جامیؒ)

فہرست مضامین

☆ عرض ناشر : مفتی رحمت اللہ قاسمی ۱۸
☆ عرض مؤلف (طبع جدید) : مؤلف ۲۰
☆ سخن ہائے اولیں (طبع اول) : مؤلف ۲۳
☆ پیش لفظ : حضرت مولانا حمید الدین حسامی عاقلؒ ۳۰

نبوت سے پہلے

- نسب اطہر ۳۷
- واقعۂ فیل ۳۷
- چاہِ زم زم کی کھدائی ۴۱
- جاہلیت میں قیادت کے مختلف عہدے ۴۳
- حضرت عبداللہ کی قربانی ۴۴
- دورانِ حمل حضرت آمنہ کو مبشرات ۴۶
- ولادت باسعادت ۴۷
- حلیمہ کی آغوش میں ۴۷
- شقِ صدر ۴۹
- دادا کی پرورش ۵۰
- چچا کی پرورش میں ۵۱
- بحیری راہب سے ملاقات ۵۱

- حربِ فجار ۵۳
- حضرت خدیجہؓ سے نکاح ۵۴
- کعبہ کی تعمیر ۵۶
- شباہتِ زیبا ۵۷
- انجیل میں پیغمبر اسلام کے اوصاف ۵۸

مکی زندگی

- نبوت سے سرفرازی ۶۰
- پہلے مسلمان ۶۲
- فترتِ وحی ۶۳
- پہلے اسلام لانے والے ۶۳
- دعوتِ عام ۶۴
- ابوطالب کے پاس نمائندگی ۶۵
- عمارہ بن ولید کی پیشکش ۶۶
- قریش کے باہمی مشورے ۶۷
- قریش کی بدسلوکیاں ۶۸
- حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام ۶۹
- عتبہ کی پیشکش ۷۰
- مصالحت کی ایک اور کوشش ۷۳
- قریش کے ناشائستہ مطالبات ۷۳
- ابوجہل کی ناپاک سازش ۷۵
- نضر بن حارث کا اعتراف ۷۶
- قرآن مجید کی علانیہ تلاوت ۷۷

- کمزور مسلمانوں پر مظالم ٧٧
- ہجرتِ حبشہ ٧٨
- حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام ٨٢
- بنو ہاشم کے خلاف بائیکاٹ ٨٤
- مہاجرین حبشہ کی واپسی ٨٥
- بائیکاٹ کا خاتمہ ٨٥
- ابوجہل سے حق کی وصولی ٨٧
- واقعہ معراج ٨٨
- غموں کا سال ٩١
- بنوثقیف کو دعوت ٩١
- جنوں کا قبولِ اسلام ٩٣
- قبائل عرب کو دعوتِ اسلام ٩٤
- اہل مدینہ سے پہلی ملاقات ٩٥
- عقبۂ اولیٰ ٩٥
- عقبۂ ثانیہ ٩٦
- اہل مکہ کا ردِعمل ٩٩

مدنی زندگی

- ہجرت ١٠٠
- ہجرت نبویؐ ١٠٠
- سراقہ بن مالک کا تعاقب ١٠٣
- قبا میں تشریف آوری ١٠٤
- مدینہ میں آمد ١٠٥

- انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ ۱۰۶
- اذان کا آغاز ۱۰۷
- غریب الوطنی کا احساس ۱۰۸
- غزوات کی ابتداء ۱۰۹
- غزوۂ ابواء ۱۰۹
- سریہ عبیدہ بن حارثؓ ۱۰۹
- سریہ حمزہؓ ۱۰۹
- غزوۂ بواط ۱۰۹
- غزوۂ عشیرہ ۱۱۰
- سریہ سعد بن ابی وقاصؓ ۱۱۰
- غزوۂ سفوان ۱۱۰
- سریہ عبداللہ بن جحشؓ ۱۱۰
- تحویل قبلہ ۱۱۳

غـــزوۂ بدر

- مدینہ سے روانگی ۱۱۵
- صحابہ سے مشاورت ۱۱۶
- بدر کی طرف ۱۱۷
- بدر کے میدان میں ۱۱۹
- ایک سعی ناکام ۱۲۰
- معرکہ کا آغاز ۱۲۱
- اہل مکہ کی شکست اور ابوجہل کا انجام ۱۲۳
- مدینہ کو واپسی ۱۲۴

- قیدیوں سے حسن سلوک اور رہائی ۱۲۴
- غزوۂ بنو سلیم ۱۲۶
- غزوۂ سویق ۱۲۷
- غزوۂ ذی امر ۱۲۸
- غزوۂ فرع ۱۲۸
- بنو قینقاع کی شرارت ۱۲۸
- سریہ زید بن حارثہؓ ۱۲۹

غزوۂ اُحد

- مسلمانوں سے مشورہ اور آپؐ کا خواب ۱۳۰
- عبداللہ بن اُبی کی واپسی ۱۳۲
- وادیِ اُحد میں قیام ۱۳۲
- کم سن صحابہ کی واپسی ۱۳۳
- قریش کی عسکری قوت ۱۳۳
- ابودُجانہؓ کی شجاعت ۱۳۳
- ابوعمرو کی ناکام سازش ۱۳۴
- تلوارِ نبوی کا حق ۱۳۵
- حضرت حمزہؓ کی شہادت ۱۳۵
- جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں ۱۳۶
- حضرت حنظلہؓ کی شہادت ۱۳۶
- مسلمانوں کی فتح ۱۳۶
- مسلمانوں پر عقبی حملہ ۱۳۷
- حضور ﷺ پر یلغار ۱۳۷

- صحابہ کی جاں نثاری ۱۳۸
- اُبی بن خلف کا قتل ۱۳۹
- شہداءِ اسلام کا مُثلہ ۱۳۹
- ابوسفیان کی رعونت ۱۴۰
- دشمنوں پر نظر ۱۴۱
- سعد بن ربیعؓ کی شہادت ۱۴۱
- حضرت حمزہؓ کی شہادت پر آپﷺ کا رنج واندوہ ۱۴۱
- حضرت صفیہؓ کا صبر وتحمل ۱۴۲
- شہداء پر نماز جنازہ ۱۴۳
- نوحہ کی ممانعت ۱۴۳
- آپﷺ ہیں تو ساری مصیبتیں ہیچ ہیں! ۱۴۳
- تلواریں دھوئی گئیں ۱۴۴
- حمراءالاسد تک تعاقب ۱۴۴
- معبد خزاعی سے ملاقات ۱۴۴
- ابوسفیان کی واپسی ۱۴۵
- ابوعزہ اور معاویہ کا قتل ۱۴۶
- عبداللہ بن اُبی کی بدبختی ۱۴۶
- رجیع کا واقعہ ۳ھ ۱۴۸
- حضرت عاصمؓ کے سر کی حفاظت ۱۴۹
- خبیبؓ اور زیدؓ کی شہادت ۱۵۰
- بئر معونہ کا واقعہ ۱۵۲
- عمرو بن اُمیہؓ اور منذر بن محمدؓ ۱۵۳

- بنونضیر کی جلاوطنی ۱۵۴
- غزوۂ ذات الرقاع ۱۵۶
- ایک معجزہ کا ظہور ۱۵۶
- انصاری ومہاجر کا پہرہ ۱۵۶
- غزوۂ بدر ثانیہ ۱۵۸
- غزوۂ دومۃ الجندل ۱۵۸

غزوۂ خندق

- بنوقریظہ کی عہد شکنی ۱۶۲
- منافقین کی طعنہ زنی ۱۶۳
- بنوغطفان سے مصالحت کی کوشش ۱۶۳
- عمرو بن عبدود کا قتل ۱۶۴
- نعیم بن مسعودؓ کا کارنامہ ۱۶۵
- قریش کی واپسی ۱۶۷
- غزوۂ بنوقریظہ ۱۶۸
- حضرت ابولبابہؓ کی لغزش اور توبہ ۱۶۹
- بنوقریظہ کی سپراندازی ۱۷۱
- حضرت سعدؓ کا فیصلہ ۱۷۱
- حیی کا انجام ۱۷۲
- ایک خاتون کا قتل ۱۷۳
- بنوقریظہ کی خواتین ۱۷۳
- حضرت ریحانہؓ ۱۷۴
- شہداء ومقتولین ۱۷۴

● سلام بن ابی الحقیق کا قتل 175
● غزوۂ بنولحیان 176
● غزوۂ ذی قرد 177
● غزوۂ بنی مصطلق 179
● عبداللہ ابی کا نفاق اور حضور ﷺ کی حکمت عملی 179
● شہداء اور مقتولین 182
● حضرت جویریہؓ سے نکاح 183
● ایک غلط فہمی 184

واقعہ افک

● افواہوں کی اطلاع 187
● حضور ﷺ کا خطاب 188
● حضور ﷺ کی مشاورت 189
● حضرت عائشہؓ سے تحقیق 190
● وحی سے اطلاع 191
● حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فیاضی 192

صلح حدیبیہ

● بشر بن سفیان سے ملاقات 193
● حدیبیہ کی سمت 194
● بدیل کی آمد 195
● مکرز اور حلیس کی آمد 195
● عروۂ سے گفتگو 196
● خراش اور عثمان غنیؓ کی مکہ میں آمد 197

- بیعتِ رضوان ۱۹۸
- مصالحت ۱۹۹
- معاہدہ اور اس کی کتابت ۲۰۰
- فتح مبین ۲۰۱

فتح خیبر

- حملہ کا آغاز ۲۰۳
- بنی غطفان کی ناکہ بندی ۲۰۴
- قلعوں کی فتح ۲۰۴
- مرحب کا انجام ۲۰۵
- یاسر کا قتل ۲۰۶
- وطیح وسلالم کی فتح ۲۰۶
- مسموم بکری کی پیشکش ۲۰۷
- حضرت صفیہؓ سے نکاح ۲۰۸
- فجر کی نماز قضاء ہوگئی ۲۰۸
- غزوۂ خیبر کے شہداء ۲۰۹
- مالِ غنیمت کی تقسیم ۲۱۰
- پیداوار کی تقسیم ۲۱۰
- مہاجرین حبشہ کی واپسی ۲۱۰
- عمرۂ قضا (ذوقعدہ ۷ھ) ۲۱۲

غزوۂ موتہ

- مسلمانوں کی باہمی مشاورت ۲۱۴
- حضرت زیدؓ کی شہادت ۲۱۵

- حضرت جعفرؓ کی شہادت ۲۱۵
- حضرت عبداللہؓ کی شہادت ۲۱۶
- حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمان ۲۱۶
- مدینہ کو واپسی ۲۱۶

فتح مکہ

- قریش اور بنوبکر کی عہد شکنی ۲۱۸
- عمرو خزاعی اور بدیل کی آمد ۲۱۹
- ابوسفیان کی آمد ۲۱۹
- مصالحت کی کوشش ۲۲۰
- سفر کی تیاری ۲۲۲
- حضرت حاطبؓ کا واقعہ ۲۲۲
- ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن اُمیہ کی حاضری ۲۲۴
- ابوسفیان کا قبول اسلام ۲۲۵
- خدائی فوج ۲۲۷
- امن کا اعلانِ عام ۲۲۸
- نبی کی فاتحانہ ادا ۲۲۹
- ابوقحافہؓ کا اسلام ۲۲۹
- مکہ میں داخلہ ۲۲۹
- کفار سے مڈبھیڑ ۲۳۰
- مسلمانوں کا شعار ۲۳۰
- چند بدنصیب ۲۳۰
- حضرت اُم ہانیؓ کی طرف سے امان ۲۳۲

- خطبۂ بلیغ ۲۳۲
- کلیدِ کعبہ ۲۳۴
- بُت گر پڑے! ۲۳۴
- خطاب نبویؐ ۲۳۵
- فضالہ کا قبول اسلام ۲۳۶
- فتح مکہ میں شرکاء کی تعداد ۲۳۶

غزوۂ حنین

- اسلامی فوج کی تعداد ۲۳۹
- وادیٔ حنین میں ۲۳۹
- نازک وقت ۲۳۹
- حضرت علیؓ اور ایک انصاریؓ کا کارنامہ ۲۴۰
- اُم سلیمؓ کی بلند حوصلگی ۲۴۱
- شکست کے بعد ۲۴۱
- بچوں اور خواتین کے قتل کی ممانعت ۲۴۲
- آپ ﷺ کی رضاعی بہن ۲۴۲
- شہداء حنین ۲۴۳

غزوۂ طائف

- طائف پر حملہ ۲۴۴
- طائف سے واپسی ۲۴۵
- شہداء ۲۴۶
- بددُعاء کی بجائے دُعاء ۲۴۶
- اسیرانِ ہوازن کی رہائی ۲۴۷

- مالک بن عوف کا قبولِ اسلام ۲۴۸
- جعرانہ سے عمرہ اور واپسی (۸ھ) ۲۵۱

غزوۂ تبوک

- جد بن قیس کی حیلہ جوئی ۲۵۳
- حضرت عثمانؓ کا جذبۂ انفاق ۲۵۴
- چند نادار مسلمان ۲۵۴
- سفر کا آغاز ۲۵۵
- حضرت ابوخیثمہؓ کا واقعہ ۲۵۵
- مقامِ حجر میں ۲۵۶
- زید بن لصیت کی منافقت ۲۵۷
- حضرت ابوذرؓ کے متعلق پیش گوئی ۲۵۸
- اہل ایلہ کے لئے پروانۂ امن ۲۵۹
- اکیدر دومہ کی مہم ۲۵۹
- تبوک سے واپسی ۲۶۰
- مسجد ضرار کا انہدام ۲۶۱
- وفد بنو ثقیف کی آمد (رمضان ۹ھ) ۲۶۳
- بارگاہِ رسالت میں ۲۶۳
- اسلام کے ساتھ واپسی ۲۶۵
- وثیقہ نبویؐ ۲۶۶
- سنہ وفود ۲۶۶
- وفد بنو تمیم ۲۶۸
- وفد بنی عامر ۲۷۱

- وفد سعد بن بکر ۲۷۳
- وفد عبد القیس ۲۷۵
- وفد بنو حنیفہ ۲۷۶
- عدی بن حاتمؓ ۲۷۷
- فروہ بن مسیکؓ کا قبولِ اسلام ۲۷۹
- عمرو بن معدیکربؓ ۲۸۰
- وفد کندہ ۲۸۰
- صرد ازدی اور اہل جُرش سے جہاد ۲۸۰
- شاہان حِمیَر کے قاصدوں کی آمد ۲۸۲
- معاذ بن جبلؓ کو نصیحت ۲۸۵
- بنو حارث کا قبولِ اسلام ۲۸۶
- مکتوب رسالت مآب ۲۸۷
- دو جھوٹے مدعیانِ نبوت ۲۹۲
- عمالِ زکوٰۃ کا تقرر ۲۹۲
- مسیلمہ کذاب کا خط ۲۹۲

حجۃ الوداع

- اسامہ بن زیدؓ ۲۹۶
- بادشاہوں کے یہاں قاصدوں کی روانگی ۲۹۶
- بیماری کا آغاز ۲۹۸
- آخری ایام ۲۹۹
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت ۳۰۰
- آخری خطاب ۳۰۰

وفات

- تجہیز و تکفین ۳۰۲
- تدفین اور نمازِ جنازہ ۳۰۳

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن

- حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۳۰۴
- حضرت عائشہ صدیقہؓ ۳۰۵
- حضرت سودہؓ ۳۰۵
- حضرت زینبؓ ۳۰۵
- حضرت اُم سلمہؓ ۳۰۶
- حضرت حفصہؓ ۳۰۶
- حضرت اُم حبیبہؓ ۳۰۶
- حضرت جویریہؓ ۳۰۶
- حضرت صفیہؓ ۳۰۷
- حضرت میمونہؓ ۳۰۷
- حضرت زینب بنت خزیمہؓ ۳۰۷

☆ ☆ ☆

عرض ناشر

کسی مستشرق نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سیرت نگاروں کی قطار اگر چہ بہت طویل ہے، مگر اس میں جگہ پانا خوش نصیبی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہبی اور غیر مذہبی شخصیات میں سے کسی کی سیرت، حالات زندگی اور تعلیمات وخدمات پر اتنا نہیں لکھا گیا، جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمات پر؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل دسواں حصہ بھی نہیں لکھا گیا تو یہ مبالغہ نہ ہوگا اور کیوں نہ ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ''۔

سیرت نبوی ﷺ پر قدیم وجدید دور میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جس میں سے ابن اسحاقؒ کی سیرت نبوی پر لکھی گئی کتاب کو شرف اولیت حاصل ہے، ابن اسحاق کی سیرت نبوی پر لکھی گئی اس کتاب کا خلاصہ کچھ مفید اضافہ کے ساتھ ابن ہشام نے کیا تھا، جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ومعروف ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی کتابوں میں متعدد وجوہات کی بنا پر امتیازی حیثیت کی حامل ہے اور اسی بنا پر متعدد اہل علم نے اسے مرکز توجہ بنا کر اس کی خدمت کی ہے۔

عصر حاضر کے مشہور دیدہ ور عالم فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی —— دامت برکاتہم —— جنھیں اللہ تعالیٰ نے افہام وتفہیم کی دولت سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا ہے، جو ایک طویل عرصہ سے درس وتدریس سے وابستہ ہیں اور عصری اُسلوب اور عام فہم زبان میں لکھنے کا ملکہ رکھتے ہیں —— انھوں نے تین دہائی قبل سیرت ابن ہشام کا اُردو میں ترجمہ وتلخیص کر کے شائع کیا تھا، جس سے بڑا نفع ہوا اور عوام وخواص دونوں کے لئے یہ مختصر مفید کتاب ثابت ہوئی۔

یہ کتاب عرصہ سے کمیاب بلکہ نایاب تھی اور اہل علم وباذوق حضرات کا تقاضا بلکہ اصرار

تھا کہ اس کی نئی اشاعت ہو؛ چنانچہ آپ نے نوجوان نسل کی سیرت نبوی سے ناواقفیت اور اہل علم کے اصرار کو دیکھتے ہوئے اپنی عدیم الفرصتی اور گوناگوں مشغولیات ومصروفیات کے باوجود وقت نکالا اور نہ صرف یہ کہ پوری کتاب پر نظر ثانی کی؛ بلکہ کتاب میں شخصیات اور مقامات کے ناموں پر اعراب بھی لگا دیا، جن واقعات کے سنہ اور تاریخ کا ابن ہشام نے ذکر نہیں کیا ہے، ان مقامات میں دیگر اہم مصادر سیرت سے ان کا اضافہ بھی کیا، مختلف مقامات پر جہاں ضرورت تھی، وہاں وضاحتی نوٹس بڑھائے گئے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی محنت نے کتاب کو چار چاند لگا دیا ہے۔

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے سیرت نبویؐ پر عظیم الشان سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے؛ لہٰذا یہ وقت ''مختصر سیرت ابن ہشام'' کی دوبارہ طباعت واشاعت کے لئے بہت موزوں تھا کہ: ''رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے'' — جب مجھے خبر ملی کہ آپ اس مختصر سیرت ابن ہشام'' کی نظر ثانی اور مفید اضافات کے بعد دوبارہ اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں نے اپنے لئے سعادت سمجھ کر اس کی طباعت کا بیڑا اُٹھایا۔

دارالعلوم شیخ علی متقی برہان پور (ایم، پی) اور اس کا یہ حقیر خادم مولانا مخدوم کا بے حد شکر گزار ہے کہ انھوں نے ہمیں اس کتاب کی نشر واشاعت کا موقع عنایت فرمایا، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مؤلف کے ساتھ ساتھ اس بے مایہ ناشر کے لئے آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

خدا کرے کہ حضرت مولانا کی دیگر تالیفات وتصنیفات کی طرح یہ بھی مقبول عام وخاص ہو اور بارگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت سے مشرف ہو۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

رحمت اللہ قاسمی
(بانی وناظم: دارالعلوم شیخ علی متقی، برہان پور)

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء

عرض مؤلف
(طبع جدید)

دینی مدارس میں عام طور پر سیرت کو مستقل مضمون کی حیثیت سے نہیں پڑھایا جاتا؛ البتہ ابتدائی جماعت میں کوئی مختصر سی کتاب جیسے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی 'رحمت عالم' یا اسی حجم کی کوئی اور کتاب پڑھادی جاتی ہے، یہ یقیناً ناکافی ہے؛ اس لئے جب ''رحمت عالم'' اس حقیر کے زیر تدریس تھی، اسی وقت خیال ہوا کہ سیرت پر درمیانی حجم کی ایک ایسی کتاب ہونی چاہئے، جس سے عام لوگ بھی استفادہ کر سکیں اور وہ مدارس یا عصری درسگاہوں کے طلبہ وطالبات کے بھی کام آئے۔

اس کے لئے ایک شکل تو یہ تھی کہ مستقل کوئی کتاب لکھ دی جاتی؛ لیکن یہ بات زیادہ بہتر محسوس ہوئی کہ سیرت کی کسی ایسی کتاب کے ترجمہ وتلخیص کا کام کردیا جائے، جس کی حیثیت سیرت کے مرجع و ماخذ کی ہو؛ البتہ زبان عام فہم رکھی جائے؛ چنانچہ سیرت ابن ہشام کے منتخب مضامین کا ترجمہ کیا گیا اور اس انتخاب میں ڈاکٹر عبدالسلام ہارون کی ''تہذیب سیرت ابن ہشام'' خاص طور پر سامنے رکھی گئی، ہمارے مشفق بزرگ حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ کی حوصلہ افزائی نے اس ارادہ کو تقویت پہنچائی، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور درجات بلند کرے؛ چنانچہ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۴۰۴ھ میں محب گرامی قدر محترم جناب رحیم الدین نصاری زید مجدہ (ناظم دارالعلوم حیدرآباد) کی خواہش پر ''مرکز الدعوہ والدراسات الاسلامیہ پنجہ شاہ، حیدرآباد'' سے شائع ہوا، بحمد اللہ اسے پذیرائی حاصل ہوئی اور مختلف مدارس نے اسے داخل نصاب بھی کیا۔

عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی ، اب جب کہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق فروری ۲۰۱۶ء میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد ’بین الاقوامی سیرت نبویؐ سیمینار‘ منعقد کررہا ہے، خیال ہوا کہ اس کی طباعت عمل میں آجائے اور سیرت نبوی ﷺ کا یہ گلدستہ شرکاءِ سیمینار تک پہنچ جائے ، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے محبی فی اللہ حضرت مفتی رحمت اللہ قاسمی (بانی وناظم دارالعلوم شیخ علی متقیؒ برہان پور) کو، کہ انھوں نے سعادت سمجھ کر اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول کی؛ چنانچہ ان ہی کی مخلصانہ توجہ سے کتاب کا یہ نیا ایڈیشن آرہا ہے، اس نئے ایڈیشن میں چند مفید باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے :

(۱) جن واقعات کی تاریخ یا سنہ اصل کتاب میں مذکور نہیں تھا؛ لیکن دوسری کتب سیرت میں ان کی صراحت کی گئی ہے، ان کو یا تو اس شکل کے { } قوسین کے درمیان کتاب کے متن میں، اور اگر لمبی عبارت ہے تو حاشیہ میں شامل کردیا گیا ہے۔

(۲) کہیں کہیں کتاب میں وضاحتی نوٹ کی ضرورت محسوس کی گئی ، وہاں حاشیہ پر ایسے نوٹس بڑھا دیئے گئے ہیں۔

(۳) اکثر اُردو قارئین کو شخصیات اور مقامات کے عربی نام پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور وہ زبر، زیر، پیش کی تفصیلات سے واقف نہیں ہوتے ، ایسے ناموں پر اعراب لگا دیا گیا ہے؛ تاکہ قارئین صحیح تلفظ سے آگاہ ہوں۔

(۴) گذشتہ ایڈیشن میں کتابت کی بعض غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کی بھی تصحیح کی گئی ہے، اُمید ہے کہ ان اضافوں کی وجہ سے پہلے کے مقابلہ کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی۔

ان کاموں کو انجام دینے میں بنیادی طور پر عزیز گرامی مولانا عبید اختر رحمانی (جو معہد کے شعبہ حدیث کے فارغین میں ہیں اور عرصہ سے اُردو صحافت سے وابستہ ہیں) کا تعاون شامل رہا ہے، اگر انھوں نے دلچسپی کے ساتھ اس کام کو انجام نہ دیا ہوتا تو میری عدیم الفرصتی یقیناً ابھی بھی اس کام میں حارج رہتی ، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔آمین

اخیر میں دُعا ہے کہ بارِ الٰہا! اپنے گنہگار بندے کی اس حقیر سی کوشش کو جو آپ کے محبوب رسول ﷺ کے ذکر خیر کی نسبت سے کی گئی ہے، قبول فرمالیجئے اور قیامت کے دن آقا کے سامنے اُن کے اِس غلام کو رُسوا نہ کیجئے :

مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من زچشم او نہاں گیر

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱ / فروری ۲۰۱۶ء

☆ ☆ ☆

سخن ہائے اولین
(طبع اول)

خدا کی شایانِ حمد وثناء اور جناب رسالت مآب ﷺ پر لاکھوں درود وسلام کے بعد :

سیرت اس ذات والاصفات کے ''ذکرِ جمیل'' کا نام ہے، جس نے دُکھی اور غم زدہ انسانیت کو امن وآشتی کا پیغام دیا، انسانوں کے مختلف گروہوں اور خانوادوں کے درمیان امتیاز تفریق کی چُنی ہوئی دیواریں ڈھادیں، غلاموں کو آقا اور رعایا کو بادشاہ کا ہم قدم وہم دوش بنایا اور عدل ومساوات کے لافانی اُصول دیئے، جس نے کفر وشرک، الحاد ودہریت، اباحیت اور رہبانیت کی راہوں میں بھٹکتی ہوئی دنیا کے لئے حق وراستی کی شمع روشن کی، تیز وتند آندھیوں میں باندازِ خسروانہ اس کی حفاظت کی اور ہمیشہ کے لئے ''توحید'' کی فکرِ صادق کو غالب کردیا، جس کے دستِ اعجاز نے عرب کے جاہل معاشرہ کی کایا پلٹ دی، اُمّیوں اور جاہلوں کو علم، وحشیوں کو تہذیب وتمدن اور غارت گروں کو امن وآشتی کا علمبردار بنا کر کھڑا کیا کہ شوکتِ قیصر اور جاہ کسریٰ ان کے قدموں میں سجدہ ریز ہوئی، اور جس سے بہتر اور برتر ''انسان'' آسمان کے سایہ اور زمین کے سینہ پر پیدا نہیں کیا گیا اور نہ قیامت تک مہر وماہ کی آنکھیں اس کی نظیر دیکھ سکیں گی، بقول مولانا جامی ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' (ﷺ)۔

زبان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اس کے ذکر سے تر ہو، دل کی خوش بختی ہے کہ وہ اس کی یاد میں دھڑکے اور قلم کی سعادت ہے کہ اس کے تذکرہ کے لئے متحرک ہو؛ اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ سیرت پر اتنا کہا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ تاریخ کی کسی دوسری شخصیت پر اس کا چوتھائی بھی نہ کہا گیا ہوگا اور نہ لکھا گیا ہوگا۔

یہ علوم اسلامی کا ایک مستقل شعبہ ہے اور حدیث سے اس کا گہرا تعلق ہے؛ اس لئے کہ

احادیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال سے گفتگو ہوتی ہے اور سیرت میں بھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ محدثین کی نظر اصلاً ثابت ہونے والے احکام پر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کے ذاتی احوال کا بھی ذکر آجاتا ہے، اور سیر ومغازی میں اصل مقصود خود آپ کے ذاتی حالات ہوتے ہیں اور ضمنی طور پر وہ احکام بھی آجاتے ہیں، جو ان سے ثابت ہورہے ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ محدثین کے یہاں قبول روایت میں بڑی احتیاط برتی گئی ہے؛ اس لئے ان کی شرطیں سخت ہیں اور وہ راوی کے اندر ادنیٰ سوءِحفظ یا شبہہ کذب پائے جانے کی وجہ سے بھی روایت مسترد کردیتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اس سے احکام ثابت کرتے ہیں اور احکام کا تعلق صرف علم سے نہیں ہے؛ بلکہ عمل اور عقیدہ سے ہے، جب کہ اہل سیر کے یہاں روایتیں قبول کرنے میں نسبتاً نرمی برتی جاتی ہے؛ اسی لئے بعض ان راویوں کی روایت کو بھی سیر ومغازی میں قابل قبول سمجھا گیا ہے، جن کو محدثین کے یہاں سندِ اعتبار حاصل نہ ہوسکا، اس کی واضح مثال محمد بن عمر واقدی (ولادت: ۱۳۰ھ مطابق ۷۴۷ء، وفات: ۲۰۷ھ مطابق ۸۳۲ء) ہیں، جن کو محدثین متروک قرار دیتے ہیں؛ مگر اہل سیر نے ان کی روایات سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے، قریب قریب یہی حال محمد بن اسحاق (وفات: ۱۵۱ھ مطابق ۷۶۸ء) کا ہے، جن کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے؛ مگر سیرت کی شاید ہی کوئی کتاب ان کی روایت سے خالی ہو۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیرت میں اس طرح کی بے اصل روایات لے لی جاتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سیرت کا بڑا حصہ صحیح اور ثابت شدہ احادیث پر مبنی ہے، اہل سیر واقعات کی ان کڑیوں کو جمع کرتے اور پروتے ہیں، درمیان میں کہیں خلا رہ جاتا ہے، جس کے متعلق صحیح احادیث میں کوئی صراحت نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں بعض اوقات ان روایات کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے، جو اگرچہ محدثین کے سخت معیار پر پوری نہیں اُترتیں؛ مگر اس خلا کو پُر کرتی ہیں اور اگلے اور پچھلے واقعات اور قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں یہی بات ہوئی ہوگی، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ محدثین کے یہاں جو روایتیں مسترد ہوجاتی ہیں، وہ بھی بالکل بے اصل نہیں ہوتیں اور تاریخی اعتبار سے اتنی قوی ہوتی ہیں کہ قرآن وحدیث کے علاوہ دنیا کی

کوئی دوسری کتاب یہاں تک کہ مختلف مذاہب کی بنیادی مذہبی کتابیں بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتیں۔

واقعات کی ترتیب قائم کرنے کی وجہ سے سیرت نگاروں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، ان کو آپ کے ہر قول وفعل کے متعلق دن، مہینہ اور سال کا تعین کرنا پڑتا ہے، اس کے اسباب ووجوہ پر روشنی ڈالنی ہوتی ہے، ہر واقعہ کا محرک تلاش کرنا ہوتا ہے اور اس کے پس منظر کی وضاحت کرنی ہوتی ہے، پھر مختلف واقعات — جو متفرق راویوں سے مروی ہوتے ہیں — کو باہم جوڑنا اور مربوط کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اس طرح بنیادی طور پر سیرت کے تین ماخذ ہیں :

اول، کتاب اللہ : — چنانچہ معراج، ہجرت، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ احزاب، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، غزوۂ بنوقریظہ، کفار ومنافقین کا اسلام کے ساتھ سلوک، مسلمانوں اور یہودیوں کے روابط، مسجد ضرار اور سیرت کے بہت سے اہم اور جزوی واقعات پر قرآن مجید کے بیان سے روشنی پڑتی ہے۔

دوسرے، احادیث : — یہ سیرت کا سب سے بڑا ماخذ ہے ؛ چنانچہ خود محدثین بھی اپنی کتابوں میں مغازی کا مستقل باب قائم کرتے ہیں، جن میں مختلف واقعات نقل کئے جاتے ہیں اور اہل سیر ان ہی کو تاریخی ترتیب سے مرتب کردیتے ہیں۔

تیسرے، تاریخی روایات : — ان سے عموماً تاریخی پس منظر معلوم کرنے میں مدد لی جاتی ہے، مثلاً بعثت کے وقت عربوں کے حالات، روم وایران اور دوسرے ممالک کا حال، مدینہ میں یہودیوں کی تاریخ، اسلام سے پہلے عربوں کے رسوم وعادات اور قبائل کے باہمی روابط — ''تاریخی روایت'' ہی کے درجہ میں کہیں کہیں بائبل سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

سیرت کی تدوین کس طرح ہوئی ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی تدوین ہی دراصل سیرت کی تدوین ہے اور تدوین حدیث کے موضوع پر اُردو اور عربی میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے ؛ اسی لئے عموماً علوم وفنون کی تاریخ لکھنے والوں نے تدوین سیرت پر علاحدہ سے نہیں لکھا ہے، خود ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادۃ

میں صرف چند سطریں لکھی ہیں؛ البتہ مغازی پر پہلی مستقل تصنیف محمد بن اسحاق کی شمار کی گئی ہے، حاجی خلیفہ لکھتے ہیں :

اول من صنف فيه الامام المعروف بمحمد بن اسحاق رئيس اهل المغازي المتوفي سنة ۔ (کشف الظنون: ۱۰۱/۲)

مغازی کے موضوع پر سب سے پہلے جس نے تصنیف کی ہے، وہ رئیس اہل مغازی محمد بن اسحاق متوفی: ۱۵۱ھ ہیں۔

ابن اسحاق کی یہ کتاب ''السیر والمغازی'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے، اور اس کا بڑا حصہ ''سیرت ابن ہشام'' میں آ گیا ہے؛ بلکہ یہ کتاب محمد بن اسحاق کی مغازی ہی کو بنیاد بنا کر تالیف کی گئی ہے، سیرت کی ابتدائی کتابوں میں اس کے علاوہ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کا بھی ذکر ملتا ہے، مگر اس کتاب کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا، ہاں بعد کی کتابوں میں کہیں کہیں اس کے حوالے آ گئے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت و مغازی کے موضوع پر ابتدائی زمانہ میں یہ کتاب بھی لکھی گئی تھی۔(۱)

ان دو کتابوں کے بعد سیرت کے موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں ابن ہشام (م: ۲۱۸ھ) کی ''السیرۃ النبویۃ'' اور ابن سید الناس (م: ۷۳۴ھ) کی ''عیون الاثر'' زیادہ مشہور ہیں، ان کے علاوہ تاریخ کی مختلف مشہور کتابیں ہیں، جن میں سیرتِ نبوی کا حصہ بھی آ گیا ہے، مثلاً: ابن جریر طبری (م: ۳۱۰ھ) کی ''تاریخ الرسل والملوک''، سلیمان بن موسیٰ کلاعی (م: ۶۳۴ھ) کی ''الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء''، علامہ ابن اثیر (م: ۶۳۰ھ) کی ''الکامل فی التاریخ''، ابوالفداء اسماعیل بن علی (ولادت: ۶۷۲ھ، م: ۷۳۲ھ) کی ''المختصر فی اخبار البشر'' اور ابن کثیر (ولادت: ۷۰۰ھ، م: ۷۷۴ھ) کی ''البدایۃ والنہایۃ''۔

زیرِ نظر کتاب ''سیرت ابن ہشام'' کی اُردو زبان میں تلخیص ہے، اس کتاب کے مصنف تیسری صدی ہجری کے وسط کے ہیں اور صرف ایک شخص زیاد بن بکائی (م: ۱۸۳ھ) کے واسطہ سے محمد بن اسحاق کے شاگرد ہیں، سیرت کی کتابوں میں یہ کتاب بڑی حد تک مستند

(۱) ماضی قریب میں یہ کتاب طبع ہوچکی ہے۔

اور جامع سمجھی گئی ہے اور اسی لئے بعد کو جتنی بھی کتبِ سیرت لکھی گئی ہیں، ان کا ماخذ یہی ہے، اس کتاب کو علماء اُمت کی خاص عنایت اور توجہ حاصل رہی ہے؛ چنانچہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی (۵۰۸ھ-۵۸۱ھ) نے اس کی ایک مفصل اور بلند پایہ شرح ''الروض الانف'' کے نام سے لکھی ہے، پھر ابوذر خُشَنی (۵۳۲ھ-۶۰۴ھ) نے ''شرح السیرۃ النبویۃ'' کے نام سے اور علامہ بدرالدین عینی نے (م:۸۰۵ھ) ''کشف اللثام'' کے نام سے شرحیں لکھیں۔

کچھ لوگوں نے اس کی تلخیص بھی کی ہے، مثلاً برہان الدین محمد شافعی نے ''الذخیرۃ فی مختصر السیرۃ'' کے نام سے ۶۱۱ھ میں، ابوالعباس واسطی نے ۷۱۱ھ میں ''مختصر سیرت ابن ہشام'' کے نام سے، ڈاکٹر عبدالسلام ہارون نے ''تہذیب سیرۃ ابن ہشام'' کے نام سے ۱۳۸۲ھ میں اور ابراہیم ابیاری نے ''مہذب السیرۃ'' کے نام سے پچھلے دنوں اس کی مختصرات لکھی ہیں، ابومحمد دمیری (م: ۶۶۳ھ) نے غالباً سب سے پہلے اس کو اشعار میں نظم کیا، پھر ابوبکر ابن شہید (م:۷۹۲ھ) نے ''الفتح القریب فی سیرۃ الحبیبؐ'' کے نام سے دس ہزار سے زیادہ اشعار میں اس کو نظم کی شکل دی۔

انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور فارسی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوچکے ہیں، اُردو زبان میں مولوی انشاء اللہ خاں، سید یٰسین علی نظامی، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی اور احسان الحق سلیمان اس کے ترجمے کرچکے ہیں، غالباً دارالترجمہ حیدرآباد دکن سے بھی بعض حصوں کا ترجمہ شائع ہوا تھا ہے؛ مگر ان میں سے کوئی بھی مترجمین کے حذف واضافہ، ترمیم اور اپنی آراء سے خالی نہ تھا — ماضی قریب میں اس کا مکمل ترجمہ عبدالجلیل صدیقی صاحب نے کیا ہے، جو غلام رسول مہر کی نظر ثانی وتہذیب کے ساتھ پہلے پاکستان سے شیخ غلام اینڈ سنز پبلشر لاہور سے دوجلدوں میں شائع ہوا اور پھر ہندوستان (اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی) سے شائع ہوا ہے، اس کتاب کی اطلاع مجھے اس وقت ہوئی جب میں زیرنظر کتاب کے دوتہائی حصہ سے زیادہ کا کام مکمل کرچکا تھا۔

سیرت ابن ہشام دراصل ایک طویل کتاب ہے، جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک عربوں کی پوری تاریخ آ گئی ہے، عرب میں عیسائیت، یہودیت، بت

پرستی اور اس کے آغاز پر مفصل گفتگو ہے، ایک واقعہ سے متعلق مختلف راویوں کی روایات الگ الگ ذکر کردی گئی ہیں؛ حالاں کہ ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے، عربی اشعار، قصیدے، مرثیے اور نظمیں کثرت سے نقل کئے گئے ہیں، کسی واقعہ سے متعلق قرآنی آیات نقل کرکے اس کی مکمل تفسیر اور شانِ نزول وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، جہاں کہیں کسی کا نام آیا ہے، وہاں اس کا پورا نسب، قبیلہ اور قبیلہ کی قریبی شاخ سب کی وضاحت کی گئی ہے، خود آپ ﷺ کے نسب پر بھی بہت تفصیلی کلام کیا گیا ہے، یہ ایسی باتیں ہیں جو بذاتِ خود اہم ضرور ہیں؛ لیکن ایک عام قاری کے لئے ان میں دلچسپی کا سامان نہیں ہے، نہ اس کی متوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگوں کو اور طلبہ کو ضرورت ہے۔

ضرورت تھی کہ اُردو میں بھی اس عظیم اور تاریخی کتاب کی ایسی تلخیص مرتب ہو، جو عام فہم ہو اور جس میں مرتب اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرے؛ تاکہ اس کی مستند حیثیت باقی رہے اور وہ اجزاء نکال دیئے جائیں، جن کی عام لوگوں کو ضرورت نہ ہو —— زیر نظر کتاب اسی ضرورت کی تکمیل ہے!

اصل کتاب میں اگر کوئی بات وضاحت طلب تھی تو حاشیہ پر اس کی وضاحت کردی گئی ہے، کوئی رائے عام اہل سیر کے خلاف تھی تو اس پر بھی نوٹ لکھ دیا گیا ہے، مقامات کے نام جہاں خود ابن ہشام نے واضح کئے ہیں، وہاں متن میں اور جہاں اس بے مایہ کی طرف سے ہیں، وہاں قوسین کے درمیان لکھے گئے ہیں، عنوانات بھی خود میرے قائم کئے ہوئے ہیں، اشعار اور ان کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے، قرآنی آیات جہاں طویل ہیں، وہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے اور جہاں مختصر ہیں وہاں آیات مع ترجمہ درج کی گئی ہیں، کہیں کہیں ابن ہشام نے کئی کئی رکوع نقل کردیئے ہیں، ایسے مواقع پر میں نے صرف آیات نمبر کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے، ترتیب بالکل وہی ہے جو ابن ہشام کی ہے، صرف مرضِ وفات کے متفرق واقعات کی ترتیب میں تھوڑا سا تغیر کیا گیا ہے اور ازواج مطہرات کا ذکر سب سے اخیر میں کیا گیا ہے، جب کہ مؤلف نے اس کا ذکر وہاں کیا ہے، جہاں مرض وفات میں حضور ﷺ کی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف آوری اور مستقل قیام کا واقعہ مذکور ہے۔

وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفۃ الرسول کے انتخاب اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے واقعات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں؛ اس لئے کہ اس کا براہ راست آپ کی حیاتِ طیبہ سے تعلق نہیں ہے، اُردو کی چھوٹی اور متوسط کتابوں میں عموماً مقامات اور جنگ کے شہدا و مقتولین کے نام نہیں لکھے گئے ہیں، غزوات اور اسفار پر نکلتے ہوئے مدینہ پر مقرر کئے جانے والے امراء کے نام بھی نہیں ملتے، زیر نظر کتاب میں خاص طور پر کوشش کی گئی ہے کہ ان کے نام ذکر کر دیئے جائیں اور ان پر اس طرح اعراب لگا دیا جائے کہ تلفظ واضح ہو جائے۔

اُمید ہے کہ یہ حقیر کاوش عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ثابت ہوگی اور طلبہ بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے، خود راقم الحروف کو اس کتاب کی ترتیب سے بڑا فائدہ ہوا کہ سیرت کے تمام واقعات پر ایک اجمالی نظر ہوگئی اور اس کتاب نے دل پر بڑا اثر بھی ڈالا؛ اس لئے کہ فطری طور پر انسان واقعات سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، دُعا ہے کہ آخرت میں بھی یہ اس کے لئے زادراہ ثابت ہو اور اس موضوع پر مزید لکھنے اور کام کرنے کی توفیق میسر ہو۔

اخیر میں ہم مخدومی ومحترمی حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل مدظلہ کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مقدمہ لکھ کر اس کی اہمیت دو چند کر دی، محترم دوست جناب مولوی رحیم الدین انصاری معتمد مرکز الدعوۃ والدراسات الاسلامیہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ ان ہی کی توجہ سے یہ کتاب اشاعت پذیر ہو سکی اور عزیزی القدر مولانا محمد عابد ندوی —— زادہ اللہ علماً نافعاً وعملاً صالحاً —— کے بھی، جنھوں نے جا بجا میری مدد کی اور میری عدیم الفرصتی کے تحت بعض صفحات کے ترجمے بھی کئے، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس بے مایہ کو صاحبِ تذکرہؐ کے اُسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق سے بہرہ مند کرے، واللہ الموفق والمستعان۔

خالد سیف اللہ عابدین رحمانی
(بارکس، حیدرآباد)

۲۰؍صفر ۱۴۰۴ھ
۲۸؍نومبر ۱۹۸۴ء

☆ ☆ ☆

پیش لفظ

رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے تا قیامت ''اُسوۂ حسنہ'' اور مشعلِ راہ قرار دیا ہے، گویا قرآن اسلامی زندگی کے اساسی اُصول ہیں اور آپ ﷺ کی ذات قرآن مجید کی عملی تفسیر، ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا :

ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما : کتاب اللّٰہ وسنتی ۔ (مستدرک حاکم عن ابی ہریرۃؓ)

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، اب تم ان کے بعد گمراہ نہ ہوگے: کتاب اللہ اور میری سنت۔

قرآن مجید کا بیان ہے :

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔(نساء:۵۹)

خدا، رسول اور اولی الامر کی طاعت کرو۔

اطاعت نام ہے فرامین واحکام کی تعمیل کا ،اس سے معلوم ہوا کہ زبان رسالت ﷺ سے جو کچھ ارشاد ہو، اس پر عمل کرنا واجب ہے، یہی حال آپ کے اعمال کا بھی ہے کہ اس کی بھی پیروی واتباع ضروری ہے، اسی کو قرآن نے 'اتباع' سے تعبیر کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی قربانی اور خوبی یہی تھی کہ وہ اطاعت واتباع کا ایسا نمونہ تھے کہ شاید ہی دنیا میں ان کی کوئی نظیر مل سکے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے جہاں آپ کو استنجا، کرتے ہوئے دیکھا، جب وہاں سے گزرہوا تو محض اتباع کی غرض سے وہیں بیٹھ گئے کہ ادائے رسالت کی نقل تو ہوگی، صحابہ کی زندگی میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

سیرت دراصل آپ کی عملی زندگی کے احوال کا نام ہے، جس میں وہ حالات بھی ذکر کئے جاتے ہیں، جو آپ ﷺ کے اختیار سے صادر ہوئے ہیں اور وہ شریعت کا ایک جزو ہیں، اور وہ اُمور بھی جو غیر اختیاری ہیں، مثلاً رنگ و روپ، شکل وصورت، نیند و بیداری، کھانے کی مقدار، طبعاً کسی غذا کی طرف رغبت اور کسی کی طرف کم رغبت، مختلف دوستوں اور ساتھیوں سے تعلق، ولادت وفات وغیرہ، پہلے قسم کے احکام تشریعی ہیں اور دوسرے قسم کے طبعی اور فطری۔

رسول اللہ ﷺ کا جو حق اُمت کے ذمہ رکھا گیا ہے، وہ بنیادی طور پر تین ہے :

پہلا حق آپ کی تعظیم ہے، رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء میں افضل ہیں ''انا سید ولد اٰدم'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۲۲۷۸) انبیاء تمام انسانوں سے افضل ہیں اور بحیثیت مخلوق انسان اشرف المخلوقات ہے، اس طرح رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے افضل اور تمام مخلوقات سے برتر ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ خدا کے بعد سب سے زیادہ آپ کی تعظیم اور آپ کا احترام ہو۔

خود اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے کہ ایسی آواز میں آپ ﷺ سے بات کرنے سے بھی منع فرما دیا، جس میں کسی اور کی آواز آپ سے بلند ہو جائے :

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (الحجرات:۲)

اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اُونچی نہ کرو۔

ایسے الفاظ سے مخاطب کرنے سے روکا گیا، جن میں کسی گستاخی کا وہم ہو: ''رَاعِنَا'' کے معنی ہیں میری رعایت فرمایئے؛ لیکن اگر اس لفظ کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یوں کہا جائے: ''رَاعِيْنَا''، تو معنی ''میرے چرواہے'' کے ہوتے ہیں؛ اس لئے اس لفظ کو قرین صواب نہیں سمجھا جائے گا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (البقرۃ:۱۰۴)

اے مومنو! راعنا نہ کہو، کہو اُنظرنا (میری طرف توجہ فرمایئے) اور سنو کہ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تعظیم یہ ہے کہ ہماری زبانیں آپ کے ذکر میں رطب اللسان اور قلم آپ ﷺ کی حکایت حال سے مشرف ہو، ہم خود سیرت کا مطالعہ کریں، دوسروں سے کرائیں اور آنے والی نسل کو اس گنج ہائے گراں مایہ سے محروم نہ رہنے دیں، کوئی دریدہ دہن اگر آپ کے بارے میں کچھ کہے تو ہماری رگِ غیرت پھڑک اُٹھے، نیز احترام کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ہے کہ ہمارے اندر اُسوۂ نبوی کا احترام پیدا ہو، نبی ﷺ کی وضع قطع کی عظمت دل میں جاگزیں ہوجائے، بدقسمتی سے ہمارے زمانہ میں بعض بزعم خود روشن خیال داڑھی اور مسنون لباس کا مذاق اُڑاتے رہتے ہیں، یہ دراصل بالواسطہ اسوۂ نبوی کا استہزاء ہے، العیاذ باللہ۔

دوسرا حق ہے: آپ سے محبت، یہ بھی نبی ﷺ کا حق ہے؛ چنانچہ آپ نے فرمایا :

لن یؤمن احد کم حتی أکون احب الیه من نفسه وأھله ۔ (کنز العمال، کتاب الایمان: ۱/ ۲۸۴، حدیث نمبر: ۱۳۸۶)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان اور اس کے اہل وعیال سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

اس محبت کا حق کیا ہے؟ اس کے لئے ہم کو صحابہؓ کی زندگی کی طرف نظر ڈالنی چاہئے، جو سب سے زیادہ حضور ﷺ کو چاہنے والے اور حق محبت ادا کرنے والے تھے۔

صحابہؓ کے یہاں ہمیں نہیں ملتا کہ وہ سیرت کے موضوع پر بکثرت جلسے منعقد کرتے ہوں، مشاعرے کرتے ہوں اور بس، اس قسم کے کام نہ ان کے یہاں ہوتے تھے اور نہ اُن کو اِن کی ضرورت ہی تھی؛ البتہ ان کو آپ کے مشن اور دین سے بے پناہ تعلق تھا، انھوں نے اس کے لئے اس قدر قربانی دی کہ وطن چھوڑا، بے وطنی کو قبول کیا، اپنوں سے جدا ہوئے، دولت لٹادی یہاں تک کہ وہ ہر وقت تلوار کی دھار پر کھڑے تھے کہ نہ جانے کس وقت کس کی زد میں آجائیں۔

اب بھی حضور ﷺ سے محبت کا حقیقی تقاضا یہی ہے اور یہی کسوٹی ہے جس پر اُمت کے

رسول ﷺ سے تعلق کو پرکھا جا سکتا ہے، جس طرح اولاد کی محبت انسان کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ ان کی پرورش کرے اور والدین کو ان کی بیماری و تکلیف بے چین اور بے قرار کر دیتی ہے، اسی طرح اُمت اسلام کی حفاظت و پاسبانی کرے اور دین کے خلاف ہونے والی کوئی بھی سازش اسے مضطراب اور بے قرار کر دے۔

سب سے اہم حق احکام رسالت ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، یہی دراصل بعثت اور نبوت کا اصل مقصود ہے، ارشاد خداوندی ہے :

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ -(الانفال:۱)

مومنو! خدااور رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعتاً اہل ایمان ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ -(الانفال:۲۰)

مومنو! خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور سننے کے باوجود اس سے رُخ نہ پھیرلو۔

اس کا فطری تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کی ادنیٰ خلاف ورزی عند اللہ سخت عذاب ومواخذہ کا باعث ہو :

وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ -(انفال:۱۳)

جو خدا اور سول کی نافرمانی کرے گا تو اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

اس اطاعت کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب رسول ﷺ کا حکم نفسانی جذبات اور دنیوی مفادات کے خلاف پڑتا ہو، اس دُکھتی ہوئی نبض پر انگلی رکھتے ہوئے قرآن نے خصوصیت سے اس وقت احکام نبوی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، جب دو مسلمانوں کے درمیان کسی مسئلہ میں نزاع اور اختلاف پیدا ہو گیا ہو :

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ -(النسا:۵۹)

اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اسے خدا اور سول کی طرف لوٹا دو :

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا -(الاحزاب:۳۶)

جب خدا اور رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو مومن مرد و عوت کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو خدا اور رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ جائے گا۔

اور یہ کہ جب تک کسی انقباض کے بغیر آپ ﷺ کے ارشاد پر لبیک نہ کہا جائے، آدمی مومن ہی نہیں ہوتا :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا
تَسْلِيْمًا -(النسا:۶۵)

آپ کے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سرِ تسلیم خم کردیں۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو بعینہٖ خدا کی اطاعت قرار دیا گیا اور رسول ﷺ کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے لئے کسوٹی بتایا گیا :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ -(النسا:۸۰)

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے خدا کی اطاعت کی۔

ہدایت موقوف ہی اس پر ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کا جائے :

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا -(النور:۵۴)

اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اسی خود سپردگی کا ایک حصہ آپ ﷺ کے اعمال اور اُسوۂ حسنہ کی اتباع اور اس کی نقل ہے، اللہ تعالیٰ نے کفر و ایمان کے لئے اتباع اور اس سے انکار کو معیار قرار دیا ہے، ارشاد ہے :

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ۔(البقرۃ:۱۴۳)

اور ہم نے قبلہ نہیں بنایا اس کو جس پر آپ تھے، مگر محض یہ جاننے کے لئے کہ ایڑیوں کے بَل لوٹ جانے والوں کے مقابلہ میں کون رسول خدا کی پیروی کرتا ہے؟

اور خدا سے محبت کی علامت اور نشانی ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کی جائے :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔(آل عمران:۳۱)

آپ فرما دیجئے ، اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کریں گے۔

قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ایسا نظم فرما دیا کہ دنیا میں آپ کی سیرت سے زیادہ کسی کی سیرت کی اتباع و پیروی اور اطاعت وفرمانبرداری ممکن بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ کسی کی سیرت کی پیروی کے لئے بنیادی طور پر دو باتیں ضروری ہیں : اول یہ کہ اُس کی سیرت محفوظ ہو، دوسرے : وہ اتنی جامع اور ہمہ گیر ہو کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے احاطہ سے باہر نہ ہو، پیغمبر اسلام ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں جس کو تاریخ میں یہ خصوصیت حاصل ہو۔

الحمدللہ کہ اُردو زبان میں سیرت کی بہت سی کتابیں موجود ہیں اور اس فن کی بعض اُمہات کتب کا عربی سے اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، مگر جو کتابیں موجود ہیں، وہ یا تو بہت مختصر ہیں یا بہت مفصل ،ضرورت تھی کہ سیرت کی ایک متوسط کتاب ہو، جو عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ہو، زبان شستہ اور اُسلوب عام فہم ہو، دینی مدارس میں ''رحمت عالم'' کے بعد داخل نصاب کی جاسکتی ہو اور مستند و معتبر ہو۔

میں نے اس کے لئے محب عزیز جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ـــــ زادہ اللہ علماً نافعاً وعملاً صالحاً ـــــ سے خواہش کی، جو ایک ذی صلاحیت، متوازن مزاج، صاحبِ قلم اور جواں ہمت عالم ہیں، ایک درجن کتابوں کے مصنف ہیں، منتہی کتب کا درس دیتے ہیں اور دار القضاء

امارت ملت اسلامیہ میں قضا کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں، انھوں نے زیر نظر کتاب کی صورت میں میری اس خواہش کی تکمیل کر دی، فجزاہ اللہ خیر الجزا۔

انشاءاللہ یہ مختصر مگر جامع کتاب عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ہوگی اور دینی مدارس کی متوسطات کی جماعتوں میں اس کو داخل نصاب کرنا مناسب اور بہتر ہوگا، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف، مترجم، ناشر اور مقدمہ نگار سبھوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

۲۰؍صفر ۱۴۰۴ھ
۲۸؍نومبر ۱۹۸۴ء

محمد حمید الدین حسامی عاقل
(امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش)

☆ ☆ ☆

نبوت سے پہلے

نسبِ اطہر

رسول اللہ ﷺ سے لے کر ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام تک کا سلسلۂ نسب یوں ہے :

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قُصّی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادّ بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن حضرت اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بن تارح بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ (بعض اہل علم کی رائے میں یہ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے) بن یرد بن مہلیل بن قینن بن یانس بن حضرت شیث علیہ السلام بن ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آپ ﷺ کی والدہ کا نسب کلاب بن مرہ آپ ﷺ کے والد سے جاملتا ہے، آپ ﷺ کی والدہ کا سلسلۂ نسب یوں ہے :

آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔

واقعۂ فیل

رسول اللہ ﷺ کی جس سال ولادت باسعادت ہوئی، اسی سال اصحابِ فیل کا واقعہ بھی

پیش آیا(۱)—— اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابرہہ شاہِ یمن نے، جو مذہباً عیسائی تھا، ایک چرچ بنوایا، جس کا نام ''قلیس'' رکھا، فن تعمیر کے لحاظ سے یہ اپنے زمانہ کی ایک بے نظیر عمارت تھی، پھر نجاشی شاہِ حبش کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ میں اس وقت تک نہ رُکوں گا، جب تک کہ عرب حاجیوں کا رُخ خانۂ کعبہ کی بجائے اس چرچ کی طرف نہ موڑ دوں۔

عربوں کو جب اس خط کی خبر ملی تو، بڑا غصہ آیا؛ چنانچہ ایک عرب اس چرچ میں آیا، یہاں غلاظت کی اور بھاگ کر اپنے یہاں واپس آپہنچا—— ابرہہ کو جب اس کی طلاع ملی تو آگ بگولہ ہوگیا اور قسم کھائی کہ وہ خانۂ کعبہ کو منہدم کر کے ہی دم لے گا؛ چنانچہ وہ مکہ کے لئے اپنی فوج اور عسکری تیاریوں کے ساتھ نکل پڑا اور سواری کے لئے ہاتھیوں سے کام لیا، عربوں کو اس کی اطلاع ملی تو گھبرا اُٹھے، اس لئے کہ ابرہہ کا مقابلہ کوئی آسان بات نہ تھی۔

البتہ چوں کہ ابرہہ بیت اللہ کو منہدم کرنا چاہتا تھا؛ اس لئے وہ اس جنگ کو ایک مذہبی فریضہ اور کارِ ثواب سمجھتے تھے؛ چنانچہ سب سے پہلے خود یمن میں وہاں کے ایک مقامی عرب سردار ''ذونفر'' نے اپنے قبیلہ اور دوسرے حاجیوں کی مدد سے مقابلہ کیا، مگر عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر گرفتار کرلیا گیا، آگے جب بنو خثعم کے علاقہ سے گزر ہوا تو نفیل بن حبیب خثعمی کی سرکردگی میں قبائل شہران و ناہس نے مقابلہ کی کوشش کی، مگر ان کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور نفیل قید کرلیا گیا، پھر جب یہ لشکر طائف پہنچا تو اہل طائف اور بنو ثقیف نے نہ صرف یہ کہ اپنی وفاداری اور دوستی کا اظہار کیا؛ بلکہ فوج کے ساتھ رہنمائی کی غرض سے ''ابورغال'' نامی ایک شخص کو بھی بھیج دیا، جس کا مغمس کے مقام پر راستہ ہی میں انتقال ہوگیا۔

یہاں سے ابرہہ نے حبش کے ایک باشندہ ''اسود بن مقصود'' کو گھوڑے پر مکہ کے نواح میں بھیجا، جو وہاں سے مکہ والوں کے جانور اور دوسرے اسباب ہنکا لے آیا، اس میں عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے، اس واقعہ کے بعد مکہ کے مختلف قبائل قریش، کنانہ، ہذیل اور حرم میں موجود دوسرے لوگوں نے جنگ کرنی چاہی، مگر دشمن کی زبردست فوجی قوت کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور سبھوں نے خاموشی اختیار کرلی۔

---

(۱) ۵۷۰م (محمد رسول اللہ: ۱/۱۷)۔

ابرہہ نے اب ''حناطہ حمیری'' کو مکہ بھیجا کہ وہ سردار شہر سے کہے کہ ہم لوگوں کا مقصد محض کعبہ کو منہدم کرنا ہے، تم سے جنگ کرنا نہیں ہے، لہٰذا اگر تم ہمارے کام میں رکاوٹ نہ بنو تو ہم تمہارے خون کے درپے نہ ہوں گے ــــ قاصد مکہ آیا اور سردارِ شہر کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کا نام بتا دیا، اس نے عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام سنا دیا، حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا :

خدا کی قسم ! نہ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ ہے اور نہ اس کی طاقت ہی ہے، یہ کعبہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے، اگر اللہ اس کی حفاظت کرے تو یہ اسی کا گھر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ابرہہ کو اس حرکت سے باز نہ رکھے تو ہمارے اندر تو مقابلہ کی تاب نہیں۔

پھر حناطہ کی خواہش پر عبدالمطلب بھی ان کے ساتھ آئے ، یہاں آ کر ذی نفر سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ ہمارے اوپر جو مصیبت آئی ہے، اس میں تم کچھ کام آ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ایک قیدی جو صبح وشام موت کے انتظار میں ہو، کیا کام آ سکتا ہے؟ ہاں ! ہاتھی بان میرا دوست ہے، میں اس کو بلاتا ہوں، تمہارا حق بتاتا ہوں اور خواہش کرتا ہوں کہ بادشاہ سے تمہاری ملاقات کے لئے اجازت چاہے اور ممکن ہو تو سفارش کرے، ہاتھی بان کا نام ''انیس'' تھا۔

چنانچہ ذونفر کی سفارش پر انیس نے ابرہہ سے عبدالمطلب کے لئے ملاقات کی اجازت چاہی اور اس نے اجازت دے دی ــــ عبدالمطلب خوبصوت، بلند قامت اور باوقار آدمی تھے، ابرہہ نے دیکھا تو بڑے اکرام سے پیش آیا، اس کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی کہ خود اوپر بیٹھے اور عبدالمطلب کو نیچے بٹھائے اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اس کے لوگ عبدالمطلب کو اس کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھیں، اس لئے وہ خود بھی نیچے اُتر گیا اور عبدالمطلب کو بھی نیچے بیٹھایا۔

پھر ترجمان کی وساطت سے عبدالمطلب کی ضرورت دریافت کی، انھوں نے کہا: میری ضرورت صرف اس قدر ہے کہ میرے دوسو اونٹ جو پکڑ لائے گئے ہیں، واپس دے دیئے

جائیں ــــ ابرہہ نے کہا تم صرف اپنے دوسو اونٹ کے سلسلہ میں گفتگو کرنے آئے ہو اور تم نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا کہ میں اس عمارت کو ڈھانے آیا ہوں، جس سے تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین وابستہ ہے، عبدالمطلب نے کہا: ''میں اونٹ کا مالک ہوں اور اس گھر کا مالک خدا ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا'' ابرہہ نے کہا: ''خدا بھی اب مجھ سے اپنا گھر نہیں بچا سکتا'' عبدالمطلب نے جواب دیا: ''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے''۔

عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے، قریش کو حالات سے آگاہ کیا اور لوگوں کو مکہ کا تخلیہ کر کے پہاڑوں اور وادیوں میں پناہ لے لینے کی ہدایت دی، نکلتے ہوئے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ خانۂ کعبہ کی چوکھٹ پکڑ کر عجز و نیاز کے ساتھ خدا سے دُعاء کی، ابرہہ اور اس کی فوج کے مقابلہ مدد کی درخواست کی اور پہاڑوں میں چلے گئے؛ تاکہ وہاں سے دیکھ سکیں کہ ابرہہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟

دوسرے دن صبح کو ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، اپنے ہاتھی کو بھی تیار کیا، اس کے ہاتھی کا نام ''محمود'' تھا، وہ عزم مصمم کئے ہوئے تھا کہ خانۂ کعبہ کو منہدم کر کے ہی یمن واپس ہوگا؛ چنانچہ ہاتھی کا رُخ مکہ کی طرف کیا، نفیل بن حبیب ہاتھی کے ایک طرف آیا، اس کا کان پکڑا اور کہنے لگا: تو بدک جا یا جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جا؛ چنانچہ ہاتھی بدک گیا اور نفیل نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی۔

لوگوں نے ہاتھی کو بہت مارا، اس کے پیٹ اور سر میں برچھے گھسا دیئے اور لہولہان کر دیا، مگر وہ مکہ کی سمت میں آگے بڑھنے کو آمادہ نہ ہوا، اس کے برخلاف اگر اس کو شام یا یمن کی طرف ہنکایا جاتا تو ٹھیک چلنے لگتا؛ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک سمندری سیاہ رنگ کا پرندہ جھنڈ کی صورت میں آیا، ہر پرندہ کے پاس چنے کے دانے کے برابر تین تین پتھر تھے، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں، یہ سنگ ریزے جن کو بھی لگتے وہ وہیں ہلاک ہو جاتا، ابرہہ اسی عذاب میں مر گیا اور دوسرے لوگ بھی بھاگتے ہوئے ہلاک ہو گئے۔

چاہِ زم زم کی کھدائی

رسول اللہ ﷺ کے خانوادہ کو اسلام سے پہلے بھی مختلف شرف حاصل رہے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ بنو ہاشم ہی نے زم زم کو جو بند ہو چکا تھا از سرِ نو کھولا، خود آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب سے یہ واقعہ منقول ہے — وہ کہتے ہیں :

> ایک دن میں سویا ہوا تھا، خواب میں دیکھا، ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ''طیبہ کھودو'' — میں نے دریافت کیا: طیبہ کیا چیز ہے؟ وہ شخص چلا گیا، دوسرے دن میں اپنی خواب گاہ میں آیا اور سو گیا، پھر وہی شخص خواب میں نظر آیا اور کہا: ''مضنونہ کھودو'' میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے؟ اب بھی وہ شخص چلا گیا — تیسرے دن سویا تو پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص زم زم کھودنے کو کہہ رہا ہے، میں نے کہا: زم زم کیا ہے؟ اس نے کہا: ''جس کے سوتے کبھی بند نہیں ہوتے، نہ اس کا پانی کم ہوتا ہے، اس کے ذریعہ حجاج کو سیراب کیا جاتا ہے''۔

پھر خواب ہی میں اس جگہ کی علامت بتائی گئی کہ وہاں ایک کوا چونچ مارے گا، اس کوے کے بازوؤں میں تھوڑی سی سفیدی ہوگی اور یہ جگہ خون اور گندگی کے درمیان ہوگی، اس طرح جب زم زم کے محل وقوع کی نشاندہی کر دی گئی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ ایک سچا اور صحیح خواب ہے، تو دوسرے دن اپنے صاحبزادے حارث کے ساتھ نکلے اور اس جگہ کی کھدائی شروع کر دی، پھر جب کنویں کے اوپر کی چٹان نظر آئی تو خوشی کے مارے عبد المطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

قریش نے سمجھ لیا کہ عبد المطلب اپنی منزلِ مقصود کو پا گئے ہیں ؛ چنانچہ انھوں نے عبد المطلب سے مطالبہ کیا کہ چوں کہ یہ ہمارے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے ؛ اس لئے اس میں ہمارا بھی حق ہے ؛ لہٰذا ہمیں بھی اس میں شریک کر لو، عبد المطلب اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور کہا کہ یہ معاملہ خاص طور پر مجھے ہی سپرد کیا گیا ہے، مگر قریش مصر ہو گئے کہ ہم

لوگ یوں ہی اپنے حق سے دستبردار نہ ہوں گے؛ یہاں تک کہ ضرورت پڑی تو تم سے لڑنے سے بھی گریز نہ کریں گے۔

عبدالمطلب نے کہا: پھر میرے اور اپنے درمیان کسی کو ''حکم'' بنالو، قریش نے اس کے لئے بنوسعد بن ہذیم کی ایک کاہنہ کا نام پیش کیا، یہ شام کے بالائی علاقہ کی ایک خاتون تھیں، عبدالمطلب نے بھی اپنی طرف سے آمادگی ظاہر کردی، چنانچہ وہ اور ان کے ساتھ عبدِ مناف کے ایک شخص اور قریش کے دوسرے تمام قبائل سے ایک ایک شخص شام کو روانہ ہوئے، یہ ریگستانی علاقہ تھا؛ چنانچہ حجاز وشام کے درمیان ایک ایسے ہی مقام پر عبدالمطلب اور ان کے رفقاء کا پانی ختم ہوگیا، یہ لوگ تشنہ لب اور سخت پیاسے تھے، انھوں نے بعض دوسرے قبائل قریش سے پانی کی خواہش کی، مگران لوگوں نے بھی انکار کردیا کہ کہیں ایسے ہی حالات سے ہم خوددوچار نہ ہوجائیں۔

عبدالمطلب نے رفقاءِ سفر سے دریافت کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ لوگوں نے کہا: آپ کی جو رائے ہو، عبدالمطلب نے کہا: ابھی چوں کہ تمہارے جسم میں قوت موجود ہے، اس لئے ہر شخص اپنی قبر خود کھودلے، پھر جب پیاس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوجائے تو دوسرے اہل قافلہ اس کو دفن کردیں، چنانچہ اسی تجویز پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک نے اپنی اپنی قبر کھودی اور موت کا انتظار کرنے لگے۔

مگر عبدالمطلب کو اس پر اطمینان نہ ہوا اور کہا: یہ تو اپنے آپ کو خود ہی موت وہلاکت کے حوالہ کردینا ہے، ہمیں تلاش جاری رکھنی چاہئے، ممکن ہے کہیں پانی مل جائے، لہٰذا آگے چلو؛ چنانچہ سبھوں نے سواری تیار کی، دوسرے قبائل کے لوگ دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا کررہے ہیں؟ عبدالمطلب اپنی سواری کی طرف بڑھے اور سوار ہوگئے، پھر جیسے ہی اونٹنی ان کو لے کر آگے بڑھی اس کے کھر کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کیا، اُترے، پانی پیا اور اپنے برتن بھرلئے، پھر دوسرے قبائل قریش کو بھی اس پانی سے استفادہ کی دعوت دی۔

لوگ یہ ماجرا دیکھ کر کہہ اُٹھے، عبدالمطلب! خدا نے ہمارے مقابلہ تمہارے حق میں فیصلہ کردیا ہے، اب ہم زم زم کے سلسلہ میں تم سے نہیں لڑیں گے؛ بلکہ جس خدا نے تم کو ریگستان میں پانی عطا کیا ہے، اسی نے تم کو چاہ زم زم سے بھی سرفراز کیا ہے، تم سلامت وعافیت کے ساتھ واپس ہوجاؤ ـــــ اس طرح عبدالمطلب اور ان کے رفقاء واپس آگئے اور کاہنہ تک جانے کی نوبت نہیں آئی۔

جاہلیت میں قیادت کے مختلف عہدے

دراصل اس واقعہ کا بھی اہم تاریخی پس منظر ہے، عربوں میں اس وقت پانچ اہم عہدے تھے، اوران خدمتوں کے حاملین کو بڑا معزز اور سردارِ قوم سمجھا جاتا تھا۔

اول: حجابت ـــــ جس شخص کو یہ عہدہ حاصل ہوتا تھا، اسی کے پاس کعبۂ مکرمہ کی کنجیاں ہوتیں۔

دوسرے: سقایہ ـــــ یعنی حجاج کو پانی پلانے کا نظم، ابتداء میں اس کے لئے زم زم سے کام لیا جاتا تھا، پھر بنوجرہم نے اس کو پاٹ دیا تو مکہ میں مختلف کنویں اسی مقصد کے لئے کھودے گئے، ان سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔

تیسرے: رِفادہ ـــــ غریب اور نادار حاجیوں کے لئے لنگر خانہ کا قیام، اس مد میں تمام اہل مکہ اپنے مال کا کچھ حصہ دیا کرتے تھے۔

چوتھے: ندوہ ـــــ یعنی مشورہ گاہ، یہ جگہ اس کے قبضہ میں رہتی تھی، جس کو یہ منصب حاصل ہوا ہو۔

پانچویں: لِوا ـــــ یعنی جنگی اُمور کی سربراہی۔

ابتداءً ان پانچوں قسم کی خدمتوں کا شرف بنوجرہم کو حاصل تھا، پھر بنوبکر نے ان کے مظالم کی وجہ سے ان کو شہر بدر کردیا اور خود ان سارے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اسی زمانہ میں بنوجرہم نے زمزم کو دفن کر کے یمن کی راہ لی، پھر حالات اور قوت کے لحاظ سے مختلف خاندانوں کو یہ شرف حاصل ہوتا رہا، یہاں تک کہ آخر میں قصی بن کلاب کو ان خدمات کا موقع ملا اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکا جب بنوخزاعہ اور بنوبکر کا مکہ سے اخراج کردیا گیا۔

قصی بن کلاب نے یہ پانچوں اُمور اپنے چھوٹے بیٹے عبدالدار کو تفویض کر دیئے اور عبد مناف کو اس سے محروم کر دیا، مگر عبد مناف کی اولاد کو یہ بات گوارا نہ ہوئی اور انھوں نے بزورِ قوت بنوعبدالدار سے ان کو چھیننا چاہا، یہ باہمی مخاصمت ایک زبردست لڑائی کا پیش خیمہ بننے والی تھی کہ بعض لوگوں نے مصالحت کرادی، اس معاہدے کی رو سے ''سقایہ'' اور ''رفادہ'' کی خدمت بنوعبدِمناف کو اور لواء، حجابت اور ندوہ بنوعبدالدار کے سپرد ہوا۔

پھر عبد مناف کے خاندان میں بالترتیب ہاشم بن عبد مناف، مطلب بن عبد مناف اوران کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو یہ سعادت حاصل ہوئی، اس طرح زم زم کی کھدائی دراصل عبدالمطلب ہی کا حق تھا اور ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے اپنے عہد سقایہ میں زم زم کو جو ایک طویل عرصہ سے بند پڑا تھا، کھود کر صاف کیا اور پھر لوگ اس سے فائدہ اُٹھانے لگے۔

حضرت عبداللہ کی قربانی

اس عظیم شرف وسعادت کے موقع پر عبدالمطلب نے ایک نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بچے ہوئے اور جوان ہو گئے تو ان میں سے ایک کو خدا کے لئے کعبہ کے پاس قربان کردیں گے؛ چنانچہ جب ان کے دس بچے ہو گئے اور بڑے ہو گئے تو سبھوں کو جمع کیا، اپنی نذر کی اطلاع دی اور ان کو پوری کرنے کی تلقین ونصیحت کی، سبھوں نے ان کی نصیحت مان لی اور دریافت کیا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ انھوں نے کہا: تم میں سے ہر ایک پیالہ لے کر آؤ، پھر اس میں اپنے اپنے نام لکھ لو اور اسے میرے پاس لاؤ، سبھوں نے حکم کی تعمیل کی، عبدالمطلب ان سب کو ''ہبل'' نامی بُت پر لائے، جو کعبہ کے وسط میں ایک کنویں پر نصب تھا اور اسی کنویں میں وہ تمام چیزیں جمع کی جاتی تھیں جو کعبہ کو نذر کی جاتی تھیں۔

ہبل نامی اس بت کے پاس سات پیالے تھے، جن کو مختلف موقعوں پر استعمال کیا جاتا تھا، ایک کا تعلق 'دیت' (خون بہا) سے تھا، یہ پیالہ جس کے نام نکلتا وہی دیت کا ذمہ دار قرار پاتا، ایک پیالہ میں لکھا ہوتا ''نعم'' (ہاں) اور دوسرے میں ''لا'' (نہیں)، جب کسی ایسے

کام کے بارے میں تحقیق مقصود ہوتی جس کو وہ کرنا چاہتے تو ان کے ذریعہ فیصلہ کیا جاتا اگر ''نعم'' نکلتا تو وہ کام کرتے اور''لا'' نکلتا تو نہیں کرتے۔

اسی طرح تین پیالوں پر''منکم'' (یہ تمہارے نسب سے ہے)''ملصق'' (تم سے ملا ہوا ہے)''من غیر کم'' (تمہارے نسب سے نہیں) لکھا ہوتا، اگر کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتے یا اس کے نسب میں شک کرتے اور اس کے خاندان کی تحقیق مقصود ہوتی تو ان پیالوں کے ذریعہ تحقیق حال کیا جاتا، اگر ان کے نام کے ساتھ''منکم'' نکلا تو سمجھتے کہ یہ ہمارے ہی خاندان سے ہے، اگر''من غیر کم'' نکلا تو اسے اپنا حلیف و دوست تصور کرتے اور اگر''ملصق'' نکلا تو وہ نسبی لحاظ سے صحیح النسب خیال نہیں کیا جاتا، نہ وہ ہم نسب قرار پاتا اور نہ حلیف ومقابل۔

چنانچہ عبدالمطلب نے پیالوں کے ذریعہ فال نکالنے والے سے فال نکالنے کو کہا اور اپنی نذر والے واقعہ سے آگاہ کیا، آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ، عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے اور ان کو سب سے زیادہ محبوب بھی تھے، جب فال نکالنے والے نے اپنا کام شروع کیا تو عبدالمطب ہبل کے پاس کھڑے ہوکر دُعاء کرنے لگے، قرعۂ فال اتفاق سے عبداللہ ہی کے نام نکلا، عبدالمطلب نے ایک ہاتھ سے ان کو پکڑا، دوسرے ہاتھ میں چھری لی اور اساف اور نائلہ کے پاس چلے؛ تاکہ ان کی قربانی کردیں، یہ دونوں ایامِ جاہلیت کے بت تھے۔

یہ ماجرا دیکھ کر قریش نکل آئے اور عبدالمطلب سے پوچھا، تمہارا ارادہ کیا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا: یہ کہ میں اس کو ذبح کرڈالوں، قریش اور خود ان کے دوسرے صاحبزادوں نے عرض کیا کہ آپ پہلے معذرت کر کے دیکھ لیں، یعنی خدا کے حضور کوئی دوسرا فدیہ پیش کردیں؛ اس لئے کہ اگر اسی طرح بیٹوں کو قربان کرنے کا سلسلہ چل پڑا تو انسانی نسل کی بقاء خطرہ میں پڑ جائے گی، قریش کے ایک بزرگ مغیرہ بن عبداللہ مخزومی نے پیشکش کی کہ اگر اس کے فدیہ کے طور پر مال دینا پڑے تو ہم لوگ فدیہ ادا کردیں گے؛ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں حجاز کی ایک کاہنہ

سے اس مسئلہ میں رُجوع ہونے کا مشورہ دیا کہ اگر وہ ذبح کرنے کا حکم دے تو ذبح کردو اور اگر کوئی گنجائش پیدا کردے تو اسے قبول کرلو۔

یہی رائے طے پائی اور لوگ مدینہ آئے، یہاں معلوم ہوا کہ وہ خیبر میں رہتی ہے؛ چنانچہ اس کے پاس پہنچے، عبدالمطلب نے اپنے بچوں اور اپنی نذر کے متعلق تفصیلات بتائیں، اس نے کہا: آج تم جاؤ میرا ''تابع'' آجائے تو اس سے دریافت کرلوں، یہ لوگ واپس چلے آئے اور عبدالمطلب خدا کے حضور میں دُعائیں کرنے لگے، دوسرے دن پھر آئے، اس عورت نے کہا: میں نے تحقیق کرلی ہے، یہ بتاؤ تمہارے یہاں خون بہا کس قدر دیا جاتا ہے؟ ان لوگوں نے کہا: ''دس اونٹ'' —— اس نے کہا تم لوگ واپس جاؤ، قربانی کے لئے ایک طرف اپنے بیٹے کو پیش کرو اور دوسری طرف دس اونٹ، پھر فال نکالو، اگر اب بھی تمہارے بچے ہی کا نام نکلے تو دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ اور فال نکالتے جاؤ، یہاں تک کہ جانوروں کے سلسلہ میں فال نکل آئے، اب ان جانوروں کو قربان کردو، اس سے تمہارا خدا راضی ہوجائے گا اور تمہارے بچے کو بھی نجات مل جائے گی۔

عبدالمطلب مکہ واپس آئے اور دس اونٹوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے کو پیش کیا، مگر اس بار بھی قرعۂ فال صاحبزادہ ہی کے نام پر نکلا، وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے، یہاں تک کہ جب سو اونٹ ہوگئے تو جانوروں کا نام نکلا، عبدالمطلب نے احتیاطاً دوبارہ اور سہ بارہ فال نکلوایا، ہر دفعہ جانوروں کی قربانی ہی معلوم ہوئی، اس طرح حضرت عبداللہ کی بجائے سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے اور ان کو خلاصی حاصل ہوگئی۔

دورانِ حمل حضرت آمنہ کو مبشرات

لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ حمل کے بارے میں چند باتیں مشہور ہیں، جن میں سے یہ ہے کہ حمل کے دوران ان سے کہا گیا: اس اُمت کے سردار تمہارے بطن میں ہیں، جب وہ پیدا ہوں تو کہو کہ میں ان کو ہر حاسد کے شر سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں اور اس کا نام محمد ﷺ رکھو —— دورانِ حمل ایک بار والدۂ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ ان سے ایک روشنی نکلی اور وہ شام کے شہر بصرہ کے محلات تک پہنچ گئی۔

رسول اللہ ﷺ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ والد ماجد حضرت عبداللہ کا وصال ہو گیا۔(۱)

ولادت باسعادت

ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن واقعۂ فیل کے سال آپ کی ولادت ہوئی؛(۲) چنانچہ قیس بن مخزمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اور حضور ﷺ ہم عمر ہیں کہ ہم دونوں واقعۂ فیل والے سال میں پیدا ہوئے، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں سات یا آٹھ سال کی عمر کا تھا اور سوجھ بوجھ پیدا ہوگئی تھی کہ میں نے ایک یہودی کو یثرب کے قلعہ پر بلند آواز میں چیختے ہوئے سنا، اے یہودیو! آج شب وہ ستارہ طلوع ہوگیا، جو احمد ﷺ کے لئے پیدا کیا گیا تھا: ''طلع الليلة نجم احمد الذی ولد به''۔

ولادت کے بعد حضرت آمنہ نے فوراً آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو اطلاع دی کہ آپ کو پوتا پیدا ہوا ہے، آیئے اور اسے دیکھئے، حضرت عبدالمطلب آئے اور دیکھا، حضرت آمنہ نے ایامِ حمل کے خواب اور محمد نام رکھنے کے سلسلے میں بشارت کا ذکر کیا، عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو لیا اور کعبہ میں جا کر دُعاء کی اور خدا کا شکر ادا کیا، پھر آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس لائے، ان کے حوالہ کر دیا اور دودھ پلانے والی عورتوں کی تلاش شروع کر دی؛ چنانچہ قبیلہ سعد بن بکر کی ایک خاتون نے دودھ پلایا، جن کا اسم گرامی حلیمہ بن ابی ذُوَیب تھا۔

حلیمہ کی آغوش میں

اس سلسلہ میں حضرت حلیمہ سے ایک دلچسپ واقعہ مروی ہے، وہ شیر خوار بچہ کی تلاش

---

(۱) عام الفیل ۵۶۶ء، اور رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے پانچ سال قبل عبدالمطلب کی نذر کا واقعہ پیش آیا، (مستدرک حاکم: ۳/ ۴۸۲) اس پس منظر میں حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''أنا ابن الذبيحتين'' (یعنی: میں دو ایسے اشخاص کا بیٹا ہوں، جو اللہ کے لئے ذبح کئے گئے)۔

(۲) ابن ہشام ابن جریر طبری وغیرہ نے ۱۲/ ربیع الاول کی تاریخ لکھی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے؛ لیکن محققین کے نزدیک ۹/ ربیع الاول کی تاریخ زیادہ صحیح ہے، شمسی تاریخ ۲۲/ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

میں شوہر اور چھوٹے بچہ کے ساتھ بنوسعد کی خواتین کے ایک قافلہ میں شامل ہوکر نکلیں، اس سال بڑا بھیانک قحط پڑا تھا، کہتی ہیں کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا، میں ایک گدھی پر نکلی، جس کا رنگ سبزی مائل تھا، میرے ساتھ ایک عمر دراز اونٹنی بھی تھی، جس کو ایک قطرہ دودھ نہ آتا تھا، تمام رات بھوک کے باعث بچوں کی چیخ و پکار کی وجہ سے آنکھوں میں کٹتی تھی، نہ میرے تھن میں اتنا دودھ تھا کہ اس کی ضرورت پوری ہو اور نہ اونٹنی ہی کو دودھ آتا تھا؛ لیکن ہم لوگوں کو آئندہ راحت اور خوش حالی کی اُمید تھی۔

میں اپنی گدھی پر چلی، یہ اس قدر دُبلی اور کمزور تھی کہ سبھوں سے پیچھے رہتی، قافلہ والوں کے لئے ہم باعثِ پریشانی بنے ہوئے تھے، یہاں تک کہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں ہم مکہ آئے، ہمارے قافلہ میں جتنی خواتین تھیں، سبھوں پر حضور ﷺ پیش کئے گئے؛ لیکن آپ ﷺ کی یتیمی کی وجہ سے کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہ ہوئی؛ اس لئے کہ ہم لوگوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بچہ کے باپ کی جانب سے کچھ مالی اعانت بھی ہوگی، آپ ﷺ یتیم تھے، ہم سوچتے تھے کہ ماں اور دادا کی طرف سے کیا داد و دہش ہوسکے گی؟ چنانچہ میرے سوا سبھی عورتوں نے بچہ لے لیا، تنہا میں باقی رہ گئی، جب واپسی کا وقت آیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: مجھے بچہ کے بغیر واپسی اچھی نہیں لگتی، میں جاتی ہوں اور اس یتیم بچہ کو لے آتی ہوں، شوہر نے اجازت دے دی اور کہا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی کو ہمارے لئے برکت کا باعث بنادے۔

چنانچہ میں گئی اور آپ ﷺ کو لے آئی، اس وقت آپ ﷺ کو لینے کا محرک اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ خالی ہاتھ واپسی نہ ہو، میں نے آپ ﷺ کو اپنی آغوش میں رکھا، آپ ﷺ نے آسودہ خاطر ہوکر دودھ نوش فرمایا، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی نے بھی سیر ہوکر دودھ پیا اور دونوں سو گئے، ہم لوگوں کو اس دن سے پہلے کبھی ایسی نیند میسر نہیں ہوئی تھی، اب میرے شوہر اونٹنی کی طرف گئے تو اس کا بھی تھن دودھ سے لبریز تھا اور اس سے اس قدر دودھ اُترا کہ ہم لوگوں نے پوری طرح سیر ہوکر دودھ پیا اور خیر و عافیت سے شب بسر کی، صبح کے وقت میرے شوہر نے کہا: حلیمہ، تو نے ایک مبارک بچہ لیا ہے، میں نے کہا: مجھے بھی یہی اُمید ہے، پھر جب

ہم مکہ سے روانہ ہوئے اور میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور اپنے ساتھ آپ ﷺ کو بھی لے لیا تو یہ گدھی اس قدر تیز چلنے لگی کہ کسی کی سواری اس قدر تیز نہ چل پاتی تھی؛ یہاں تک کہ میری سہیلیاں کہنے لگیں: اے ابوذؤیب کی بیٹی، ہم لوگوں کی خاطر ذرا آہستہ چلو، کیا یہ تمہاری وہی گدھی نہیں ہے، جس پر تم آئی ہو؟ — میں نے کہا: خدا کی قسم! یہ وہی ہے، وہ کہنے لگیں: اس کا تو حال ہی کچھ اور ہے!

پھر ہم لوگ اپنے گھر آ گئے، جس سے زیادہ قحط زدہ شاید کوئی اور جگہ نہیں تھی، مگر میری بکریاں جب شام کو واپس آتیں تو کھا کر آسودہ ہوتیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے، ہم انھیں دوہتے اور پیتے اور دوسرے لوگوں کو دودھ کا ایک قطرہ میسر نہیں آتا؛ یہاں تک کہ ہمارے یہاں کے دوسرے لوگ اپنے چرواہوں کو کہتے کہ تم لوگ بھی اپنے جانور وہاں چراؤ، جہاں حلیمہ کا چرواہا چراتا ہے، مگر اب بھی وہی حال ہوتا کہ ان کی بکریاں خالی پیٹ واپس جاتیں اور میری بکریاں دودھ سے لبریز۔

ہم لوگ برابر یہی خیر و برکت محسوس کرتے رہے؛ یہاں کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک دو سال ہو گئی اور میں نے دودھ چھڑا دیا، آپ ﷺ جسمانی نشو و نما کے لحاظ سے بھی عام بچوں سے ممتاز تھے، دو سال کی عمر میں آپ ﷺ اچھے خاصے ہو چکے تھے، ہم آپ ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کی والدہ کے پاس آئے، مگر آپ ﷺ کی وجہ سے ہم نے جو خیر و برکت دیکھی تھی، اس کی وجہ سے ہماری خواہش تھی کہ آپ ﷺ ابھی اور ہمارے درمیان رہیں، ہم نے آپ ﷺ کی والدہ سے بات کی کہ کاش! آپ اس بچے کو بڑا ہونے تک میرے پاس رہنے دیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ان کو مکہ کی وباؤں میں نقصان نہ پہنچے، ہم بار بار یہ گزارش کرتے رہے، یہاں تک کہ انھوں نے آپ ﷺ کو میرے ساتھ کر دیا۔

شقِّ صدر

یہاں آئے ہوئے چند ماہ ہوئے تھے، ایک دن آپ ﷺ ہمارے گھر کے پیچھے اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے

والد سے کہنے لگا: میرے قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا ہے، ان کو چت لٹایا اور پیٹ چاک کر دیا ہے، میں اور میرے شوہر نے آپ ﷺ کو چمٹایا، ہم نے کہا: میرے بیٹے تجھے کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے: میرے پاس دو شخص آئے، جن پر سفید کپڑے تھے، انھوں نے مجھے لٹایا، میرا پیٹ چاک کر دیا اور اس میں سے کوئی چیز نکالی، جو نہ معلوم کیا تھی؟

میرے شوہر آپ ﷺ کو گھر لے آئے اور مجھ سے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بچہ کسی آفت میں نہ مبتلا ہو، اس سے پہلے کہ یہ ظاہر ہو، اس کو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچادو، چنانچہ میں آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس لے آئی، انھوں نے کہا: تم تو اس کی پرورش کے لئے بڑی خواہشمند تھیں، اب کیوں لے آئی ہو؟ میں نے کہا: میں نے اپنی ذمہ داریاں ادا کر دی ہیں، مجھے اندیشہ تھا کہ کوئی بات پیش نہ آجائے؛ اس لئے ان کو آپ کے حوالے کر رہی ہوں۔

حضرت آمنہ نے کہا: یہ صحیح نہیں ہے، تم سچ سچ بتاؤ، ان کو واپس لانے کا سبب کیا ہوا؟ بالآخر ان کا اس قدر اصرار ہوا کہ مجھے بتا ہی دینا پڑا، حضرت آمنہ نے کہا: تم کو ان پر شیطان کا ڈر تھا؟ میں نے کہا: ہاں، انھوں نے کہا: ہرگز نہیں، شیطان کی اس پر کوئی چال نہیں چل سکتی، میرے بیٹے کی شان ہی اور ہے، جب وہ حمل میں تھا، اس وقت میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک ایسی روشنی نکلی، جس نے شام کے شہر بُصریٰ کے محلات کو روشن کر دیا، میں نے اس سے زیادہ ہلکا اور آسان حمل نہ دیکھا — پیدائش کے وقت ان کی حالت یہ تھی کہ دستِ مبارک کو زمین پر رکھے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف تھا۔

دادا کی پرورش

اب حضور ﷺ کی پرورش اپنی والدہ اور دادا کے سایۂ عاطفت میں ہونے لگی، عمر مبارک چھ سال ہوئی کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''اَبْوَاء'' نامی جگہ پر والدہ کا انتقال ہو گیا، اس وقت وہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کر کے واپس آرہی تھیں، جن کا تعلق بنونجار سے تھا۔ (۱)

(۱) جب حضرت آمنہ کی وفات ہوئی اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تین مہینے دس دن کی تھی، ایک قول یہ ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چار سال تھی اور ایک قول کے مطابق آٹھ سال۔ (امتاع الاسماع: ۱/۱۳، دار الکتب العلمیہ: ۱۹۹۹ء)

اب آپ ﷺ اپنے دادا عبد المطلب کی پرورش میں آ گئے، عبد المطلب کا بستر کعبہ کے سایہ میں بچھتا تھا اور ان کے صاحبزادے ان کے گرد بیٹھا کرتے تھے، پھر جب عبد المطلب آ جاتے تو ان کے احترام میں کوئی بستر پر نہیں بیٹھتا، مگر رسول اللہ ﷺ بیٹھا کرتے، آپ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کو پیچھے ہٹانا چاہتے تو عبد المطلب کہتے: میرے بیٹے کو چھوڑ دو، واللہ! اس کی شان ہی اور ہے —— پھر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھاتے اور محبت سے پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے —— آٹھ سال کے ہوئے تو دادا جان کا بھی وصال ہو گیا۔(۱)

چچا کی پرورش میں

دادا کے وصال کے بعد حضور ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے، ابو طالب اور آپ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ ماں باپ شریک بھائی تھے، اس لئے خود عبد المطلب اس کی وصیت کر گئے تھے، قبیلہ لہب کا ایک جیوتشی مکہ آیا کرتا تھا، مکہ والے اس سے اپنے بچوں کا حال اور اس کی قسمتیں دریافت کیا کرتے تھے، ابو طالب آپ ﷺ کو لے کر اس کے پاس آئے، اس نے حضور ﷺ کو دیکھا اور کسی کام میں مشغول ہو گیا، پھر جب اس سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ کو دیکھنے کی خواہش کی، ابو طالب نے جب اس کی رغبت اور توجہ زیادہ دیکھی تو (غالباً نظر بد کے اندیشہ سے) آپ ﷺ کو چھپا دیا، اس نے کہا: اس بچہ کو مجھے دوبارہ دکھاؤ، اس کو بڑا درجہ حاصل ہونے والا ہے، فو اللہ لیکونن لہ شان۔

بحیریٰ راہب سے ملاقات

ایک دفعہ ابو طالب ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام روانہ ہوئے، جب سامانِ سفر تیار ہو گیا تو آپ ﷺ بھی ساتھ چلنے پر مصر ہو گئے، ابو طالب کو رحم آیا، آپ ﷺ کو ساتھ لے لیا اور کہنے لگے، میں کبھی ان کو الگ نہیں کر سکتا، اب حضور ﷺ بھی اس قافلہ میں تھے، قافلہ ''بُصریٰ'' نامی جگہ پر پہنچا، یہاں ایک راہب اپنے گرجا میں رہتا تھا، جو عیسائیت کا بڑا عالم تھا، اس کا نام

(۱) حضرت عبد المطلب کی وفات کے وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔

''بُحَیرٰی''تھا،اس بار جب یہ قافلہ پہنچا تو اس نے آنے والوں کا بڑا اکرام کیا اور خاص اہتمام سے ان کے لئے کھانا پکوایا۔

دراصل راہب نے دیکھا تھا کہ حضور ﷺ جدھر تشریف لے جاتے ہیں، بادل آپ ﷺ پر سایہ فگن رہتا ہے، جب آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھا تو درخت کی شاخیں بھی آپ ﷺ کی طرف جھک گئیں، اسی سے متاثر ہوکر اس نے قافلہ کی دعوت کی اور کہا کہ تمہارے تمام بڑے چھوٹے اور آزاد و غلام اس دعوت میں شرکت کریں — آخر ایک شخص نے پوچھ ہی لیا کہ ہم تو بارہا یہاں سے گزرے ہیں، مگر آپ نے کبھی کھانے کا اہتمام نہیں کیا، آج ہی یہ اہتمام کیوں ہے؟ بحیریٰ نے کہا، بات تو تمہاری صحیح ہے؛ لیکن بہرحال! تم لوگ مہمان ہو، میں نے چاہا کہ تم لوگوں کا اکرام کروں اور کھانا کھلاؤں؛ اس لئے تم سبھی اس دعوت میں شریک رہو — چنانچہ تمام لوگ آئے اور صرف حضور ﷺ اپنی کم سنی کی وجہ سے درخت کے نیچے قافلہ کی سواریوں اور سامان کے ساتھ رہ گئے، بحیریٰ نے جب حاضرین کو دیکھا تو وہ بات نہ پائی جواب تک وہ قافلہ میں محسوس کررہا تھا، اس نے پھر کہا: تم میں کوئی ایسا شخص نہ رہے جو کھانے پر شریک نہ ہو، لوگوں نے کہا: ایک بچہ کے سوا — جسے اس کی کم عمری کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے — سبھی یہاں موجود ہیں، بحیریٰ نے کہا: اس بچہ کو بھی لے آؤ، چنانچہ آپ ﷺ کو لے آیا گیا اور آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

راہب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جسم مبارک کے مختلف حصوں کو بنظر غائر دیکھتا رہا، پھر جب لوگ کھانے سے فارغ ہوکر منتشر ہوگئے، تو آپ ﷺ سے مخاطب ہوکر چند باتیں دریافت کیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لات وعزیٰ کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو گے، مجھے ان سے زیادہ ناپسند اور کوئی چیز نہیں ہے، بحیریٰ نے دریافت کیا: اگر کسی دوسری چیز کے بارے میں پوچھوں تو جواب دو گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو پوچھنا چاہو پوچھو؛ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی نیند، بیداری اور کوائف و حالات کے سلسلہ میں مختلف سوالات کرتا رہا اور آپ ﷺ جواب دیتے رہے، اب اس نے دونوں شانوں کے درمیان 'مہر نبوت' کو ملاحظہ کیا اور ابو طالب سے

پوچھا: کیا یہ بچہ آپ کا ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں! بحیریٰ نے کہا: نہیں، ان کے والد زندہ نہیں ہو سکتے — ابوطالب نے وضاحت کی کہ یہ میرا بھتیجہ ہے، یہ بچہ حمل ہی میں تھا کہ میرے بھائی کا انتقال ہوگیا، بحیریٰ نے کہا: تم نے صحیح کہا — اب تم اس کو جلد اپنے گھر واپس لے جاؤ اور یہودیوں سے بچاؤ؛ اس لئے کہ میں نے اس میں جو آثار وقرائن دیکھے ہیں، اگر یہود اس کو جان لیں تو شر پر آمادہ ہوجائیں گے — تمہارے بھتیجے کو بڑا درجہ عطا ہونے والا ہے، (۱) — چنانچہ ابوطالب شام کی تجارت سے فارغ ہوکر جلد ہی مکہ واپس آ گئے۔

حربِ فجار

آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس سال ہوئی تو ایک لڑائی بھڑک اُٹھی، جو ''حربِ فِجَار'' کے

---

(۱) سیرت کی کتابوں میں نبوت سے پہلے دو عیسائی راہبوں بحیریٰ اور نسطورا سے اور نبوت عطا ہونے کے فوراً بعد ورقہ بن نوفل سے ملاقات کا ثبوت ملتا ہے، عموماً مستشرقین نے ان واقعات کو ایک افسانہ بنا کر رکھ دیا ہے اور پورے قرآن مجید، قصص اور آپ ا کے دعویٰ نبوت کو انھیں عیسائی علماء سے ملاقات اور استفادہ کا نتیجہ قرار دیا ہے — یہ اعتراض نہ صرف تاریخ پر؛ بلکہ خود اپنی عقل پر بھی ظلم ہے، کیوں کہ ان حضرات سے حضور ﷺ کی ملاقات چند لمحات سے زیادہ کی نہ تھی، بحیریٰ سے ملاقات کا زمانہ بچپن کا تھا۔

اور نسطورا سے ملاقات بھی عمر وعقل کی پختگی سے پہلے کی ہے، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان مختصر ساعتوں میں ان راہبوں نے ایک ہی سانس میں آپ ﷺ کو تمام واقعات سنا دیئے ہوں؟ اور تمام احکام ومسائل کی تعلیم دے دی ہو؟ اور اگر ایسا ہوتا تو اس کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ اس سفر سے واپس ہوتے ہی اس قسم کا کلام سنانا شروع کر دیتے۔

اہل مکہ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ ایک لوہار کے پاس کبھی کبھی جایا کرتے تو انھوں نے فوراً اس کی طرف نسبت کردی کہ محمد ﷺ اس سے کلام سیکھتے ہیں، (روح المعانی: ۱۴/ ۲۳۳) جس کی قرآن نے تردید کردی، (النحل: ۱۰۳) — وہ بھلا اس اہم نکتے کو کیوں کر نظر انداز کر دیتے؟

اس کے علاوہ قرآن مجید نے جگہ جگہ گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں خود اہل کتاب کی تردید کی ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھنے کی بابت قرآن نے سختی نے سے عیسائی عقیدہ کی تردید کی، بائبل حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک ساحر اور فاجر قرار دیتا ہے، قرآن اس کی نفی کرتا ہے، (البقرہ: ۱۰۲) — اس قسم کی اور بھی مثالیں موجود ہیں — قرآن اگر پہلی کتابوں سے مستفاد ہوتا تو یہ تو ممکن تھا کہ وہ ان واقعات کو نئے قالب میں نقل کر دے، مگر یہ کیوں کر ہوسکتا تھا کہ وہ اس کا ناقدانہ جائزہ لیتا اور ان کی تنقیح کرتا؟

اس کے علاوہ بحیریٰ اور نسطورا وغیرہ سے ملاقات کے واقعات محض تاریخی روایات پر مبنی ہیں، مضبوط اور مستند اسناد سے ان کا ثبوت نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علامہ شبلی کی سیرۃ النبی جلد اول)

نام سے جانی جاتی ہے، یہ جنگ مکہ میں قریش و کنانہ اور قَیس عَیلان کے درمیان ہوئی تھی، قریش و کنانہ کے سردار حَرْب بن اُمیّہ تھے، اس جنگ میں ابتداءً قیس کو اور پھر کنانہ کو فتح حاصل ہوئی تھی، جنگ کے بعض ایام میں آپ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کو لے گئے تھے، آپ ﷺ نے اس حد تک جنگ میں شرکت کی تھی کہ دشمن کے جو تیر ادھر اُدھر گر جاتے تھے، اس کو اُٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیدیتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

جب عمر مبارک ۲۵ سال ہوئی تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خَدِیْجَہ سے ہوا، حضرت خدیجہ بنت خُوَیلِدْ ایک شریف اور مالدار تاجر خاتون تھیں، لوگوں کو مالِ تجارت دے کر نفع میں شرکت کرتی تھیں، یوں بھی قریش تجارت پیشہ تھے، حضرت خدیجہ کو جب آپ ﷺ کی امانت و دیانت، بلند اخلاقی اور راست گوئی کا علم ہوا تو پیش کش کی کہ آپ ﷺ ان کا مال لے کر شام کو تجارت کے لئے جائیں، وہ آپ ﷺ کو دوسروں سے زیادہ نفع دیں گی اور اپنے غلام ''مَیْسَرَہْ'' کو بھی ساتھ کر دیں گی، آپ ﷺ نے اس پیشکش کو قبول فرمالیا اور مَیْسَرَہْ کے ساتھ مالِ تجارت لے کر شام آ گئے۔

ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ راستہ میں آپ ﷺ ایک راہب (۱) کے گرجا کے پاس ایک درخت کے سایہ میں اُترے، راہب نے مَیْسَرَہْ سے دریافت کیا: یہ کون شخص ہے؟ — اس نے کہا: قریش کے خانوادہ سے تعلق ہے اور مکہ وطن ہے، راہب نے کہا: اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کسی اور نے قیام نہیں کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا مال فروخت کیا، جو کچھ خریدنا چاہا، خرید فرمایا اور مکہ واپس آ گئے، راستہ میں میسرہ نے دیکھا کہ جہاں شدید دھوپ اور گرمی ہوتی ہے، دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ فگن رہتے ہیں، پھر جب مکہ آ کر حضرت خدیجہؓ کو ان کا سرمایہ حوالہ کیا تو وہ دوگنا یا قریب قریب دوگنے کے ہو چکا تھا، نیز میسرہ نے راہب کی بات اور فرشتوں کے سایہ فگن ہونے کی کیفیت بھی

---

(۱) اس راہب کا نام نسطورا تھا۔

نقل کی، ان چیزوں کو دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے —— جو بہت ذی رائے اور شریف خاتون تھیں، نیز عند اللہ ان کے لئے ایک بڑا شرف مقدر تھا —— آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور کہلا یا کہ آپ ﷺ کی قرابت، قوم میں آپ ﷺ کی عظمت، امانت داری، حسن اخلاق اور راست گوئی کی وجہ سے آپ ﷺ کے اندر رغبت رکھتی ہوں، حضرت خدیجہؓ قریش میں عالی نسب، اور انتہائی دولت مند شمار کی جاتی تھیں اور دوسرے لوگ بھی ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔(۱)

حضور ﷺ نے جب اپنے چچاؤں سے اس کا ذکر فرمایا تو حضرت حمزہ آئے اور نکاح کی رسم انجام دی، یہ حضور کی پہلی بیوی تھیں اور جب تک وہ زندہ رہیں، آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا —— حضرت ابراہیم (قاسم) کے علاوہ آپ کے تمام صاحبزادے انھیں کے بطن سے ہوئے، جن میں حضرت طیب، حضرت طاہر، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ ہیں —— رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین —— طیب اور طاہر کا انتقال تو جاہلیت ہی میں ہوگیا، صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ پایا، مسلمان ہوئیں اور ہجرت کیا۔(۲)

---

(۱) آپ ﷺ کا حضرت خدیجہ سے نکاح ۵۹۵ م میں ہوا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال دو مال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی ۴۰ سال، نکاح سے قبل حضرت خدیجہؓ نے خواب دیکھا کہ مکہ میں سورج اُترا اور ان کے گھر آ گیا اور پھر پوری دنیا کو روشن کرنے لگا، انھوں نے اپنے بھائی حضرت ورقہ بن نوفل سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اس کی تعبیر بتائی کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو نبوت کا نور تمہارے گھر آئے گا۔

نکاح کی تقریب میں دونوں جانب سے اعزہ شریک ہوئے، حضرت ابو طالب آپ ﷺ کے سرپرست کے طور پر شریک ہوئے اور انھوں نے یا حضرت حمزہؓ نے خطبہ دیا، خطبہ نکاح کے بعد حضرت ورقہ بن نوفل نے خطاب کیا اور حضرت خدیجہؓ کی جانب سے ان کے چچا عمرو بن اسد بطور سرپرست شریک ہوئے، حضرت خدیجہؓ کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا طے پایا، اس موقع پر آپ ﷺ نے بطور ولیمہ ایک یا دو اونٹ بھی ذبح کئے اور بعض روایات کے مطابق حضرت خدیجہ کی فرمائش پر لڑکیوں نے دُف بھی بجایا۔(نساء اہل البیت:۲۹-۳۰)

(۲) حضرت خدیجہؓ کے والد کا نام خُوَیلِد تھا اور آپ کے پہلے شوہر کا نام ابو ہالہ اور دوسرے شوہر کا عتیق تھا، ان دونوں کی وفات ہوگئی تھی، تیسرا نکاح آپ ﷺ سے ہوا، سوائے حضرت ابراہیمؓ کے آپ ﷺ کی تمام اولاد ان ہی کے بطن سے ہوئیں، انھوں نے مکہ کی آزمائش بھری زندگی میں آپ کے ساتھ جس محبت اور غمخواری کا معاملہ فرمایا، وہ اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، حضرت ابو طالب کی وفات کے تین دن کے بعد ۱۰/رمضان المبارک ۱۰/نبوی کو آپ کی وفات ہوئی، محسن چچا اور وفا شعار بیوی دونوں نے ایک ہی سال داغ فراق دیا، اس لئے آپ نے اس سال کو عام الحزن (غموں کا سال) قرار دیا۔(المختصر الکبیر فی سیرۃ الرسول:۱/۹۱)

کعبہ کی تعمیر

جب آپ کی عمر ۳۵ سال ہوگئی تو قریش کعبہ کی تعمیر لئے جمع ہوئے، اس وقت کعبہ کی عمارت قدِ آدم تھی اور گاڑے سے جوڑے بغیر پتھر ایک دوسرے پر رکھ دیئے گئے تھے، اہل مکہ اس کی تعمیر نو اور چھت ڈالنا چاہتے تھے، اس وقت ان کے پاس مختلف ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ کعبہ کی تعمیر آسان تھی؛ اس لئے کہ جدہ کے پاس ان کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کی لکڑی مل گئی تھی، جسے وہ چھت میں استعمال کر سکتے تھے، دوسرے مکہ میں ایک قبطی بڑھئی موجود تھا، جو ان کی مدد کر سکتا تھا اور اس نے تعمیر کے لئے مطلوبہ اشیاء مہیا کر دی تھیں۔

مگر وہ ایک تو یوں بھی کعبہ کے منہدم کرنے سے ڈرتے تھے، دوسرے کعبہ کے اس کنویں سے، جس میں ہدایا نذر کئے جاتے تھے، روزانہ ایک سانپ نکلتا تھا، جو گرمی حاصل کرنے کی غرض سے کعبہ کی دیوار پر بیٹھتا تھا، کوئی قریب ہوتا تو وہ اپنا منہ کھول دیتا، ایک دن ایسا ہوا کہ ایک پرندہ آیا اور اسے اُچک لے گیا، قریش نے اس کو فالِ نیک سمجھا اور تعمیر کعبہ کے لئے اللہ کی خوشنودی پر محمول کیا۔

پھر جب کعبہ کو شہید کر کے نئی تعمیر کی بات طے پا گئی تو ابو وہب مخزومی کھڑے ہوئے اور کعبہ کا ایک پتھر لیا، جو ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی جگہ جالگا، انھوں نے کہا اے خانوادۂ قریش! کعبہ کی تعمیر میں حلال کمائی ہی لگاؤ، کسی پر ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال، سودی رقم یا زنا سے حاصل کی گئی آمدنی اس مد میں نہ لگاؤ۔

قریش نے تعمیر کے لئے کعبہ کے مختلف حصوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا تھا، دروازہ کی چوکھٹ عبدمَنَاف اور زہرہ کے لئے، رکن اسود اور رکنِ یمانی بنو مخزوم کے لئے، پشت کا حصہ بنو جُمَح اور بنو سَہَم کے لئے، اور حجر اسود کی طرف کا حصہ بنو عبدالدار، بنو اسد اور بنو عدی کے لئے۔

کام کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے ولید بن مغیرہ اہل وعیال کے ساتھ کعبہ کے پاس آئے اور کہا: ''اللّٰھم ، لم نزغ ، اللّٰھم ، لا نرید إلا الخیر'' (خداوندا! ہم بد دین

نہیں ہوئے ہیں اور کعبہ کے انہدام سے ہمارا مقصود سوائے خیر کے کچھ اور نہیں ہے) اور رکنین کے پاس کا کچھ حصہ منہدم کر دیا، عام لوگ رُکے رہے اور ایک شب انتظار کیا کہ اگر ولید پر اس کی وجہ سے کوئی مصیبت آئی تو ہم کعبہ کو منہدم نہ کریں گے اور اس ٹوٹے ہوئے حصہ کو دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیں گے اور اگر اس کو کچھ نہ ہوا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ خدا ہمارے پروگرام سے راضی ہے اور ہم بھی انہدام کی کاروائی شروع کریں گے۔

دوسرے دن صبح سے سبھوں نے اپنے حصہ کی دیوار منہدم کرنی شروع کی، یہاں تک کہ اس بنیاد تک پہنچ گئے، جو خود سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی، ہر قبیلہ نے الگ الگ پتھر جمع کیا اور کعبہ کی تعمیر کی، یہاں تک کہ دیوار حجر اسود تک پہنچ گئی، اب حجر اسود اپنی جگہ رکھنے کا مسئلہ تھا، اس میں قریش کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

انھیں میں ایک عمر رسیدہ شخص ابو اُمَیَّہ بن مُغیرہ تھے، انھوں نے مشورہ دیا کہ کل جو سب سے پہلے اس مسجد میں داخل ہو، وہی سب کا حَکَم ہو اور اس کا فیصلہ مان لیا جائے، سبھوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا، دوسرے روز سب سے پہلے تشریف لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے، لوگوں نے دیکھا تو کہا محمد ﷺ امین ہیں، ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں، آپ ﷺ نے ایک کپڑا مانگا اس میں حجر اسود کو رکھا، پھر ہر قبیلہ والوں کو کپڑا پکڑنے اور اس کو اُٹھانے کا حکم دیا، یہاں تک کہ جب لوگوں نے چادر حجر اسود کی جگہ تک اُٹھا دی تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کو اپنی جگہ رکھ دیا۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ ۱۸ ہاتھ کا تھا اور اس پر ایک خاص قسم کے مصری کپڑے کا غلاف پہنایا جاتا تھا، جسے ''قُباطی'' کہا جاتا تھا۔

شباہتِ زیبا

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے شمائل ان الفاظ میں بیان فرماتے تھے:

آپ ﷺ نہ بہت لانبے تھے، نہ پست قامت؛ بلکہ میانہ قد تھے،

موئے مبارک نہ بہت گھونگر والے تھے، نہ بالکل کھلے ہوئے؛ بلکہ تھوڑے شکن آلود، آپ بہت موٹے نہ تھے اور چہرہ بالکل گول نہ تھا، رنگ سفید تھا، جس پر سرخی چھائی رہتی، آنکھیں سرمگیں، پلکیں گھنی، شانوں کا درمیانہ حصہ اور جوڑوں کی ہڈیاں بڑی، سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر، جسم کے عام حصوں پر بال نہیں تھے، ہتھیلیاں اور پائے مبارک پُر گوشت، چلتے تو اس طرح گویا اُوپر سے اُتر رہے ہوں، کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری طرح، مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت اور آپ ﷺ خود خاتم النبیین، سخی اور فراخ دست، بلند حوصلہ، راست گو، ذمہ داریوں کے معاملہ میں پابند، خوش معاملہ، کریم الاخلاق، جو پہلی بار دیکھتا مرعوب ہوجاتا، جو ساتھ رہتا محبت کرنے لگا — میں نے نہ آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ جیسا دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد، آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں اور سلام ہو۔

انجیل میں پیغمبر اسلام کے اوصاف

ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انجیل میں آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی ہے اور یہ اس انجیل میں ہے جسے یُوحنّا نے مرتب کیا ہے، اس انجیل میں ہے :

جو مجھ سے عداوت رکھتا ہے، وہ میرے باپ سے بھی عداوت رکھتا ہے، اگر میں ان میں وہ کام نہ کرتا جو کسی دوسرے نے نہیں کئے تو وہ گنہگار نہ ٹھہرتے؛ مگر اب تو انھوں نے مجھے اور میرے باپ دونوں کو دیکھا اور دونوں سے عداوت کی؛ لیکن یہ اس لئے ہوا کہ وہ قول پورا ہو، جو ان کی شریعت میں لکھا ہے؛ کہ انھوں نے مجھ سے مفت عداوت کی، لیکن جب وہ مددگار آئے گا، جس کو میں تمہارے پاس

باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کی روح، جو باپ کی طرف
سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔(۱)

اس میں ''مُنْحَمنَا'' کا لفظ آیا ہے، ''منحمنا'' سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ''محمدؐ'' کے ہیں، اور رومی زبان میں اس مفہوم کو ''برقلیطس'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۲)

☆ ☆ ☆

---

(۱) انجیل یوحنا: ۱۵/۲۳-۲۶۔

(۲) ''منحمنا'' سریانی زبان کا لفظ ہے، انجیل یوحنا حضرت مسیح علیہ السلام کے تقریباً سو سال بعد مرتب ہوئی ہے، اور وہ بھی یونانی زبان میں، یونانی زبان میں دو الفاظ ایسے ہیں، جو تلفظ اور تحریر ہر دو لحاظ سے غیر معمولی مشابہت رکھتے ہیں، ایک ''پاراکلی طس (Para cletus) اور دوسرا پیرکلوطوس (Perclytos) — اول الذکر کے معنی وکیل، سفارشی، نائب، معلم اور مددگار وغیرہ کے ہیں، جب کہ ثانی الذکر کے معنی ہیں: تعریف کیا ہوا، اور یہ لفظ محمد کے بالکل ہم معنی ہے، جو پیغمبر اسلام ﷺ کا اسم گرامی ہے۔

عیسائی علماء کا خیال ہے کہ یہ لفظ ''پاراکلی طوس'' ہے، جس کے معنی مددگار کے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ دانستہ یا نادانستہ اس لفظ میں تحریف ہوئی ہے اور اصلاً یہ لفظ ''پیرکلوطوس'' ہی ہے، عیسائی علماء اس معاملہ میں کتنے ناانصاف واقع ہوئے ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ماضی قریب تک اُردو اور عربی تراجم میں اس کو ''فارقلیط'' کہا جاتا تھا، گویا یونانی زبان کا اصل لفظ برقرار رکھتے ہوئے اس کو علَم قرار دیا جاتا تھا؛ مگر موجودہ ترجموں میں وصف کی صورت میں اس کا ترجمہ کردیا گیا ہے، دراصل دونوں الفاظ کے تلفظ اور رسم الخط کی غیر معمولی مشابہت، مختلف زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ کا سلسلہ، پھر انجیل کی ترتیب میں ہونے والی مسلّمہ تحریفات، اس کے مرتبین کی یہ عادت کہ وہ اسماء کا بھی بسا اوقات ترجمہ کرڈالتے ہیں اور اسلامی مورخین کی تحقیق کردہ شہادتیں، نیز آنے والے شخص کے اوصاف کا پیغمبر اسلام پر واضح انطباق، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ یہ لفظ بھی اس طویل تاریخی پگڈنڈیوں سے گزرتا ہوا تحریف کا نشانہ بن گیا ہے اور یہ درحقیقت قرآن مجید کی شہادت کے مطابق پیغمبر اسلام ا ہی کی نبوت کی پیش گوئی ہے — یہ تو خیر بائبل کی ایک خاص آیت سے متعلق بحث ہے، ویسے بائبل میں پیغمبر اسلام ا کی آمد کا مختلف مواقع پر ذکر موجود ہے اور انجیل برناباس میں تو صراحتاً جناب رسالت مآب ا کا اسم گرامی مذکور ہے، واللہ ھو یھدی الحق۔

مکی زندگی

نبوت سے سرفرازی

۴۰ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، نبوت کا آغاز سچے خوابوں (رویائے صادقہ) سے ہوا، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ نے آپ ﷺ کو اس شرف سے نوازنا چاہا تو آپ ﷺ سچے خواب دیکھنے لگے کہ جو کچھ شب میں نیند کی حالت میں دیکھتے صبح کو ظہور میں آجاتا۔

فرشتہ کے ذریعہ باضابطہ نزولِ وحی کا آغاز یوں ہوا کہ آپ ﷺ کا معمول ہر سال ایک ماہ کے لئے غارِ حرا میں گزارنے کا تھا، جب آپ ﷺ ایک ماہ گزار کر واپس تشریف لاتے تو پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کرتے، پھر اپنے گھر واپس ہوتے، معمول کے مطابق اس سال بھی حرا کو تشریف لے گئے، یہ ماہ رمضان المبارک کا تھا، اسی میں ایک شب ایسا ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور پہلی آیت آپ ﷺ پر نازل فرمائی۔

اس پہلی وحی کا واقعہ بھی خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے:

> ☆ میں سویا ہوا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: پڑھو (اقرأ)، میں نے کہا: میں پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا — اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اس زور سے دبوچا کہ میں نے سمجھا شاید جان نکلنے کو ہے، دوسری بار پھر انھوں نے کہا: پڑھو، میں نے پھر وہی جواب دیا، انھوں نے پھر اسی طرح دبوچا، یہی بات تیسری دفعہ بھی ہوئی، چوتھی بار پھر انھوں نے پڑھنے کو کہا، میں نے پوچھا کیا پڑھوں؟ انھوں نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔(العلق :۱-۵)

اپنے رب کے نام سے پڑھئے ،جس نے پیدا کیا ، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی ، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے ،جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

☆ میں نے یہ کلمات پڑھے ، پھر وہ چلے گئے اور میرے دل پر یہ آیات نقش ہوگئیں ، پھر میں غارِ حرا سے نکلا ، یہاں تک کہ جب پہاڑ کے درمیانی حصہ میں پہنچا تو ایک آواز سنی ''اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں'' میں نے نظر اُٹھائی تو جبرئیل علیہ السلام ایک آدمی کی صورت میں اُفق پر موجود ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''محمد ﷺ، آپ خدا کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں'' اب کیفیت یہ ہوگئی کہ میں اپنی نگاہ اُفق میں جس طرف بھی ڈالتا جبرئیل علیہ السلام نظر آتے۔

دیر تک یہی کیفیت رہی ، میں نہ آگے بڑھتا اور نہ پیچھے کی طرف لوٹتا یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام چلے گئے اور میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور ان کے جسم سے مل کر اور چمٹ کر بیٹھا ، انھوں نے کہا: آپ ﷺ کہاں تھے؟ میں نے آپ ﷺ کی تلاش میں آدمی بھیجا تھا ، جو ڈھونڈ کر واپس آ گیا اور آپ ﷺ نہ ملے ، میں نے ان سے یہ پوری کیفیت بیان کی ، انھوں نے کہا: خوش ہوجائیے ، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے ، مجھے اُمید ہے کہ آپ ﷺ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کھڑی ہوئیں ، کپڑے درست کئے اور اپنے چچازاد بھائی

ورقہ بن نوفل کی خدمت میں گئیں، جو عیسائی ہو گئے تھے اور تورات وانجیل سے واقف تھے، ان سے جا کر وہ تمام کیفیات بیان کیں، جو حضور ﷺ کو پیش آئی تھیں، انھوں نے سن کر کہا :

قدوس ، قدوس ، والذی نفس ورقة بیده لئن کنت صدقتنی یا خدیجة ! لقد جاء ہ الناموس الأکبر الذی کان یأتی موسٰی وإنه لنبی ھٰذه الأمة فقولی له فلیثبت۔

خدا کی ذات پاک ہے، پاک ہے، اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں ورقہ کی جان ہے، اے خدیجہ! اگر تم نے سچی بات کہی ہے تو ان کے پاس بھی وہی ناموس اکبر (فرشتۂ وحی) آیا ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور وہ اس اُمت کے نبی ہیں، ان سے کہو کہ ثابت قدم رہیں۔

حضرت خدیجہؓ نے واپس آکر آپ ﷺ کو ورقہ کی بات سے مطلع کیا، اس کے بعد ورقہ نے آپ سے براہ راست اس واقعہ کی تفصیل دریافت کی اور کہا: آپ ﷺ کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا، آپ ﷺ کو جھٹلایا جائے گا، تکلیف دی جائے گی، وطن سے نکال دیا جائے گا اور جنگ کی جائے گی، اگر ہم اس دن تک زندہ رہتے تو آپ ﷺ کی مدد کرتے، پھر انھوں نے آپ ﷺ کے سرِ مبارک کا بوسہ لیا۔

پہلے مسلمان

اس طرح سب سے پہلی وحی آپ ﷺ پر رمضان المبارک میں نازل ہوئی، (۱) جس کا خود قرآن مجید میں ذکر موجود ہے، (البقرۃ: ۱۸۵) اور سب سے پہلی ذات جن کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت اور سبقت کا شرف حاصل ہوا، اُم المومنین حضرت خدیجہؓ ہیں، وہ نہ

(۱) یہ عیسوی کے لحاظ سے ۱۰/اگست ۶۱۰ء ہوتا ہے۔

صرف پہلی مومنہ ہیں؛ بلکہ اپنی زندگی بھر وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے بڑا سہارا بنی رہیں، آپ ﷺ جب باہر سے آتے اور لوگوں کے جھٹلانے اور طعن وطنز کرنے کی وجہ سے مضمحل ہوتے تو وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرتیں اور تسلی دیتیں اور اس طرح آپ ﷺ کا غم ہلکا ہوتا۔

فترتِ وحی

اس کے بعد تھوڑے دنوں رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت میں بےقراری اور بےچینی پیدا ہوئی اور آپ غمگین رہنے لگے، اسی موقع پر سورۂ ضحیٰ نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کی تسلی اور دلداری کا مضمون ہے۔

پہلے اسلام لانے والے

مردوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایمان لائے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی — اصل میں ایک زمانہ میں مکہ میں سخت قحط پڑا، حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے، انھوں نے باپ کی طرح حضور ﷺ کی پرورش کی تھی؛ اس لئے آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ — جو بنو ہاشم میں سب سے زیادہ خوشحال اور متمول سمجھے جاتے تھے — سے کہا: ہم لوگ ابوطالب کا بوجھ کچھ کم کرسکتے ہیں؛ کہ ان کے بعض بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہم قبول کرلیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہوگئے، اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی پرورش میں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پرورش میں آگئے، اس لئے جب آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی، تو بلا تاخیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔

چنانچہ ابتداء میں آپ ﷺ جب مکہ کی وادیوں میں چھپ کر نماز ادا کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد اور دوسرے چچاؤں سے چھپ کر آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے، ایک بار ابوطالب کی نظر پڑ ہی گئی، پوچھا یہ کیا دین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدا، اس کے فرشتوں، رسولوں اور ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، مجھ کو اللہ نے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ اس ہدایت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں؛ لہٰذا آپ اس معاملہ میں

میری مدد فرمائیے ـــــ ابوطالب نے کہا: بھتیجے! میرے لئے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنا مشکل ہے، ہاں جب تک میں زندہ رہوں، کوئی تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے، جو حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے اور حضرت خدیجہؓ نے انھیں حضور ﷺ کو ہبہ کردیا تھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت نرم خو، ہر دلعزیز، حسب نسب سے واقف، تاجر، خلیق اور مشہور آدمی تھے، بڑے بڑے لوگ علمی اور تجارتی مشوروں کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو ایمان کی دعوت دینے لگے، ان کی دعوت پر ایمان لانے والوں میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ ـــــ رضی اللہ عنہم ـــــ ہیں، یہ آٹھ حضرات ہیں جن کو اسلام میں سبقت اور اولیت کا شرف حاصل ہے، (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)۔

ان کے بعد مختلف لوگوں نے اس دعوتِ حق پر لبیک کہا، ان سب کا ٹھکانہ ''صفا'' پر حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، جو ''دارارقم'' کے نام سے مشہور ہے؛ یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوچکی تھی۔

دعوتِ عام

تین سال تک رسول اللہ ﷺ مخفی طور پر دعوت کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اب تبلیغ کا دائرہ وسیع کردیا جائے اور عمومی دعوت دی جائے:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ، وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ، وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ،وَقُلۡ اِنِّيۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ الۡمُبِيۡنُ ۔(حجر:۹۴)

آپ ﷺ کو جس بات کا حکم دیا جارہا ہے، اس کا اعلان کیجئے اور مشرکوں سے گریز کیجئے، اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے، آپ کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کے ساتھ نرم روی فرمائیے اور کہئے کہ میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے عام دعوت دینی شروع کردی، مگر نمازیں اب بھی چھپ کر ادا کی جاتی تھیں، ایک دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ کی کسی وادی میں مصروفِ نماز تھے کہ کافروں کی ایک جماعت نے دیکھ لیا، انھوں نے مسلمانوں کو بہت برا بھلا کہا؛ یہاں تک کہ قتل وقتال پر آمادہ ہوگئے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اونٹ کی ڈاڑھوں کی ہڈی سے ایک شخص کو اس زور سے مارا کہ اس کا سر زخمی ہوگیا — یہ کافروں کا پہلا خون تھا، جو اسلام کے مقابلہ میں بہایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب تک ان کے معبودانِ باطلہ کی مذمت نہیں کی، انھوں نے آپ ﷺ سے کوئی تعرض نہیں کیا؛ مگر جب آپ ﷺ کی دعوت توحید میں ان کے معبودوں کا ذکر اوران پر تنقید آئی تو انھوں نے آپ ﷺ کی مخالفت شروع کردی اورآپ کے دشمن ہوگئے۔

ابوطالب کے پاس نمائندگی

رسول اللہ ﷺ چوں کہ ابوطالب کی حفاظت اور ان کی امان میں تھے اور اسلام کے معاملہ میں آپ ﷺ کا رویہ بے لچک تھا؛ اس لئے کچھ روساء قریش ابوطالب کے پاس آئے کہ آپ کے بھتیجے ہمارے معبود کو برا بھلا کہتے ہیں، ہمارے دین کو نادرست قرار دیتے ہیں اور ہمارے آباء واجداد کو گمراہ؛ اس لئے یا تو آپ ان کو ایسی باتوں سے منع کریں یا درمیان سے ہٹ جائیں، ابوطالب نے ان کو کچھ کہہ سن کر خوش اُسلوبی سے واپس کردیا۔

دوسری بار پھر قریش کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں آیا اور اپنا مطالبہ ذرا اور شدت سے دہرایا کہ اگر آپ محمد ﷺ کو روک نہیں سکتے تو پھر خود بھی مقابلہ پر آجایئے، ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلایا اور کہا کہ قریش نے میرے سامنے یہ مطالبات رکھے ہیں، لہٰذا مجھ پر اتنا بوجھ بھی نہ ڈالو جو ہماری طاقت سے زیادہ ہو، حضور ﷺ نے سنا تو سمجھا کہ شاید ابوطالب بھی دستِ تعاون کھینچ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''چچا جان! خدا کی قسم، اگر یہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس دین کو چھوڑ دوں تو بھی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردیں، یا یہ کہ میں اسی راہ میں مٹ جاؤں'' —

یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ رونے لگے اور واپس ہو گئے، ابوطالب نے بلایا اور کہا: ''جاؤ اور جو کچھ جی چاہے کہو، خدا کی قسم تم کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتا''۔(۱)

عمارہ بن ولید کی پیشکش

قریش نے جب دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح محمد ﷺ کو چھوڑنے اور ہمارے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو قریش کے ایک طاقتور اور خوبصورت نوجوان عمارہ بن ولید کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور پیش کش کی کہ محمد ﷺ کی بجائے آپ اس نوجوان خوبصورت بچہ کو قبول کر لیں، اسے اپنا بیٹا بنالیں اور اپنے بھتیجے کو جو آپ کے اور آپ کے آباء واجداد کے دین کی مخالفت کرتا ہے، ہمارے حوالہ کر دیں، تا کہ ہم ان کو قتل کر دیں۔

ابوطالب نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ بدترین سودا ہے، جو تم لوگ کر رہے ہو، تم اپنا بیٹا مجھے دو گے کہ میں اس کی پرورش کروں اور میں اپنا بیٹا تم کو دوں کہ تم اسے قتل کر دو، خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا''— مطعم بن عدی نے کہا: ابوطالب! قوم نے تم سے منصفانہ بات کہی ہے اور تمہاری ناپسندیدہ بات سے بچنے کی کوشش ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ تم کوئی بات ماننا نہیں چاہتے — ابوطالب نے جواب دیا: خدا کی قسم! لوگوں نے انصاف نہیں کیا؛ لیکن تم طے کئے ہوئے ہو کہ مجھے رسوا کرو اور میرے مقابلہ میں قوم کی مدد کرو؛ لہٰذا تم جو چاہو کرو۔

مکہ میں اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی اور شدت سے مخالفت شروع ہو گئی، ہر قبیلہ نے اپنے قبیلہ کے مسلمان افراد کو اذیت دینا شروع کر دیا؛ البتہ ابوطالب کی وجہ سے حضور ﷺ کو تحفظ حاصل رہا، ابوطالب نے قریش کا رویہ دیکھتے ہوئے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا اور ان کو حضور ﷺ کے تحفظ کی دعوت دی، اس پر دشمن خدا ابولہب کے سوا سبھوں نے لبیک کہا اور اس طرح عربوں کے قدیم تمدن کے مطابق آپ ﷺ کو خاندانی اور قبائلی امان حاصل ہو گیا۔

---

(۱) یہ واقعہ بہ ظاہر نبوت کے پانچویں سے ساتویں سال کے درمیان پیش آیا ہے۔

قریش کے باہمی مشورے

اب حج کا موسم آ گیا، جس میں جزیرۃ العرب کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کھنچ کر لوگ مکہ آیا کرتے تھے، قریش کو فکر ہوئی کہ اس موقع سے محمد ﷺ کی دعوت کو کیوں کر بند کی جائے اور لوگوں کو کس طرح ان کی ملاقات سے باز رکھا جائے؟ — اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کچھ قریش ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھا ہوئے، ولید بن مغیرہ نے کہا کہ محمد ﷺ کے بارے میں تم کوئی ایک بات طے کرلو، تم میں سے ہر شخص وہی کہے اور تمہاری باتوں میں تضاد اور اختلاف نہ ہو۔

لوگوں نے کہا: آپ ہی بتایئے، ولید نے کہا: تم لوگ کہو اور میں سنتا ہوں، لوگوں نے کہا: ہم لوگ کہیں گے کہ وہ کاہن ہیں، ولید نے کہا: نہیں، وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے، ان کا کلام کاہنوں جیسا نہیں ہے، لوگوں نے کہا: تو پھر کیا ہم ان کو شاعر کہیں؟ ولید نے کہا: ہم اشعار، اس کے اوزان اور قواعد سے اچھی طرح واقف ہیں، محمد جو کلام سناتے ہیں، وہ شعر بھی نہیں ہے، لوگوں نے آخری بات کہی کہ ان کو جادوگر مشہور کریں؟ ولید نے کہا: میں نے جادوگروں کو دیکھا ہے اور ان کے جھاڑ پھونک سے بھی آگاہ ہوں، وہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔

لوگوں نے ولید سے پوچھا: پھر آخر آپ کی کیا رائے ہے؟ ولید نے کہا، خدا کی قسم! اس کے کلام میں ایک عجیب شیرینی اور مٹھاس ہے، اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، تم ان میں سے کوئی بات بھی کہہ لو، لوگ سمجھ جائیں گے کہ غلط ہے، ہاں اس میں سے نسبتاً جادوگر کہنا بہتر ہے، تم کہو محمد ایک جادوگر ہیں، وہ ایسا منتر جانتے ہیں، جس کے ذریعہ بھائی بھائی اور شوہر و بیوی کے درمیان اختلاف پیدا کر دیتے ہیں — یہی بات طے پا گئی اور قریش نے حج کے موقع پر ہر آنے والے کو آپ ﷺ سے ڈرانا اور آپ ﷺ کے جادوگر ہونے کا ذکر کرنا شروع کر دیا — اسی موقع پر ولید کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ، وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ، وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ، وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ، ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ، كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۔ (المدثر:١١-١٦)

مجھے اور جسے میں نے پیدا کیا، تنہا چھوڑ دو، باوجودیکہ میں نے اس کو بہت سامان اور مددگار اولاد دی اور اس کو خوب اسباب دیئے، پھر بھی اس کو حرص ہے کہ میں اور دوں، ہرگز نہیں ؛ اس لئے کہ وہ ہمارے احکام کا نافرمان ہے۔

قریش کی اس سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنے والے حجاج عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے دعویٔ رسالت سے واقف ہو گئے اور پورے عرب میں دعوتِ توحید کا عام چرچا اور شہرہ ہو گیا۔

قریش کی بدسلوکیاں

قریش کا رویہ حضور ﷺ کے بارے میں شدید سے شدید تر ہوتا گیا، وہ حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کو بے وقوف قرار دیتے، آپ ﷺ پر شاعر، جادوگر، کاہن اور پاگل ہونے کا الزام لگاتے، رسول اللہ ﷺ بھی اپنے موقف پر جمے رہے اور ان کے مذہب اور معبودانِ باطل پر علی الاعلان تنقید کرتے رہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ ایک دن ہم رؤساءِ قریش کے پاس گئے، وہ لوگ حجر اسود کے پاس بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ ہم لوگوں نے اس شخص کے معاملہ میں جس قدر صبر وضبط سے کام لیا ہے اور کسی معاملہ میں اتنا صبر نہیں کیا ہے، اس شخص نے ہمارے سمجھدار لوگوں کو بے وقوف قرار دیا اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا، پھر بھی ہم نے ضبط کیا...... اتنے میں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوئے، آپ ﷺ جب ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے طعنے دیئے، میں نے اس کی تکلیف اور کسک آپ ﷺ کے چہرہ سے محسوس کی، دوسری بار پھر آپ ﷺ کا گزر ہوا، اس بار بھی ان لوگوں نے حضور ﷺ پر طعن و تشنیع کیا اور آپ ﷺ کے چہرہ سے اندازہ ہوا کہ اس سے آپ ﷺ کو اذیت پہنچی ہے، تیسری بار پھر جب یہی نوبت آئی تو آپ ﷺ ٹھہر گئے اور فرمایا :

تَسْمَعُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! أَمَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ۔

گروہ قریش! تم سن رہے ہو، آگاہ ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس وہ چیز لایا ہوں جو منکروں کو تباہ کر دے گی۔

یہ جملہ سنتے ہی تمام لوگ ششدر و ساکت رہ گئے اور اس سے زیادہ نہ کہہ سکے ''محمد چلے جایئے، خدا کی قسم! آپ ناواقف نہیں ہیں'' **انصرف یا ابا القاسم فواللہ ما کنت جھولا۔**

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کل پھر لوگ اسی مقام پر جمع ہوئے اور میں بھی ان جمع ہونے والوں میں تھا، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم نے محمد کو جو کچھ کہا اور انھوں نے تم سے جو کہا وہ یاد ہی ہوگا کہ جب انھوں نے ایسی بات کہی، جو تم کو ناگوارِ خاطر تھی تو تم خاموش رہ گئے اور ان کو چھوڑ دیا، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پھر آپ ﷺ تشریف لائے، یہ لوگ یکبارگی آپ ﷺ پر جھپٹے اور آپ ﷺ کو گھیر کر کہنے لگے کہ تم ہی ہو جو ہمارے دین اور معبودوں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہتے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں ہی کہتا ہوں —— یہ سننا تھا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی چادر کے کنارے کو پکڑا اور گلے میں پھانسی دینی چاہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بچایا، وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے، کیا تم ایک آدمی کو محض اس بناء پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے؟

اس کے بعد وہ لوگ ہٹ گئے، یہ قریش کی جانب سے آپ ﷺ کو پہنچائی جانے والی سب سے بڑی اذیت تھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ایک دن ابوجہل کوہِ صفا کے پاس رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ کو بہت برا بھلا کہا اور تکلیف دی، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، یہ ساری باتیں عبداللہ بن جُدْعان کی باندی سن رہی تھی، ابوجہل اس گفتگو کے بعد کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا بیٹھا۔ ابھی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس ہوئے، ان کی کمان ان کے

جسم پر لٹکی ہوئی تھی، وہ قریش کے بڑے معزز اور بہادر نوجوان تھے اور معمول تھا کہ جب بھی قریش کی کسی مجلس سے گزرتے، وہاں ٹھہرتے، سلام اور گفتگو کرتے پھر آگے بڑھتے، حمزہ رضی اللہ عنہ کا گزر اس باندی پر ہوا، اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا، ابوجہل نے تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کو ابھی یہیں پر بہت برا بھلا کہا ہے اور تکلیف دی ہے اور تمہارے بھتیجے نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سخت طیش آیا اور ابوجہل کی تلاش میں نکلے، کعبہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ لوگوں کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، جا کر اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ شدید زخمی ہوگیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم محمد ﷺ کو برا بھلا کہتے ہو، جان لو، میں اس کے دین پر ہوں جو وہ کہتے ہیں وہی میں کہتا ہوں، اگر تمہارے اندر طاقت ہے تو وہی سلوک میرے ساتھ کرو، جو ان کے ساتھ کیا ہے''— قبیلۂ بنو مخزوم کے بعض لوگوں نے اس موقع پر ابوجہل کی مدد بھی کرنی چاہی، مگر ابوجہل نے خود ہی کہا کہ ان کو چھوڑ دو، میں نے آج ان کے بھتیجے کو واقعی بہت برا بھلا کہا ہے۔

اس طرح یہ واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ذریعہ بن گیا، ان کے مسلمان ہونے کے بعد قریش نے سمجھ لیا کہ اب حمزہ رضی اللہ عنہ محمد ﷺ کی حفاظت اور ان کی حمایت کریں گے؛ اس لئے اب ان کو حضور ﷺ کے ساتھ ناشائستہ طریقہ اختیار کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

عتبہ کی پیشکش

اہل مکہ نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہوتے ہوئے دیکھا، اور دیکھا کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو اب مصالحت کی کوشش شروع کی، اس سلسلہ کی پہلی کوشش عتبہ بن ربیعہ کے ہاتھوں ہوئی، وہ ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تنہا تشریف فرما تھے، اس نے کہا، کیا میں ایسا نہ کروں کہ محمد ﷺ سے ملوں، ان پر بعض چیزوں کی پیشکش کروں؛ تاکہ وہ اس نئے دین سے باز آجائیں اور ان کی جو خواہش ہو ہم اس کی تکمیل کردیں، لوگوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

عتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے برادر زادے! ہمارے درمیان تمہارا جو مرتبہ ہے اور تم کو جو خاندانی عظمت حاصل ہے، وہ تم خود جانتے ہو؛ لیکن اس کے باوجود تم نے اپنی قوم کو ایک بڑی اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہے، جس کی وجہ سے ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، تم نے ان کے عقلمندوں کو بے وقوف قرار دیا، ان کے گزشتہ آباء واجداد کو برا بھلا کہا، تم میری بات سنو اور غور کرو، میں تم پر چند چیزوں کی پیشکش کرتا ہوں، تم ان میں سے کوئی چیز قبول کرلو'' — آپ ﷺ نے فرمایا: کہو، میں سنتا ہوں۔

عتبہ نے کہا: ''اگر تمہارا مقصود دولت وثروت ہے تو ہم اپنا مال جمع کئے دیتے ہیں، یہاں تک کہ تم ہم میں سب سے زیادہ متمول اور سرمایہ دار ہو جاؤ — اور اگر سرداری وقیادت مطلوب ہے تو ہم تم کو اپنا سردار بنائے لیتے ہیں کہ تمہارے بغیر ہم کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کریں گے — اور اگر بادشاہت کی خواہش ہے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار ہیں — اگر تم آسیب میں مبتلا ہو اور خود اپنا علاج نہیں کرا سکتے تو ہم لوگ اپنا مال خرچ کر کے تمہارا علاج کراتے ہیں؛ تا کہ تم کو اس سے نجات حاصل ہو''۔

عتبہ جب اس گفتگو سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تمہاری بات مکمل ہوگئی؟'' عتبہ نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب میری بات سنو! اور حٰمٓ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں:

حٰمٓ ، تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ، بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ، وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۔ (حٰمٓ:۱-۵)

یہ حٰمٓ ہے، یہ بڑی مہربان اور رحم والی ہستی کی طرف سے بھیجی گئی ہے، یہ ایک نوشتہ ہے جس کی ایک ایک آیت نکھری ہوئی ہے، یہ

قرآن ہے عربی زبان میں، سمجھ بوجھ سے کام لینے والوں کے لئے،
(ایمان لانے والوں کو) بشارت سنانے والا اور (انکار کرنے والوں کو)
تنبیہ کرنے والا، پس ان (اہل مکہ) میں سے اکثریت نے اس
سے روگردانی کی، وہ سن کر نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل
اس حقیقت کے مخالف ہیں، جس کی طرف تم بلاتے ہو، ہمارے
کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک روک
حائل ہے، سو تم اپنی جگہ کام کرو، ہم اپنی جگہ کام کرتے ہیں۔

آپ ﷺ جب تک پڑھتے رہے، عتبہ پشت کی طرف ہاتھوں کو ٹیکے ہوئے توجہ سے سنتا رہا، آپ ﷺ نے آیت سجدہ پر پہنچ کر سجدہ کیا اور فرمایا: عتبہ! یہی میرا جواب ہے۔

عتبہ ساتھیوں کی طرف واپس آیا، وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل چکا ہے، پہنچتے ہی لوگوں نے حالات دریافت کئے، عتبہ نے کہا:

ماجرا یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کلام کبھی
نہیں سنا تھا، خدا کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے،
اے گروہِ قریش! تم میری بات مانو اور مجھے اس کا ذمہ دار سمجھو، اس
شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کے درپے نہ ہو، بخدا! اس کا
کلام جو میں نے سنا ہے بڑا نتیجہ خیز ہوگا، اگر اہل عرب نے اس سے
نمٹ لیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہارا کام چل جائے گا اور اگر وہ عرب
پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کی عظمت
تمہاری عظمت ہے اور اس کی وجہ سے تم لوگ خوش بخت اور خوش
نصیب قرار پاؤ گے۔

لوگوں نے کہا: عتبہ! تم پر بھی اس کی زبان کا جادو چل گیا ہے ــــ عتبہ نے کہا: ''یہ اس مسئلہ میں میری رائے ہے، اب تم جو چاہو کرو''۔

مصالحت کی ایک اور کوشش

قریش کی طرف سے اس نوعیت کی ایک اور کوشش ہوئی کہ قریش کے مختلف خانوادوں کے سردار —— عتبہ، شَیْبَہ، ابوسُفیان، نَضر بن حارث، ابوالبَختَری، اَسْوَد بن مطّلب، زَمْعَہ بن اسود، ولید بن مُغِیرہ، ابوجہل، عبداللہ بن اُمیہ، عاص بن وائل، نَبیہ ومُنَبِّہ اور اُمیہ بن خلف —— غروبِ آفتاب کے بعد کعبہ کے پاس اکٹھا ہوئے اور حضور ﷺ کو بلا بھیجا، آپ ﷺ نے سمجھا شاید ان معززین قریش کے دل میں اسلام نے گھر کیا ہے اور وہ ایمان لانا چاہتے ہیں؛ اس لئے آپ ﷺ جلد جلد تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، ان لوگوں نے پھر وہی بات دہرائی جو عتبہ نے کہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا :

> مجھے ان چیزوں سے کوئی مطلب نہیں جو تم پیش کرتے ہو، میں نہ تم سے مال ودولت کا طلب گار ہوں نہ سرداری اور حکومت کا؛ بلکہ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی نافرمانی سے ڈراؤں اور اس کی اطاعت پر اچھے بدلہ کی خوشخبری دوں، چنانچہ میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہارے لئے پوری طرح خیر خواہی کی، اگر تم میری دعوت کو قبول کرلوگے تو دنیا وآخرت دونوں میں خوش بخت ہوگے اور میری بات رد کردوگے تو میں حکم خداوندی کا انتظار کروں گا، یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔

قریش کے ناشائستہ مطالبات

جب اس پیشکش میں ناکامی ہوئی تو کہنے لگے ”اے محمد! تم جانتے ہی ہو کہ مکہ ایک تنگ شہر ہے، یہاں پانی کی کمی ہے اور زندگی دوبھر ہے؛ اس لئے اپنے خدا سے دُعاء کرو کہ وہ

ان پہاڑوں کو ہٹا کر شہر کو وسیع وکشادہ کردے، شام وعراق کی طرح یہاں نہریں بہہ پڑیں، ہمارے گزشتہ آباء واجداد زندہ ہو اُٹھیں اور ہاں، ان زندہ ہونے والوں میں مردِ دانا قُصَی بن کِلاب ضرور ہوں، جن سے ہم تمہارے اس دین کی حقیقت دریافت کرسکیں کہ وہ حق ہے یا باطل؟ اگر وہ تصدیق کردیں تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے اور اس کے ذریعہ اندازہ بھی ہوجائے گا کہ بارگاہِ خداوندی میں تمہارا بڑا رتبہ ہے اور تم اس کے رسول ہو، آپ ﷺ نے جواب دیا: ''میں یہ کرشمے اور کرتب دکھانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں اور جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں وہ پہنچادیا ہے، قبول کرلو تو دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ ہے، نہ مانو تو صبر کرتا ہوں، یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیں''۔

اب ان لوگوں نے ایک نیا مطالبہ رکھا کہ اگر ہمارے لئے یہ کچھ نہیں کرتے تو کم ازکم اپنی ہی راحت وآسانی کے لئے کچھ کرو، اپنے رب سے ایک فرشتہ طلب کرو جو تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تمہاری تصدیق کرے، تمہارے پاس باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے فراہم ہوجائیں، جو تم کو ہر قسم کی ضروریات سے بے نیاز کردیں؛ کہ ابھی تو تم بھی ہماری ہی طرح بازاروں کو جاتے ہو اور کسبِ معاش کی جفاکشی میں مبتلا ہو، اس طرح خدا کے دربار میں تمہاری عظمت اور رسالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضور ﷺ نے پھر وہی جواب دیا جو اس سے پہلے فرمایا تھا۔

ان لوگوں نے کہا: ''تو پھر ہم پر عذاب کے طور پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گروادو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا خدا ایسا کرسکتا ہے'' — آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو خدا کی مرضی پر موقوف ہے، ذالک الی اللہ — اس پر بھی وہ خاموش نہ ہوئے اور ایک نیا الزام تراشا کہ میں نے سنا ہے آپ ﷺ کو یَمَامَہ کا ''رحمن'' نامی شخص تعلیم دیتا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے سے قاصر ہیں، ہم نے ہر طرح حجت تمام کردی ہے، اب ہم تم کو اور تمہارے اس دین کو نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ ہم تم کو یا تم ہم کو ہلاک کردو۔

یہ لوگ اس قسم کی مختلف باتیں کہتے رہے اور آپ ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے،

آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا پھوپی زاد بھائی عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی اُٹھ گیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا: ''اے محمد ﷺ! تمہاری قوم نے تمہارے سامنے مختلف چیزوں کی پیشکش کی؛ مگر تم نے کچھ بھی قبول نہیں کیا، پھر انھوں نے اپنے اور تمہارے لئے مختلف چیزوں کی خواہش کی، جس سے عنداللہ تمہارا درجہ اور مرتبہ معلوم ہو سکے؛ مگر تم نے وہ بھی پورا نہیں کیا، اب خدا کی قسم! اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھو اور اُترو اور یہ سب کچھ میں بچشم سر دیکھوں، نیز تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں جو تمہاری تصدیق کرتے ہوں تو بھی میں ایمان نہیں لاؤ ں گا''۔

حضور ﷺ کو ان لوگوں کی اس دین بیزاری اور دعوتِ حق کی قبولیت سے انکار کی بناء پر سخت صدمہ ہوا اور دُکھے دل کے ساتھ گھر واپس آ گئے۔

ابو جہل کی ناپاک سازش

حضور ﷺ کی واپسی کے بعد ابو جہل نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا: ''تم دیکھ ہی رہے ہو کہ محمد نے ہر تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اور ہمارے دین کو غلط کہنے، ہمارے آباء واجداد کو برا بھلا کہنے اور ہمارے سمجھ دار لوگوں کو بے وقوف قرار دینے پر مصر ہے، میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ کل اس کے لئے ایک اتنا بڑا پتھر لے کر بیٹھوں گا، جسے اُٹھا سکوں، پھر جب وہ نماز کے درمیان سجدہ میں جائے گا تو اس سے اس کا سر کچل دوں گا، اب اس کے بعد تم لوگ مجھے بچاؤ یا حوالہ کر دو اور بنو عبد مناف (خانوادۂ نبوت) جو کچھ چاہیں کریں'' — ان لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم تم کو کسی کے حوالہ نہیں کر سکتے، تمہارا جو ارادہ ہے اسے کر گزرو۔

صبح ہوئی تو ابو جہل نے اپنے پروگرام کے مطابق پتھر لیا اور حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا، آپ ﷺ معمول کے مطابق آئے اور رُکنِ یَمانی کے پاس نماز پڑھنے لگے، سردارانِ قریش اپنی اپنی جگہ سے تماشہ دیکھ رہے تھے کہ دیکھیں ابو جہل اب کیا کرتا ہے؟ اسی درمیان آپ ﷺ سجدہ میں گئے، ابو جہل نے پتھر اُٹھایا اور آپ ﷺ کی طرف بڑھا، مگر آپ ﷺ کے قریب پہنچتے ہی واپس بھاگا، وہ اس وقت کافی خوفزدہ تھا اور گھبراہٹ کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا؛ یہاں تک کہ پتھر بھی اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

چند آدمیوں نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ ماجرا کیا ہے؟ — ابوجہل نے کہا: گزشتہ رات کے مشورہ کے مطابق میں نے کرنا چاہا؛ مگر جوں ہی اس کے قریب پہنچا، درمیان میں ایک اونٹ آ گیا، خدا کی قسم! میں نے اتنے بڑے سر، گردن اور دانتوں والا اونٹ کبھی نہیں دیکھا، مجھے خطرہ ہوا کہ شاید کہیں وہ مجھے کھا نہ لے۔

نضر بن حارث کا اعتراف

قریش میں ایک شخص نضر بن حارث تھا، جو اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا، ابوجہل کی یہ بات سن کر کہنے لگا :

> اے گروہ قریش! (اسلام کی صورت میں) تمہارے پاس ایک ایسی چیز آ گئی ہے، جس کے مقابلہ میں تم کوئی سہارا نہیں پاتے ہو، محمد ﷺ تم میں ایک کم عمر لڑکے تھے، جو تم میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز، راست گو اور امانت دار تھے؛ یہاں تک کہ جب وہ ادھیڑ عمر کو پہنچے تو تمہارے سامنے ایک چیز لائے، اب تم کہتے ہو: وہ جادوگر ہیں، خدا کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہیں، ہم نے جادوگر اور ان کے جھاڑ پھونک دیکھے ہیں، تم نے کہا: وہ کاہن ہیں، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں ہیں، ہم نے کاہنوں اور ان کی حرکتوں کو دیکھا اور ان کی پر تکلف باتوں کو سنا ہے — اور تم کہتے ہو: وہ شاعر ہیں، واللہ! وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شعر کی تمام اصناف اور قسموں سے واقف ہیں — نیز تم ان کو دیوانہ اور پاگل کہتے ہو، خدا کی قسم! ایسا بھی نہیں ہے، ہم جنون اور دیوانگی کو جانتے ہیں ...... اے گروہ قریش! تم اپنے معاملہ میں غور و فکر سے کام لو؛ کیوں کہ خدا کی قسم! تمہارے پاس ایک اہم چیز آ چکی ہے۔

قرآن مجید کی علانیہ تلاوت

ایک روز صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا؛ کہ قریش نے بہ آوازِ بلند قرآن مجید کی تلاوت نہیں سنی ہے، اس لئے ان کو سنانا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لئے تیار ہوئے، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اندیشہ ہے کہ لوگ تم کو اذیت پہنچائیں، کوئی ایسا آدمی ہونا چاہئے جس کی اس کے اہل خاندان حفاظت کرسکیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دوسرے دن صبح کے وقت مقام ابراہیم کے پاس سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرنے لگے، قریش اپنی اپنی مجلسوں میں تھے، انھوں نے جب محسوس کیا کہ یہ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں تو ان کے چہرہ پر بے تحاشہ مارنے لگے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی حال میں پڑھتے رہے اور جتنا پڑھنا تھا پڑھ کر ہی دم لیا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب واپس آئے تو چہرہ پر مار کے نشانات موجود تھے۔

کمزور مسلمانوں پر مظالم

قریش جب مختلف تدبیروں سے تھک گئے اور ان کی ساری سازشیں رسول اللہ ﷺ کے عزم مصمم کے سامنے پارہ پارہ ہوگئیں تو اب مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم کا سلسلہ شروع کردیا، زدوکوب کرتے، بھوکا پیاسا رکھتے اور بعض کو سولی بھی دے دیتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی بنی جُمَح کے غلام تھے، جو مسلمان ہوچکے تھے، اُمَیَّہ بن خَلَف ان کو ٹھیک دوپہر میں مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹادیتا، سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا، پھر کہتا: تم کو اسی حال میں رہنا ہے؛ تا آں کہ تم مرجاؤ یا محمد ﷺ کا انکار کرجاؤ اور لات وعزیٰ نامی بتوں کی پرستش کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حال میں بھی ''احدٌ احدٌ'' (خدا ایک ہے، ایک ہے) کہتے جاتے، ایک دن اسی حال میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، انھوں نے اُمیہ بن خلف سے کہا: کیا تم اس غریب کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے، کب تک اس طرح کرتے رہوگے؟ اس نے جواب دیا: دراصل تم ہی نے اس کو بگاڑا ہے، اب تم ہی اس کو اس

مصیبت سے نکالو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس ایک حبشی غلام ہے، جو اس سے زیادہ طاقتور اور قوی ہے اور تمہارا ہم مذہب بھی ہے، تم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں اسے لے لو، وہ تیار ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا غلام اس کے حوالہ کر دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا۔

بنومخزوم حضرت عمّار رضی اللہ عنہ، ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ سُمَیَّہؓ کو سخت اذیت اور تکلیف دیتے تھے، عین نصف النہار میں ان کو مکہ کی گرم ریت میں گھسیٹتے اور تشدد کرتے تھے، حضور ﷺ کا ان کے سامنے سے گزر ہوتا تو فرماتے: اے آلِ یاسر، صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے؛ یہاں تک کہ حضرت سمیہؓ کو بڑے وحشیانہ اور تشدد آمیز طریقہ سے ابوجہل نے ہلاک کر دیا۔

بنی مؤمّل کی ایک باندی تھیں، جو اسلام قبول کر چکی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے؛ اس لئے اس کو بڑی بے دردی سے مارتے؛ یہاں تک کہ جب زدوکوب کرتے کرتے تھک جاتے تو کہتے: میں نے تم کو چھوڑا نہیں ہے؛ بلکہ محض تھک جانے کی وجہ سے رُک گیا ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک دفعہ گزر ہوا تو اس کو خرید کر آزاد کر دیا۔

ابوجہل کا مستقل یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی اسلام قبول کرتا تو جا کر اُن کو برا بھلا کہتا اور بے آبرو کرتا، دھمکیاں دیتا کہ سماج میں تم کو جو کچھ عزت حاصل ہے، ہم اس کو پامال کر دیں گے، تاجر ہوتا تو کہتا: ہم تمہاری معیشت تباہ کر دیں گے اور تمہاری تجارت کو نقصان پہنچائیں گے اور اگر عام قسم کے کمزور آدمی ہوتے تو اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا۔

ہجرتِ حَبْشہ

حضور ﷺ نے دیکھا کہ آپ کو حضرت ابوطالب کی وجہ سے ایک گونہ تحفظ حاصل ہے اور دوسرے مسلمان سخت اذیت اور مصائب کا شکار ہیں، چنانچہ آپ نے شاہ حبش کی رحم دلی اور انصاف پروری پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو حبش ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور ابتداءً دس مسلمان ـــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت رقیہؓ، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

اور ان کی بیوی، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی، ابوسبرہ رضی اللہ عنہ اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ ـــــ حبشہ منتقل ہوگئے، اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں کی ہجرت کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، اس طرح بچوں کے علاوہ بڑے صحابہ اور صحابیات کی تعداد ۸۳ ہوگئی، جن کو اس ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ والوں کو مسلمانوں کا یہ سکھ چین گوارا نہ ہوا اور انھوں نے اپنی طرف سے ایک دو رکنی وفد شاہِ حبشہ اَصْحَمَہ نجاشی کے پاس بھیجا، یہ دونوں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص تھے، نہ صرف بادشاہ؛ بلکہ دربار کے تمام پوپ پادریوں کے لئے تحائف بھیجے، نجاشی کو چمڑے کی اشیاء بہت مرغوب تھیں، اس لئے خصوصی اہتمام سے چمڑے بھیجے گئے، ان لوگوں نے پہلے دوسرے درباریوں اور مشیروں کی خدمت میں نذرانے پیش کئے، پھر ان سے کہا: ہمارے کچھ نادان اور ناتجربہ کار لوگوں نے اس ملک میں پناہ لے رکھی ہے، انھوں نے اپنے آبائی دین کو بھی چھوڑ دیا ہے اور آپ کا مذہب بھی نہیں اختیار کیا ہے؛ بلکہ ایک نیا ہی دین گھڑلیا ہے، اس دین سے نہ ہم واقف ہیں، نہ آپ لوگ آشنا ہیں، ہم لوگوں کو ان کی قوم کے سرداروں اور ذمہ داروں نے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ وہ ان کو واپس کردیں؛ لہٰذا ہم جب بادشاہ سے ایسی درخواست کریں تو آپ لوگ بھی مسلمانوں کو واپس کردینے اور ان سے گفتگو نہ کرنے کا مشورہ دیں ـــــ انھوں نے وعدہ کرلیا کہ وہ ویسا ہی مشورہ دیں گے۔

چنانچہ ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں بھی تحائف پیش کئے، نجاشی نے قبول کرلیا، ان کے سامنے بھی یہی بات دہرائی اور طے شدہ پروگرام کے مطابق دوسرے مشیروں نے بھی تائید کی، نجاشی یہ سن کر خفا ہوا اور کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ لی، میرے ملک میں آئے اور دوسروں کے مقابلہ میں مجھے پسند اور منتخب کیا، ان کو میں تمہارے حوالہ نہیں کرسکتا؛ یہاں تک کہ میں ان کو بلا کر ان کے معاملہ کی تحقیق کرلوں، اگر بات وہی ہے، جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں تو ان کے حوالہ کردوں، ورنہ ان کی حفاظت کروں اور بہتر طریقہ پر پناہ دوں۔

اب نجاشی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور اپنے علماء کو بھی بلایا، مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، انھوں نے فرمایا :

اے باشاہ! ہم لوگ جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، زنا کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں کی حق تلفی کرتے تھے اور کمزور طاقتور کا ظلم سہتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول ہماری طرف مبعوث فرمایا، ہم ان کے خاندان، صداقت، امانت، اور پاکیزگی سے واقف ہیں، انھوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں، ہم اور ہمارے آباء واجداد جن بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کو چھوڑ دیں، انھوں نے ہم کو راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی اور رشتہ داروں اور قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی سے بچنے کا حکم دیا اور زنا، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت تراشی سے منع فرمایا، ہمیں حکم دیا کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، نماز، زکوٰۃ اور روزے ادا کریں، ہم لوگوں نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، وہ خدا کے جو احکام لائے ان کی پیروی کی، صرف خدا ہی کی عبادت کی، شرک کو ترک کردیا، جن چیزوں کو آپ ﷺ نے حرام قرار دیا ان کو حرام سمجھا، جن کو آپ ﷺ نے حلال کہا، ان کو حلال سمجھا۔

اس وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر ظلم کیا، انھوں نے عذاب دیا، ہمیں اس دین سے پھیرنے کی کوشش کی؛ تاکہ ہم پھر بت پرستی میں پڑ جائیں اور برائیوں کو پہلے کی طرح جائز اور درست سمجھ کر

کریں، پھر جب ان کا قہر وغضب زیادہ ہوا، مکہ کی سرزمین انھوں نے ہم پر تنگ کردی اور وہ ہمارے دین میں رکاوٹ بننے لگے تو ہم آپ کے ملک میں آئے، دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، آپ کی پناہ کو پسند کیا اور یہ اُمید رکھی کہ آپ کے پاس اے بادشاہ! ہم پر ظلم نہ کیا جاسکے گا......۔

نجاشی نے پوچھا، تمہیں اس کتاب کا کچھ حصہ بھی یاد ہے جو تمہارے نبی پیش کرتے ہیں؟ ـــ حضرت جعفرؓ نے کہا: ہاں، اور ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' کی سورۃ کے ابتدائی حصہ کی تلاوت کی، نجاشی اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، یہ حال نہ صرف نجاشی؛ بلکہ اس کے دربار میں بیٹھے ہوئے دوسرے پادریوں کا بھی تھا، نجاشی نے اب ان دونوں کو واپس کردیا اور کہا: میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔

یہ دونوں دربار سے نکل گئے، عمرو بن عاص نے کہا: کل میں ایک ایسی بات کہوں گا کہ مسلمانوں کی یہاں سے جڑ کٹ جائے گی، میں کہوں گا کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ''خدا کا بندہ'' قرار دیتے ہیں ـــ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے ان کو منع بھی کیا، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور دوسرے دن پھر دربارِ شاہی میں پہنچے اور کہا: یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ''بہت بڑی بات'' کہتے ہیں؛ چنانچہ پھر مسلمانوں کی طلبی ہوئی، یہ مرحلہ پہلے سے بھی زیادہ نازک تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کے بعد طے کرلیا کہ ہمیں وہی کچھ کہنا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چاہے اس کی وجہ سے جن حالات کا بھی سامنا کرنا پڑے۔

مسلمان حاضر ہوئے، نجاشی نے دریافت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ ـــ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اس سلسلہ میں ہم وہی کہتے ہیں، جو ہمارے رسول رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، ان کا ارشاد ہے:

هو عبدالله و رسوله و روحه و كلمته ألقاها إلى مريم العذراء البتول۔

وہ اللہ کے بندہ، اس کے رسول، اس کی پھونکی ہوئی روح اور اس کا
حکم ہیں، جو کنواری پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف
القاء کیا گیا۔

نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اُٹھایا اور کہنے لگا: ''تم نے جو کچھ کہا ہے، خدا کی قسم! حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات اس سے اس تنکہ برابر بھی زیادہ نہیں ہے''۔

اور مسلمانوں سے کہا ''تم لوگ میرے ملک میں مامون ہو، جو تم کو برا بھلا کہے، وہ مجرم ہوگا، مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں تم میں سے کسی کو تکلیف دوں، چاہے اس کے بدلے سونے کے پہاڑ کیوں نہ ملیں، نیز مکہ کے ان دونوں نمائندوں کو ان کے تحائف بھی واپس کر دیئے اور یہ ناکام ونامراد واپس آ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ جب ناکام واپس آئے تو یہاں ایک اہم واقعہ پیش آ چکا تھا اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ایک جری، بہادر اور بلند حوصلہ آدمی تھے، مسلمان ہو چکے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تو پہلے ہی ایمان قبول کر چکے تھے، ان دونوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی قوت حاصل ہوگئی، چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے سے پہلے کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، وہ ایمان لائے تو قریش سے لڑ کر کعبہ کے پاس نماز ادا کی اور ان کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔

ان کے مسلمان ہونے کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے — ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب، بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلہ کے ایک صاحب نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لٹکائی اور چلے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالیں، راستہ میں نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: جاتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی تمام کر دوں — انھوں نے کہا، تم کو دراصل تمہارے نفس نے دھوکہ دیا ہے، تم سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو گے اور بنو عبد مناف تم

کو یوں ہی چھوڑ دیں گے، پہلے اپنے گھر کو تو درست کرلو—حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے گھر والوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ! تمہاری بہن اور بہنوئی ایمان قبول کر چکے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور اپنے بہن بہنوئی کے گھر پہنچے، یہاں حضرت خبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ پہلے سے موجود تھے، جو ان دونوں کو قرآن پڑھا رہے تھے، ان کے ساتھ سورۂ طٰہٰ بھی لکھی ہوئی صورت میں موجود تھی، جوں ہی ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی، خباب کہیں چھپ گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رانوں سے قرآن کے اس حصہ کو چھپالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ آواز کیا تھی، جو میں سن رہا تھا؟—بہن نے انکار کیا کہ کوئی آواز نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ تم لوگ مسلمان ہو چکے ہو۔

چنانچہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہنوئی کی طرف بڑھے اور ان کو پکڑا، بہن بچانے کھڑی ہوئیں تو اس زور سے مارا کہ زخمی ہو گئیں، اب بہن بہنوئی نے کہا: ہم لوگ واقعی ایمان لا چکے ہیں، جو کرنا چاہو کرلو، بہن کو زخمی دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرمندگی ہوئی، کہنے لگے: وہ کتاب لاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں، بہن نے کہا: تم پھاڑ ڈالو گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے معبودوں کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ نہ پھاڑیں گے، یہ سن کر بہن پراُمید ہوئیں کہ شاید اسلام لے آئیں؛ اس لئے کہا کہ تم پہلے غسل کرلو، تم ابھی شرک کی ناپاکی میں ملوث ہو اور اسے پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں —اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور یہی سورۂ طٰہٰ آپ کے حوالہ کی گئی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی آیات پڑھیں اور کہنے لگے: کیا خوب اور بہتر کلام ہے— خباب نے جب یہ سنا تو سامنے آئے اور کہا: عمر! رسول اللہ ﷺ نے کل ہی دُعاء کی ہے کہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اسلام کو قوت پہنچا، شاید یہ دُعاء تمہارے حق میں پوری ہوا چاہتی ہے — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خباب سے کہا: پھر مجھے حضور رضی اللہ عنہ کے پاس لے چلو کہ میں اسلام لاؤں، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ﷺ صفا کے پاس اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لٹکائی اور وہاں پہنچے، دروازہ کو دستک دی، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کواڑ کے روزنوں سے جھانک کر دیکھا تو گھبرائے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچے کہ عمر رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے ہوئے آئے ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آنے دو، بھلائی کا ارادہ ہو تب تو ٹھیک ہے اور اگر برائی کا ارادہ ہو تو اسی کی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دیں گے، حضور ﷺ نے آنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور خود آگے بڑھ کر ان کا دامن پکڑا اور زور سے جھٹکا دیتے ہوئے دریافت فرمایا: عمر! کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایمان لانے آیا ہوں، یہ سننا تھا کہ آپ ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اس شب غور کیا کہ مکہ میں کون حضور ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ہے؟ — میں جاؤں اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دوں، آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ ابوجہل ہے، چنانچہ میں صبح صبح اس کے ہاں گیا، دروازہ کھٹکایا، ابوجہل نکلا اور کہا: ''خوش آمدید بھانجے! کس کام سے آئے ہو''؟ — میں نے کہا اس بات کی اطلاع دینے کہ ''میں خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور وہ جو کچھ احکام لائے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہوں'' — ابوجہل نے ان کے منھ پر دروازہ مار دیا اور کہا: اللہ تم کو رسوا کرے اور اس خبر کا برا ہو جو تم لائے ہو۔

بنو ہاشم کے خلاف بائیکاٹ

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں ایک محفوظ پناہ گاہ مل گئی ہے اور ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مکہ میں بھی مسلمانوں کو ایک گونہ قوت حاصل ہوگئی ہے اور اسلام پھیلنے لگا ہے تو باہمی مشورہ سے ایک ''عہد نامہ'' لکھا گیا، اس عہد نامہ کا حاصل یہ تھا کہ ہم بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے شادی بیاہ اور خرید وفروخت کا کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اس عہد نامہ کی تحریر کے بعد سبھوں نے مل کر اس پر ثابت قدم رہنے کا عزم کیا اور اسے خانۂ کعبہ میں لٹکا دیا، یہ تحریر منصور بن عِکْرَمہ نے لکھی تھی، حضور ﷺ نے اس کے لئے بددُعاء کی اور اس کی بعض انگلیاں شل ہوگئیں۔

اس صورتِ حال میں ابو طالب بن عبد المطلب بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو لے کر ایک وادی میں چلے گئے جو ''شعبِ ابی طالب'' کے نام سے مشہور ہے، بنو ہاشم میں صرف ابولہب اس میں شریک نہیں رہا، دو یا تین سال اسی طرح بیت گئے، اس درمیان کیا مجال تھی کہ بنو ہاشم تک کوئی چیز پہنچ جاتی، سوائے اس کے کہ بعض رحم دل حضرات چوری چھپے کچھ دے جاتے۔(۱)

مہاجرین حبشہ کی واپسی

اسی درمیان مہاجرین حبشہ تک یہ غلط افواہ پہنچی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے؛ چنانچہ حبشہ جانے والوں میں سے ۳۳/افراد مکہ واپس آ گئے، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، پھر بھی کچھ لوگ مکہ کے کسی باشندہ کی پناہ لے کر یا چھپ کر مکہ آ گئے، ان ہی پناہ لینے والوں میں عثمان بن مظعون ﷺ ہیں، جنھوں نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی اور ابوسلمہ بن عبد الاسد ﷺ ہیں، جو ابو طالب کی پناہ میں تھے۔

بائیکاٹ کا خاتمہ

قریش میں ایک رحم دل بزرگ ہشام بن عمرو تھے، جو بڑے معزز سمجھے جاتے تھے اوران ایام آزمائش میں چھپ کر بنو ہاشم کی مدد بھی کرتے تھے، وہ رات کے وقت اونٹ پر کھانے کے سامان اُٹھا کر لاتے اور شعب ابی طالب کے دروازہ پر اسے چھوڑ دیتے اور اندر کو ہنکا دیتے، بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اس کو لے لیتے، اسی طرح کبھی کپڑے اور ملبوسات لا کر دیتے۔

انھوں نے ہی اس بائیکاٹ کو ختم کرنے کی تحریک شروع کی، وہ سب سے پہلے زُہَیر بن ابی اُمَیَّہ کے پاس گئے، ان کی والدہ عبد المطلب کی صاحبزادی عَاتِکَہ تھیں جن کی وجہ سے بنو عبد المطلب سے نانیہالی قرابت تھی، ان سے کہا: اے زُہَیر! کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ تم کھاؤ،

(۱) بائیکاٹ کی ابتداء بعثت نبوی کے ساتویں سال محرم الحرام کے مہینہ میں ہوئی اور دسویں سال یہ بائیکاٹ یا مقاطعہ ختم ہوا، بائیکاٹ کے خاتمہ کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۴۹ سال تھی۔(خلاصہ سیر سید البشر: ۱/۴۲)

کپڑے پہنو اور نکاح کرو اور تمہارے ماموں کا جو حال ہے، وہ معلوم ہے، نہ ان کو کوئی چیز بیچی جاتی ہے اور نہ شادی بیاہ کا تعلق رکھا جاتا ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تمہاری جگہ ابوجہل کے ماموؤں کا مسئلہ ہوتا اور تم اس کو اس قسم کے بائیکاٹ کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز قبول نہ کرتا۔

زُہَیر نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے، مگر میں کیا کر سکتا ہوں، میں تو تنہا ایک آدمی ہوں، اگر ایک اور آدمی میرا ساتھ دیتا تو میں اس بائیکاٹ کو توڑ دیتا — ہشام نے کہا: ایک اور آدمی مجھے مل گیا ہے، زُہَیر نے کہا: وہ کون ہے؟ ہِشَام نے کہا: خود میں ہوں، زُہَیر نے کہا: اچھا، ایک تیسرے شخص کو بھی تلاش کرلو۔

اب یہ مُطْعِم بن عدی کے پاس گئے اور کہا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ عبد مناف کے دو خانوادے ہلاک کر دیئے جائیں اور آپ اس کام میں قریش کے حمایت کرتے رہیں؟ اگر آپ نے یہ بات ہوجانے دی تو پھر کل آپ کی باری ہے — مُعْطِم نے کہا: میں تنہا ایک شخص کیا کر سکتا ہوں؟ — کہا: دوسرا شخص میں ہوں، مُعْطِم نے کہا: تیسرا آدمی بھی تلاش کرو، ہشام نے کہا: میں نے تلاش کرلیا ہے، زہیر بن اُمیہ بھی ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، مُعْطِم نے کہا: چوتھا آدمی بھی تلاش کرو۔

اس کے بعد ہشام ابوالبَخْتَری بن ہشام کے پاس گئے، ان سے بھی یہی باتیں کیں اور کہا کہ اس معاملہ میں میرے علاوہ زہیر بن اُمیہ اور مطعم بن عدی بھی تائید کرنے کو تیار ہیں، انھوں نے کہا: ایک پانچواں شخص تلاش کرو؛ چنانچہ زَمْعَہ بن اَسْوَد کے پاس پہنچے، ان سے اس سلسلہ میں تائید کرنے کی خواہش کی اور ان لوگوں کے نام بھی سامنے رکھ دیئے، جو اب تک اس مہم میں اتفاق کر چکے تھے۔

چنانچہ یہ سب ایک رات مکہ کے بالائی علاقہ میں ''خَطْمِ حَجُوْن'' نامی جگہ پر اکٹھا ہوئے اور طے کرلیا کہ ہمیں یہ بائیکاٹ توڑنا ہے، زہیر بن اُمیہ نے کہا: کل جب قریش سے اس سلسلہ میں بات ہوگی تو میں گفتگو کا آغاز کروں گا — چنانچہ صبح ہوئی تو یہ قریش کے مشورہ گاہ میں پہنچے — زہیر بن اُمیہ کے جسم پر ایک حلہ تھا، انھوں نے سات دفعہ بیت اللہ کا طواف کیا، پھر لوگوں

کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: اے مکہ والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم ہلاک ہوجائیں، نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے اور نہ بیچی جائے، میں نہیں بیٹھ سکتا جب تک اس ظلم اور قطع رحمی پر مبنی عہد نامہ کو پھاڑ نہیں دیا جائے۔

ابوجہل نے کہا: تم جھوٹے ہو، خدا کی قسم! اس عہد نامہ کو نہیں پھاڑا جاسکتا، زمعہ نے کہا: واللہ! جھوٹے تو تم ہو، جس وقت یہ تحریر لکھی گئی، اس وقت بھی ہم اس پر راضی نہیں تھے، ابوالبَختَری نے کہا: زمعہ نے سچ کہا، مُطعِم بن عدی کہنے لگے: تم دونوں سچ کہتے ہو اور جو شخص اس کے سوا کچھ اور کہتا ہے وہ جھوٹا ہے، یہی بات ہشام بن عمرو نے بھی دہرائی — ابوجہل نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ رات ہی میں آپس میں یہ سب طے کر چکے تھے اور پہلے ہی سے مشورہ کر کے آئے ہو؛ چنانچہ مُطعِم کھڑے ہوئے اور مقاطعہ کی یہ تحریر اُتاری؛ تاکہ اس کو پھاڑ دیا جائے، اب جو دیکھا تو پورے عہد نامہ کو دیمک چاٹ چکا تھا، اور صرف ''باسمک اللّٰھم'' باقی رہ گیا تھا۔

ابوجہل سے حق کی وصولی

اسی زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا، مکہ میں ایک نو وارد آیا، ابوجہل نے اس سے اونٹ لیا اور قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول شروع کردی، مجبور ہوکر وہ رؤساءِ قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس معاملہ میں ابوجہل کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا؟ لوگوں نے ازراہِ تمسخر آپ ﷺ کی طرف اشارہ کردیا کہ یہی مدد کرسکتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس کو ساتھ لیا اور ابوجہل کے یہاں چلے۔

یہ غیر متوقع صورتِ حال دیکھ کر لوگ دیکھنے لگے کہ دیکھیں ابوجہل کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے؟ آپ ابوجہل کے ہاں پہنچے، دستک دی، اس نے پوچھا: کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، تم باہر نکلو، ابوجہل نکلا، اس وقت اس کے چہرہ پر سخت دہشت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو اس کا حق دے دو، اس نے کہا: ابھی آپ کے جانے سے پہلے پہلے ادا کئے دیتا ہوں؛ چنانچہ لاکر قیمت ادا کردی، آپ ﷺ واپس آگئے اور نو وارد نے آپ ﷺ کا شکریہ ادا کیا۔

یہ واقعہ لوگوں کے لئے نہایت حیران کن اور تعجب انگیز تھا، ابوجہل آیا تو اس سے وجہ دریافت کی گئی، اس نے کہا: خدا کی قسم! میں نے جوں ہی دروازہ کی کھٹکھٹاہٹ اور محمد کی آواز سنی، مجھ پر سخت رُعب طاری ہوگیا، پھر جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کے سر پر ایک اونٹ تھا، جس کے سر اور دانت وغیرہ بہت بڑے تھے، مجھے لگا کہ اگر میں حق کی ادائیگی سے انکار کر جاؤں تو وہ مجھے کھا جائے گا۔

واقعہ معراج

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو معراج سے سرفراز کیا گیا، (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود نے تفصیل سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے :

> آپ ﷺ کے پاس براق لایا گیا، یہی وہ جانور ہے جس پر سابق انبیاء بھی سوار ہوا کرتے تھے اور وہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ حد نگاہ پر قدم ڈالتا تھا، آپ ﷺ کو اس پر سوار کیا گیا اور فرشتہ آپ ﷺ کو لے کر چلا، یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچے، یہاں آپ ﷺ نے انبیاء کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پایا، آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی، اس موقع پر حضور ﷺ کے پاس تین برتن لائے گئے، ایک میں دودھ، ایک میں شراب اور ایک میں پانی تھا، اسی وقت آپ ﷺ نے ایک آواز بھی سنی کہ پانی لیں گے تو خود بھی ڈوبیں گے اور اُمت کو بھی غرقاب کریں گے، شراب لی تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور اُمت بھی، اور دُودھ لیں تو خود بھی ہدایت سے بہرہ ور ہوگے اور اُمت کو بھی ہدایت ملے گی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے دُودھ لیا اور نوش فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ ﷺ اور آپ کی اُمت دونوں نے ہدایت پائی۔

(۱) معراج کا واقعہ رجب ۱۰ بعثت نبوی میں پیش آیا۔

آگے کا واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیت المقدس سے معراج کا آغاز ہوا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمان کی طرف گئے اور پہلے آسمان کے دروازہ پر پہنچے، اس دروازہ کا نام ''باب الحفظہ'' ہے، اس پر ''اسماعیل'' نامی ایک فرشتہ متعین ہے، جس کے تحت ۱۲ ہزار فرشتے رہتے ہیں، اور پھر ان میں سے ہر فرشتہ کے ماتحت اتنے ہی فرشتے ہیں، دروازہ کے فرشتہ نے پوچھا: ''جبرئیل علیہ السلام! یہ کون ہیں''؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ''محمد ﷺ''— انھوں نے دریافت کیا کہ وہ طلب کئے گئے ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''ہاں''— اب انھوں نے دُعاءِ خیر کے ساتھ آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا۔

اس آسمان پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے، ان پر انسانوں کی روحیں پیش کی جاتی تھیں، وہ بعض روحوں کو دیکھ کر خوش ہوتے اور کلماتِ خیر کہتے کہ یہ پاکیزہ روح ہے، جو پاکیزہ جسم سے لی گئی ہے، اور بعض روحوں کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے اور فرماتے بدترین روح ہے، جو بدترین جسم سے کھینچی گئی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: آپ ﷺ کے والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن پر ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جارہی ہیں، مومنوں کی روحیں گزرتی ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور کافروں کی روحوں کا گزر ہوتا ہے تو رنجیدہ اور متأسف ہوتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے منھ اونٹ کی طرح ہیں، ان کے ہاتھوں میں آگ کے انگارے ہیں، جنھیں وہ منھ میں ڈالتے ہیں اور وہ سرین کے راستہ سے نکل جاتے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ظالموں کا مال کھا جاتے ہیں۔

کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بہت ہی بڑے ہیں، وہ آلِ فرعون کے راستہ میں ہیں، جن پر سے وہ پیاسے اونٹوں کی طرح روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں، ان کے پیٹ اتنے بڑے ہیں کہ اپنی جگہ سے ہٹ بھی نہیں سکتے، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یہ سود خور ہیں۔

کچھ اور لوگ تھے، جن کے سامنے تر و تازہ عمدہ گوشت رکھا ہوا تھا، وہ اسے نہیں کھاتے تھے اور باز و میں رکھے ہوئے اس گوشت میں سے کھاتے تھے جو خراب اور بدبودار تھا، حضور ﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر حرام طریقے سے خواہشات نفس پوری کرتے تھے، پھر کچھ عورتیں نظر آئیں، جو اپنے پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کر کے دوسروں کے بچے اپنے شوہروں کے سر منڈھ دیتی تھیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو دوسرے آسمان پر لایا گیا، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تیسرے آسمان پر ایک نہایت خوبصورت شخص نظر آئے، معلوم ہوا یہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جو بہت خوبصورت تھے اور سر و داڑھی کے بال سفید تھے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جو ''بیت معمور'' کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، ہر روز یہاں ستر فرشتے آتے ہیں، جو واپس نہیں ہوتے، ان کی شباہت اور شکل وصورت حضور ﷺ سے بہت زیادہ ملتی ہوئی تھی۔

اس کے بعد پیش گاہِ رب میں حاضری ہوئی اور آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا، انھوں نے دریافت کیا، کتنی نمازیں فرض ہوئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پچاس، انھوں نے کہا، آپ ﷺ کی اُمت کمزور ہے اور اتنی نماز کی ادائیگی دشوار ہوگی؛ اس لئے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ اس میں کچھ کمی فرما دیں ــــ ان کے مشورہ سے آپ ﷺ بار بار اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے رہے اور نمازں کی تعداد کم کی جاتی رہی، یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشورہ تھا کہ ابھی بھی مزید تخفیف کے لئے درخواست کی جائے؛ مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے مزید کسی گزارش میں شرم محسوس ہوتی ہے، (استحییت منه فما أنا بفاعل) ــــ آپ ﷺ نے فرمایا: جو ان نمازوں کو اخلاص کے ساتھ کما حقہ، ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو پچاس فرض نمازوں کا اجر عطا فرمائے گا۔

غموں کا سال

واقعۂ معراج کے کچھ ہی دنوں بعد نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال قبل {رمضان ۱۰ر نبوی، فروری ۶۱۹ء} ایک ہی سال میں غمگسار بیوی اُم المومنین حضرت خدیجہؓ اور غمخوار چچا حضرت ابوطالب کا انتقال ہوگیا، ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو رسول اللہ ﷺ کو ایسی اذیتیں پہنچانے کی جرأت ہوئی، جو اس سے پہلے نہ ہوسکتی تھی، ایک بدبخت نے سر مبارک پر خاک ڈال دی، آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو سر گرد آلود تھا، ایک صاحبزادی آپ ﷺ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، آپ ﷺ انھیں تسلی دیتے جاتے تھے، ''بیٹی! نہ روؤ، اللہ تمہارے باپ کا محافظ ہے'' — آپ ﷺ اس موقع پر یہ بھی فرما رہے تھے کہ ابوطالب کی موت سے پہلے قریش کو ایسی باتوں کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

ابوطالب جب بیمار تھے تو ایک بار سردارانِ قریش آئے اور خواہش کی کہ آپ کے برادرزادہ اور ہمارے درمیان جو اختلاف ہے، وہ آپ کے سامنے ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی ہی میں ہمارے اور اس کے درمیان '' کچھ لو اور کچھ دو'' کے اُصول پر مصالحت ہوجائے — ابوطالب نے آپ ﷺ کو بلایا اور صورتِ حال بتائی، آپ ﷺ نے ان سرداروں سے فرمایا، میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں، جس سے تم پورے عرب کے مالک ہوجاؤ گے اور عجم تمہارا تابع ہوجائے گا،

ابوجہل نے کہا: ایک نہیں، ایسی دس باتیں بھی ہوں تو کہو، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ کہو اور خدا کے سوا تمام معبودوں سے دستبردار ہوجاؤ'' — اس کے جواب میں انھوں نے تالیاں بجائیں اور کہنے لگے — تم چاہتے ہو کہ اتنے خداؤں کے بدلے ایک خدا بناؤ، تمہارا تو معاملہ ہی عجیب ہے — پھر آپس میں کہنے لگے'' یہ شخص تمہاری ایک بات بھی نہ مانے گا؛ اس لئے چلو ہم اپنے دین پر قائم رہیں اور خدا ہی فیصلہ فرمائے''۔

بنو ثقیف کو دعوت

ابوطالب کی موت کے بعد جب قریش کی اذیتیں حد سے گزر گئیں تو آپ ﷺ نے

{شوال ۱۰ ؍نبوی} میں طائف کا رُخ کیا کہ شاید وہ اس کام میں آپ ﷺ کی مدد کریں اور آپ ﷺ کے تحفظ کا ذمہ لیں، آپ ﷺ نے بنوثقیف کے تین مشہور سرداروں — عَبدِ یَالَیل، مَسعُود بن عَمرو اور حبیب بن عَمرو سے — ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی ؛ مگر ان تینوں ہی کا جواب حوصلہ شکن تھا، پہلے نے کہا: ''اگر واقعی تم کو خدا نے رسول بنایا ہے تو پھر وہ کعبہ کا غلاف نوچوانا چاہتا ہے'' دوسرے نے کہا: ''کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی شخص نہ مل سکا جسے رسول بنایا جاتا؟'' اور تیسرے کا جواب تھا: ''خدا کی قسم! میں تجھ سے کچھ گفتگو نہ کروں گا، اگر تم رسول ہو جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو تم کو جواب دینا نامناسب ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ تم سے گفتگو کی جائے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کیا وہ کیا، اب کم از کم اتنا کرو کہ اہل مکہ پر ان باتوں کا اظہار نہ کرو، حضور ﷺ نے سوچا کہ مکہ والوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے ؛ مگر انھوں نے آپ کی بات نہیں مانی، اَوباشوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کے ساتھ لگا دیا، یہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہتے، آوازیں کستے، اور سیٹیاں بجاتے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو عُتبَہ بن رَبِیعَہ اور شَیبَہ بن رَبِیعَہ کے باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، وہاں سے یہ اوباش واپس آ گئے، آپ ﷺ نے انگور کے سایہ میں قیام فرمایا، عتبہ اور شیبہ آپ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔

جب آپ ﷺ مطمئن ہو گئے تو بڑی پُر درد دُعاء فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا :

الٰہی! اپنے ضعف و بے سروسامانی اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کی فریاد آپ ہی سے کرتا ہوں، آپ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، درماندہ بے کسوں کے پروردگار آپ ہی ہیں، آپ ہی میرے مالک ہیں، آخر آپ مجھے کس کے حوالہ کر رہے ہیں، کیا اس حریف بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی روا رکھتا ہے، یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملہ پر قابو رکھتا ہے؛ لیکن

اگر مجھ پر آپ کا غضب نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ پرواہ نہیں، بس آپ کی عافیت میرے لئے زیادہ وسعت رکھتی ہے، میں اس بات کے مقابلہ میں کہ آپ کا غضب مجھ پر آپڑے یا آپ کا عذاب مجھ پر نازل ہو، آپ ہی کے نورِ جمال کی پناہ مانگتا ہوں، جس سے ساری تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور جس کے ذریعہ دین و دنیا کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں، مجھے تو آپ کی رضا مندی اور خوشنودی مطلوب ہے، آپ کے سوا کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی۔

باغ کے یہ دونوں مالک آپ ﷺ کی کیفیت دیکھ رہے تھے، ان کو ترس آیا، انھوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو بلایا، جس کا نام ''عدّاس'' تھا اور کہا کہ حضور ﷺ کو انگور کے کچھ خوشے پیش کرو، آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا، عداس کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تمہارا تعلق کس شہر سے ہے اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''مذہباً نصرانی ہوں، اور وطن نینوا ہے — آپ ﷺ نے فرمایا مردِ صالح یونس بن متیٰ علیہ السلام کے شہر کے ہو؟ اس نے دریافت کیا: یونس کے بارے میں آپ ﷺ کو کیا علم ہے؟ فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔

عداس یہ سن کر آپ ﷺ کے سر، ہاتھ اور پائے مبارک کو بوسہ دینے لگا، عتبہ اور شیبہ باہم کہنے لگے، اس شخص نے ہمارے غلام کو بگاڑ دیا، عداس آیا تو اس سے کہا: تم پر افسوس ہے، آخر تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چومنے لگے؟ اس نے جواب دیا: ''روئے ارض پر اس سے بہتر کوئی اور شخص نہیں ہے، اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا'' — ان دونوں نے کہا: کہیں وہ تم کو خود تمہارے مذہب سے برگشتہ نہ کردے؛ حالاں کہ تمہارا مذہب اس کے مذہب سے بہتر ہے۔

جنوں کا قبولِ اسلام

طائف سے مکہ لوٹتے ہوئے {۲۷/ شوال ۱۰/ نبوی، مارچ ۶۱۹ء میں} مقام نخلہ پر

شب کے وقت آپ ﷺ نماز پڑھنے لگے، اسی وقت ''نَصِیبَین'' نامی مقام پر رہنے والی جنوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا، جن کی تعداد سات نقل کی جاتی ہے، ان لوگوں نے غور سے قرآن مجید سنا اور اپنے دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دینے میں مصروف ہو گئے، قرآن مجید نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے :

وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔ (احقاف:۲۹)

اور جب ہم نے آپ کی طرف جنوں کے ایک گروہ کو بھیجا جو قرآن سنتے رہے۔

قبائل عرب کو دعوتِ اسلام

اب حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے اور ان پر اپنے آپ کو پیش کرتے کہ وہ آپ ﷺ اور کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے یہاں جگہ دیں، آپ ﷺ کے ساتھ دوستانہ روابط رکھیں اور ان کی حفاظت کریں، رَبِیعَہ بن عَبّاد سے مروی ہے کہ حج کے ایام میں جب آپ ﷺ مختلف قبائل کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہتے، تو آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا کافر چچا ابولہب بھی ہوتا تھا، حضور ﷺ جوں ہی اپنی بات سے فارغ ہوتے یہ کھڑا ہوتا اور کہتا ''اے فلاں قبیلہ والے! یہ شخص تم کو لات وعزیٰ کو چھوڑ دینے اور تمہارے دوست بنی مالک بن اُقَیش (۱) سے محض اپنے من گھڑت دین اور گمراہی کی وجہ سے رشتہ توڑ لینے کی دعوت دے رہا ہے، تم لوگ نہ ان کی بات سنو اور نہ مانو''۔

حج اور دوسرے تجارتی اجتماعات کے علاوہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل سے ان کی جائے قیام پر بھی جا کر ربط پیدا کیا اور ملاقاتیں کیں؛ چنانچہ بنو کندہ کے پاس آئے اور ان کے سردار ''مُلَیح'' سے ملاقات کی، مگر اس نے بھی ایمان لانے اور پناہ دینے سے انکار کر دیا، بنو عامر سے ملاقات کی، یہاں ایک شخص بَحِیرَہ بن فِرَاس تھے، انھوں نے کہا: ''اگر قریش کا یہ نوجوان مجھے

---

(۱) ایام جاہلیت میں عقیدہ تھا کہ مالک بن اقیش جنوں کا ایک قبیلہ ہے، لات وعزیٰ کی عبادت کی وجہ سے وہ ان کی مدد کرتا ہے۔

ہاتھ لگ جائے تو اس کے ذریعہ میں پورے عرب پر غالب آسکتا ہوں ، پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا: اگر میں آپ ﷺ کی مدد کروں اور آپ ﷺ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں تو کیا آپ ﷺ کے بعد اقتدار کے حقدار ہم ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو اللہ کی مرضی ہے، وہ جسے چاہے دیدے، بَحِیرَہ نے کہا، ہم آپ ﷺ کی خاطر عربوں کا نشانہ بنیں اور پھر جب آپ ﷺ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو حکومت اوروں کو ملے؟ ہم کو آپ کے معاملہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے'' —بَنی حَنِیفَہ کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لے گئے، مگر عبداللہ بن کعب سے مروی ہے کہ انھوں نے نہایت ناشائستہ طریقہ پر آپ ﷺ کی دعوت رد کردی اور ماننے سے انکار کردیا۔

اہل مدینہ سے پہلی ملاقات

جب بھی مکہ میں کوئی ممتاز شخص آتا، آپ ﷺ اس سے ملتے ، اسلام کی دعوت دیتے اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی خواہش کرتے، مگر اللہ نے یہ شرف وسعادت انصار مدینہ کے نصیب میں لکھ رکھی تھی؛ چنانچہ نبی ہونے کے گیارہویں سال میں حضور ﷺ کی عقبہ(۱) کے مقام پر بنوخَزرَج سے ملاقات ہوئی ، اس وقت ان کی تعداد صرف چھ تھی ، آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن مجید کی تلاوت کی ، یہ چوں کہ یہود سے پہلے ہی سے ایک رسول کی آمد کی بشارت سن چکے تھے؛ اس لئے فوراً ہی اسلام قبول کرلیا اور عرض کیا: ''ہماری قوم میں باہم اتنا اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی اور قوم میں ایسا اختلاف ہوگا، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعہ ہمارے درمیان اتفاق پیدا کردے، اگر ایسا ہوا تو ہماری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ معزز اور کوئی نہ ہوگا، ہم اپنے وطن جاکر ان پر یہ دین پیش کریں گے''۔

عُقْبَہَ اُولیٰ

چنانچہ ان حضرات کے مدینہ آتے ہی رفتہ رفتہ پورے شہر میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا چرچا ہونے لگا، آئندہ سال موسم حج میں مدینہ کے بارہ حضرات عقبہ میں آپ ﷺ سے ملے

(۱) مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

اوران اُمور پر بیعت لی جن پر عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے؛ اس لئے کہ اس وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا :

ان لا نشرک باللہ شیئاً ولا نسرق ولا نزنی ولا نقتل اولادنا ولا ناتی ببھتان نفتریه من بین ایدینا وارجلنا ولا نعصیه فی معروف فان وفیتم فلکم الجنة وان غشیتم من ذلک شیئاً فامرکم الی اللہ ان شاء عذب وان شاء غفر ۔

ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، نہ چوری کریں گے نہ زنا، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان باندھیں گے، نہ کسی کارِخیر میں نافرمانی کریں گے، آپ نے فرمایا: اگر تم ان کو پورا کروگے تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر اس سے کچھ بھی غفلت کروگے تو تمہارا معاملہ خدا کے حوالہ ہے، چاہے تو عذاب دے، چاہے معاف کردے۔

ان بیعت کرنے والوں میں اَسعَدْ بن زُرَارَہْ رضی اللہ عنہ، رَافِع بن مالک رضی اللہ عنہ، عُبَادَہْ بن صَامِت رضی اللہ عنہ اور ابوالہَیثَم بن تَیِّہَان رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

آپ ﷺ نے قرآن مجید اور اسلامی تعلیم، نیز نماز کی امامت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ کے ساتھ کردیا، اسی لئے ان کو ''مُقرِیِ مدینہ'' کہا جاتا تھا، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا اس وقت بھیجا جانا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اوس اور خزرج دونوں قبائل کے شدید باہمی اختلاف کی بنا پر دونوں کو ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی گوارا نہ تھا۔

عُقبہ ثانیہ

دوسرے سال حج کے موقع پر انصارِ مدینہ حج کے ارادہ سے مکہ کو نکلے، ان کے ساتھ مشرکین بھی تھے؛ مگر ان حضرات نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا، پھر اسی عقبہ کے مقام پر رات کو

آپ ﷺ کی اور انصار کی ملاقات طے تھی، چنانچہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس شب ہم لوگ اپنی اپنی جگہ سو رہے، جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر چکا تو انتہائی خفیہ طریقہ سے مقام متعین پر پہنچ گئے، اس وقت ان کی تعداد ۷۳ تھی، جن میں دو خواتین نُسَیبَہ بنت کعب ؓ اور اَسْماء بنت عمر بن عدی ؓ بھی تھیں۔

پہلے لوگ جمع ہو گئے، پھر حضور ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو گو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر آپ ﷺ کے ہمدرد و بہی خواہ تھے، گفتگو کا آغاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا، انھوں نے کہا :

> اے خانوادۂ خزرج! محمد کو جو درجہ ہمارے یہاں حاصل ہے، وہ تم کو معلوم ہے، ہم نے ان کی خوبیوں کی بناء پر قوم سے ان کی حفاظت کی، وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں، اب ان کو اصرار ہے کہ وہ تمہارے ساتھ جا ملیں ؛ لہٰذا اگر تم ان کے ساتھ وفاداری کرنے کو تیار ہو اور ان کی ان کے مخالفین سے حفاظت کرو گے تو ٹھیک ہے، اور اگر یہاں سے نکلنے کے بعد تم ان کو ان کے مخالفین کے حوالے کر دو گے اور رسوا کرو گے تو ابھی ہی چھوڑ دو کہ ان کو اپنی قوم میں ایک معزز مقام اور دشمنوں سے تحفظ حاصل ہے۔

انصار نے کہا: ’’آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سنا، اب یا رسول اللہ! آپ کہئے‘‘۔

حضور ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام لانے کی ترغیب دی، پھر فرمایا: ہم تم سے اس بات کی بیعت لینا چاہتے ہیں کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح ہماری حفاظت کرو گے۔

براء بن معرور ؓ نے ہاتھ تھاما اور عرض کیا: ’’اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو نبی بنایا ہے، ہم آپ کی اپنے بچوں کی طرح حفاظت کریں گے اور دفاع کریں گے، ہمیں بیعت کر لیجئے، خدا کی قسم! ہم جنگجو اور مسلح ہیں اور یہ چیز ہم کو وراثت میں ملی ہے‘‘۔

وہ بول ہی رہے تھے کہ درمیان میں ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بول اٹھے ''اے رسولِ خدا! ہمارے اور یہود کے درمیان جو تعلقات ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے، اب ہمارے یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس آجائیں اور ہمیں چھوڑ دیں'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''ایسا نہیں ہوسکتا، تمہارا خون ہمارا خون ہے، تم ہم سے اور ہم تم سے ہیں، جو تم سے لڑے گا، میں اس سے لڑوں گا اور جو تم سے صلح کرے گا، اس سے میں صلح کروں گا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ نُقَبَاء طلب کئے جو قوم کے رہنما ہوں، ان ۱۲ میں ۹ خزرج کے اور ۳ اوس کے تھے، بنو خزرج میں اَسْعَدْ بن زُرَارَہْ، سَعْد بن رَبِیْع، عبداللہ بن رَوَاحہ، رافع بن مالک، بَرَاء بن مَعرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام، عُبادہ بن صامت، سَعْد بن عُبَادَہ، مُنْذِرْ بن عَمرو بن خُنَیْس اور ۳ اوس میں اُسَیْد بن حُضَیْر، سَعْدِ بن خَیْثَمہ اور رُفَاعہ بن مُنْذِر یا ابوالہیثم بن تَیِّہان رضی اللہ عنہم۔

اور جیسا کہ کہ اوپر ذکر کیا گیا سب سے پہلے بیعت کا شرف براء بن معرور رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی بھی بیعت لی تھی :

عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ فِيْ عُسْرِنَا وَ يُسْرِنَا وَ مُنْشَطِنَا وَمُكْرَهِنَا و أَثْرَةٍ عَلَيْنَا وَ أَنْ لاَّ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهٗ وَ أَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۔

ہم دشواری اور آسانی، خوشحالی اور ناخوشگوار حالات، ہر حال میں سمع وطاعت کا عہد کرتے ہیں اور اس بات کا کہ اہل انتظام سے انتظامی مسائل میں متصادم نہ ہوں گے، جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

چوں کہ اس بیعت میں سیاسی تحفظ اور دفاع کا عہد بھی شامل تھا؛ اس لئے اس کو ''بیعت عُقْبَہ ثانیہ'' کے علاوہ ''بیعت حَرْب'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

اہل مکہ کا ردِعمل

انصار مدینہ حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنی اپنی جگہ آکر سو گئے، صبح میں قریش کے کچھ اہم لوگ آئے اور کہنے لگے: ''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم محمد ﷺ کو ہمارے یہاں سے لے جانا چاہتے ہو اور یہ کہ تم نے ان سے ہمارے خلاف جنگ پر بیعت کی ہے، تو خدا کی قسم عرب کے کسی قبیلہ سے جنگجوئی ہمارے لئے اس قدر ناگوار خاطر نہیں ہے، جتنی تم سے'' —— اہل مدینہ میں جو مشرکین تھے وہ اُٹھے اور قسم کھا کھا کر ان کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

مگر لوگوں میں یہ مسئلہ مستقل موضوع بحث بنا رہا؛ یہاں تک کہ اہل مکہ کو اس کی اطلاع ہو ہی گئی اور انھوں نے مسلمانوں کی تلاش شروع کردی، مکہ کے قریب ایک جگہ ''اَذَاخِر'' ہے، وہاں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، یہ دونوں بھی بیعت ہونے والوں میں تھے اور آپ ﷺ کی طرف سے نقیب بھی مقرر ہوئے تھے، منذر رضی اللہ عنہ تو گرفت میں نہ آسکے، مگر سعد رضی اللہ عنہ پکڑ لئے گئے، کفار مکہ نے ان کے ہاتھ ان کی گردن سے لگا کر باندھ دیئے اور مارتے پیٹتے سر کے بال وغیرہ نوچتے کھینچتے ہوئے مکہ لائے؛ یہاں تک کہ جُبَیر بن مُطْعِم اور حارث بن حرب نے جو ان کے حلیف اور دوست تھے ان کو بچایا۔(۱)

☆ ☆ ☆

---

(۱) اصل میں ایام جاہلیت میں عربوں میں ''جوار'' و ''حلیف'' کا مستقل نظام قائم تھا، جو اس زمانہ کی تہذیب نا آشنا معاشرت کے لئے بڑی نعمت تھی، اس کا اُصول یہ تھا کہ ایک شخص کا جن شہروں سے ربط ہوتا، وہاں کے کسی مقامی باشندہ کی پناہ حاصل کر لیتے اور دونوں فریق اپنے اپنے شہروں میں ایک دوسرے کے لئے محافظ بنتے، جبیر اور حارث کو تجارتی مقاصد کے لئے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا اور وہاں انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پناہ حاصل کر رکھی تھی، اس لحاظ سے سعد رضی اللہ عنہ کو بچانا ان کی ذمہ داری تھی۔

مدنی زندگی

ہجرت

اب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ٹولیوں کی صورت میں مدینہ جانے لگے، سب سے پہلے ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ گئے، یہ بیعت عقبہ ثانیہ سے بھی ایک سال پہلے ہی مدینہ چلے گئے تھے، بیعت کے بعد سب سے پہلے حضرت عامر بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے ساتھ، پھر عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے پورے خانوادہ کے ساتھ تشریف لے گئے، اس کے بعد حضرت عمر اور عیّاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہم گئے، پھر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی۔

ہجرتِ نبوی ﷺ

یہاں تک کہ مکہ میں آپ ﷺ کے علاوہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے، یا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کو جبراً روک لیا گیا اور ان کے لئے مدینہ جانا ممکن نہ رہا، آپ ﷺ حکم خداوندی کے انتظار میں رُکے ہوئے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اشارۃً کہہ دیا تھا کہ ممکن ہے خود آپ ﷺ کی رفاقتِ سفر نصیب ہو جائے؛ اس لئے وہ بھی رُکے ہوئے تھے۔

قریش نے سوچا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ جا چکے ہیں اور یہاں سے جانے والے نیز مقامی مسلمانوں نے مل کر ایک بستی بسالی ہے، اب اگر محمد ﷺ چلے گئے تو قوی اندیشہ ہے کہ یہ سب متفق ہو کر ہم سے جنگ کریں؛ اس لئے کوئی تدبیر کرنی چاہئے؛ چنانچہ مشاورت کا اعلان کیا گیا اور قُصَی بن کلاب کے مکان میں —— جس کو مشورہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا —— لوگ جمع ہوئے، اس موقع پر ایک غیر معروف شخص نجدی شیخ بھی شریک ہو گیا اور اس کو بھی ''دار الندوہ'' میں آنے کی اجازت دے دی گئی، یہ دراصل شیطان تھا، جو اس صورت میں آیا تھا۔

مشورہ شروع ہوا، ایک شخص نے رائے دی کہ آپ ﷺ کو زنجیروں میں باندھ کر قید کر دیا جائے؛ یہاں تک کہ موت آ جائے، مگر اس نو وارد شخص نے اس سے اختلاف کیا کہ ان کے جاں نثار صحابہ تم پر غالب آ جائیں گے اور محمد کو نکال لے جائیں گے، ابوالاسود ربیعہ بن عامر نامی ایک شخص نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو شہر بدر کر دیا جائے، اب وہ جہاں جائیں اور جو کچھ کریں، ان سے ہمیں کوئی تعلق نہ ہوگا، مگر نو وارد نے اس کو بھی رد کر دیا کہ وہ اپنی شیریں گفتاری اور خوش کلامی سے لوگوں کے دل موہ لے گا اور دوسرے قبائل عرب کو ساتھ لے کر تمہیں روند ڈالے گا۔

ابوجہل نے کہا: میرا ایک مشورہ ہے، ہر قبیلہ سے ایک شریف اور حوصلہ مند نوجوان کا انتخاب کیا جائے اور ان کو ایک ایک تلوار دے دی جائے، یہ سب یکبارگی آپ ﷺ پر حملہ آور ہوں اور آپ ﷺ کو قتل کر ڈالیں، اس طرح آپ ﷺ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا، اب بنوعبد مناف کن کن سے بدلہ لے سکیں گے؟ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ خوں بہا پر قناعت کر لیں گے اور ہم لوگ خون بہا ادا کر دیں گے، شیخ نجدی نے کہا: ''واقعی یہ صحیح رائے ہے'' —— اسی پر سبھوں کا اتفاق ہو گیا اور لوگ منتشر ہو گئے۔

ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کو آج شب اپنے بستر پر سونا نہیں ہے، رات کا کچھ حصہ گزرا ہوگا کہ منصوبہ کے مطابق آپ ﷺ کے دروازہ پر لوگ کھڑے ہو گئے کہ جوں ہی آپ ﷺ کو آنکھ لگے گی، یہ حملہ آور ہو جائیں گے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آج تم میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز یمنی چادر اوڑھ لو، تمہارے ساتھ وہ کوئی ناپسندیدہ حرکت نہ کر سکیں گے، دراصل یہی رداء مبارک تھی، جس میں آپ ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر آئے، ہاتھ میں ایک مشت خاک لی اور ان پر بکھیر دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت چھین لی، حضور ﷺ اس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت فرما رہے تھے، آپ ﷺ پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے، اتنے میں ایک

غیر متعارف آدمی آیا اور دریافت کیا کہ تم لوگوں کو کس چیز کا انتظار ہے؟ ـــــ لوگوں نے کہا محمد کا، اس نے کہا محمد تو چلے گئے اور انھوں نے تمہارے سروں پر خاک پھینک دی، برا ہو تمہارا، اب جو لوگوں نے سر پر ہاتھ رکھا تو واقعی سر پر مٹی تھی۔

جھانک کر اندر دیکھا تو ایک شخص چادر اوڑھے نظر آئے، آپس میں کہنے لگے محمد تو چادر لپیٹ کر سوئے ہوئے ہیں، اسی انتظار میں صبح کی؛ یہاں تک کہ جب صبح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اُٹھے، تو معاملہ صاف ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جا چکے ہیں اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے اس سفر کی تیاری میں دو اونٹنیاں خرید کر رکھی تھیں، مدینہ کے راستہ کی رہبری کے لئے عبداللہ ابن اُرَیْقط (۱) سے بات طے تھی، جو مشرک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیں کہ وہ ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹے دروازہ سے نکل کر ''غار ثور'' پہنچے اور وہاں پناہ لی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو متعین کر دیا تھا کہ دن میں وہ اہل مکہ کی باتیں سنیں اور رات میں آ کر اس کی اطلاع دیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ دن میں بکریاں چراتے اور رات میں غار پر لا کر دودھ دوہتے اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا شب میں پکا ہوا کھانا لانے پر مامور تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین دنوں تک غار میں قیام پذیر رہے، عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہر روز شب میں آ کر مکہ والوں کے باہمی مشورے سناتے، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں لاتے جن کا دودھ دوہا جاتا اور ذبح کر کے کھایا جاتا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا توشہ لاتیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ صبح بکریاں اس طرح واپس لے جاتے کہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے نشاناتِ قدم مٹ جائیں، ایک دن توشہ باندھنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا دوپٹہ چاک کر کے اس سے باندھا، اسی لئے ان کو ''ذاتُ النِّطَاقَین'' کہا جاتا ہے، ادھر اعلان کر دیا گیا تھا کہ: ''جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لائے، اسے سو اونٹ دیئے جائیں گے'' ـــــ

(۱) بعض لوگوں نے ان کا نام عبداللہ بن اُرَیقط بتایا ہے۔

یہ ان کے لئے غیر معمولی انعام تھا، اس لئے وہ پوری سرگرمی سے آپ ﷺ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔

تین دن غار ثور میں قیام کرنے کے بعد جب مکہ کے حالات ایک گونہ پُرسکون ہوئے، تو پہلے سے طے شدہ معاہدہ کے مطابق رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لئے عبداللہ بن ارقط اپنے اونٹ کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ لے کر آ گیا، ایک اونٹ پر وہ خود بیٹھا، ایک پر آپ ﷺ اور ایک پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے خادم عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ —— مکہ والوں کو جب آپ ﷺ کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو کچھ لوگ جن میں ابوجہل بھی تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور اسماءؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ انھوں نے ناواقفیت کا اظہار کیا تو ابوجہل نے اس زور سے ان کے رخسار پر طمانچہ رسید کیا کہ کان کی بالیاں گر پڑیں۔

سُراقہؓ بن مالک کا تعاقب

اس درمیان ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک شخص نے سراقہ بن مالک کو اطلاع دی کہ میں نے تین سواروں کو چلتے ہوئے دیکھا ہے، غالباً وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں، سراقہ بڑے ماہر شہسوار تھے، انھوں نے سوچا: سو اونٹ کا قیمتی انعام حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع ہے؛ مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ سن کر اس میں مسابقت کر جائیں؛ اس لئے اطلاع دینے والے کو آنکھوں کا اشارہ دیا اور ٹالنے کے لئے کہا: ''فلاں لوگ ہوں گے اور اپنا گمشدہ جانور تلاش کر رہے ہوں گے''۔

اس کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر گھر گئے، آبادی سے الگ وادی میں گھوڑا منگایا، ہتھیار لیا، وہ پیالہ لیا جس سے فال نکالتے تھے اور اپنی زرہ زیب تن کی، فال نکالا تو اشارہ ناکامی کا تھا، (۱) مگر سو اونٹ کی لالچ میں پھر بھی روانہ ہو گئے، آگے چل کر عین اس وقت جب گھوڑا پوری سرعت کے ساتھ دوڑ رہا تھا، نیچے آ گرے، پھر فال نکالا، اب بھی ناکامی کا اشارہ تھا، مگر سو اونٹ کا

(۱) اس فال میں ''لا نصرۃ'' لکھا ہوا تھا، یعنی اس مہم میں خدا کی مدد سے محروم رہیں گے۔

انعام ایسا نہ تھا، جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے؛ چنانچہ پھر چلے، مگر پھر گھوڑے نے ایسی چھلانگ لگائی کہ نیچے آرہا، تیسری بار جب آپ ﷺ کا قافلہ نظر آنے لگا، گھوڑے کے اگلے دونوں ہاتھ زمین میں دھنس گئے اور جب اس نے اپنے ہاتھ نکالے تو اس کے ساتھ دھواں بھی اُٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

سراقہ نے سمجھ لیا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، چنانچہ آپ ﷺ کو آواز دی کہ میں بات کرنا چاہتا ہوں، میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات پیش نہ آئے گی، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: پوچھو، کیا مقصد ہے؟ سراقہ نے کہا: ''کہ آپ ﷺ ایک تحریر لکھ دیں، جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان علامت ہو'' آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''پروانۂ امان'' لکھنے کا حکم دیا اور انھوں نے پتھر یا چمڑے کے ٹکڑے یا ہڈی پر لکھ کر دے دیا، سراقہ نے اس واقعہ کے بعد خاموشی اختیار کی اور کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا ـــــ یہاں تک کہ فتح مکہ اور حنین وطائف کی مہمات سے فراغت کے بعد ''جِعِرَّانہ''(۱) کے مقام پر آپ ﷺ سے ملاقات کرکے یہ تحریر پیش کی اور اسلام قبول کرلیا۔

قبا میں تشریف آوری

آپ ﷺ کی ہجرت کی اطلاع سن کر مدینہ کے لوگ شدت سے آپ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، وہ صبح فجر کی نماز کے بعد نکلتے اور دوپہر تک منتظر رہتے؛ یہاں تک کہ جب دھوپ شدید ہوجاتی اور کوئی سایہ دار جگہ باقی نہیں رہتی تو پھر اپنے گھروں کو واپس ہوجاتے، ایک دن اسی طرح انتظار کے بعد وہ گھر واپس ہوگئے کہ آپ ﷺ تشریف لائے، ایک یہودی کی نظر پڑی جو مدینہ والوں کے مسلسل انتظار سے واقف تھا، اس نے چیخ کر مدینہ والوں کو آواز دی کہ ''لو، وہ آگئے، جن کے تم منتظر تھے''۔

عبدالرحمٰن بن عُوَیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس گئے، آپ ﷺ ایک کھجور کے سایہ میں تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے ہم عمر ہی تھے، ساتھ تھے؛ چوں کہ

(۱) مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، جہاں پانی کا چشمہ تھا۔

پہلے سے دیکھا نہ تھا؛ اس لئے ہم لوگوں کو پتہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ اس درمیان کھجور کا سایہ جسم اقدس سے ہٹ گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی چادر تان کر کھڑے ہو گئے؛ تاکہ آپ ﷺ کو دھوپ نہ لگے، اب ہم لوگ سمجھ سکے کہ یہی رسولِ خدا ہیں۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ قبا میں کلثوم بن ہِدَم رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام پذیر ہوئے، آپ ﷺ کی نشست سَعْد بن خَیْثَمَہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوا کرتی جو غیر شادی شدہ تھے، دوسرے غیر شادی شدہ مہاجرین بھی یہیں آ کر رہتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قیام خُبَیْبُ بن اِسَافُ یا خارجہ بن زید کے مکان میں تھا، آپ ﷺ کی روانگی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن مکہ میں ٹھہرے رہے اور امانتیں ان کے مالکوں کے حوالہ کیں، اس کے بعد روانہ ہوئے اور قبا میں آپ ﷺ سے آ ملے — قبا میں پیر سے جمعرات تک چار دنوں تک آپ ﷺ کا قیام رہا۔

مدینہ میں آمد

جمعہ کو قبا سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، محلہ بنو سالم بن عوف میں آئے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا، یہیں وادی رَانُونَاء میں نماز ادا کی، یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو ادا کی گئی، یہاں سے آپ ﷺ آگے بڑھے اور مدینہ کے مختلف قبائل نے آ کر آپ ﷺ سے خواہش کی کہ آپ ﷺ ان کے یہاں قیام فرمائیں، ان پیشکش کرنے والوں میں بنو سالم کی طرف سے عِتْبان بن مالک رضی اللہ عنہ اور عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ، بنو بَیَاضَہْ سے زِیاد بن لَبید رضی اللہ عنہ اور فَرْوَہ بن عَمْرو رضی اللہ عنہ، بنو ساعدہ سے سَعْد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ اور مُنْذِرُ بن عَمْرو رضی اللہ عنہ، بنی حارث سے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رَواحہ رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے نانیہالی خاندان سے سَلِیط بن قیس رضی اللہ عنہ اور ابوسلیط رضی اللہ عنہ ہیں — آپ ﷺ ان سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو، وہ حکم خداوندی کے مطابق بیٹھے گی۔

یہاں تک کہ اونٹنی ایک کھلیان میں آ کر بیٹھ گئی، جو قبیلۂ بنو نجار کے دو یتیم بچوں سَہَل رضی اللہ عنہ اور سُہَیْل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تھا، آپ ﷺ کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر اُتارا اور اِس زمین میں مسجد اور مکانات کی تعمیر تک آپ ﷺ نے یہیں قیام فرمایا، آپ ﷺ جب تک یہاں

رہے حضرت ابو یوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ آپ ﷺ کے ساتھ بڑے اکرام کے ساتھ پیش آتی رہیں، آپ ﷺ نیچے تھے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اوپر کی منزل میں، ان کو یہ بات گراں گذرتی تھی کہ وہ اُوپر رہیں اور حضور ﷺ نیچے؛ اس لئے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اوپر تشریف لے آئیں اور ہم لوگ نیچے آجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے نیچے ہی رہنے دو؛ اس لئے کہ ہم کو اس میں زیادہ سہولت ہے''۔

ایک دن پانی کا ایک بڑا گھڑا ٹوٹ گیا، اندیشہ تھا کہ پانی کہیں نیچے نہ ٹپکے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چادر تھی، دونوں میاں بیوی ملک کر اس میں پانی جذب کرنے لگے کہ مبادا پانی نیچے ٹپک جائے اور حضور ﷺ کو اذیت پہنچے۔

اسی درمیان سہل رضی اللہ عنہ اور سہیل رضی اللہ عنہ کی زمین میں مسجد نبوی اور اس سے متصل حجرے تعمیر ہوئے، تعمیر کا کام انصار و مہاجرین کر رہے تھے، کبھی کبھی آپ ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک کار ہوجاتے، مسلمان تعمیر کا کام کرتے جاتے اور پڑھتے جاتے :

لا عيش الاّ عيش الآخرة اللّٰهم ارحم الانصار والمهاجرة

حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسجد اور مکانوں کی تعمیر کے بعد حضور اکرم ﷺ اپنے مکان منتقل ہوگئے۔

آپ ﷺ ۱۲ / ربیع الاول کو پیر کے دن مدینہ کی حدود میں داخل ہوگئے تھے، اس وقت عمر مبارک ۵۳ سال تھی اور نبوت کا تیرھواں سال تھا، ربیع الاول سے دوسرے سال محرم تک آپ ﷺ مستقل مدینہ ہی میں رہے۔

انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخاۃ (باہمی بھائی چارگی) قائم کردی، چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ باہم بھائی قرار پائے، ان کے علاوہ خارجہ بن زُہیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عِتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ

اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، اور سعد بن رَبیع رضی اللہ عنہ، زُبیر بن عَوَّام رضی اللہ عنہ اور سَلاَمہ بن سَلامَہ رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابوایوب رضی اللہ عنہ، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ، حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ اور عُوَیم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابورُوَیحَہ خثعمی کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا گیا۔

اذان کا آغاز

پھر جب حضور ﷺ کو اس طرف سے اطمینان ہوا اور مسلمانوں کو مدینہ میں استحکام حاصل ہوگیا تو نمازیں باجماعت ہونے لگیں، زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے، (۱) اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں، حلال وحرام کے احکام فرض ہوئے اور اسلام کو ایک مضبوط پناہ گاہ حاصل ہوگئی۔

اس وقت کسی دعوت اور پکار کے بغیر ہی صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہوجاتے تھے اور نمازیں ادا کی جاتی تھیں، پہلے آپ ﷺ نے سوچا کہ نماز کے لئے جمع کرنے میں یہودیوں کا طریقہ قبول کرلینا چاہئے؛ لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ صورت پسند نہ آئی اور آپ ﷺ نے عیسائیوں کی طرح ناقوس بجانے کا حکم دیا، جو نماز کا اعلان ہو۔

اسی درمیان کہ یہ مسئلہ زیرِ غور تھا، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا، جس پر دو سبز کپڑے ہیں، اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے، میں نے کہا: کیا تم یہ ناقوس فروخت کروگے؟ —— اس نے پوچھا: کیا کروگے؟ —— میں نے کہا: لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤں گا، اس نے کہا: کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ —— میں نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے ''اللہ اکبر سے لا الہ الا اللہ'' تک اذان کے کلمات کہے۔

(۱) شعبان ۲ر ہجری، مطابق مارچ ۶۲۴ء میں روزہ فرض ہوا، ۲۸ر رمضان ۲ر ہجری، مطابق مارچ ۶۲۴ء میں صدقۃ الفطر کے وجوب اور نماز عید کا حکم ہوا، شوال ۲ر ہجری مطابق ۱۰راپریل ۶۲۴ء میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا: خواب سچا ہے، تم کلماتِ اذان کہتے جاؤ اور بلال رضی اللہ عنہ — جن کی آواز زیادہ بلند ہے — اذان دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز سنی تو وہ اس قدر تیز تیز آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے کہ چادر زمین پر کھینچی آرہی تھی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے — آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے: ''فللّٰه الحمد علی ذالک''۔(۱)

غریب الوطنی کا احساس

مدینہ، آب و ہوا کے لحاظ سے ناموافق جگہ تھی اور یہاں وبائی امراض کے حملے بھی ہوتے رہتے تھے، اصحابِ رسول ﷺ بھی یہاں تشریف لانے کے بعد ان حالات سے دوچار ہوئے؛ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے سابق غلام حضرت بلال اور عامر بن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ ایک ہی گھر میں بیمار پڑے ہوئے تھے اور سخت تکلیف میں تھے، اس وقت تک پردہ کے احکام نہیں آئے تھے، میں کمرہ میں داخل ہوئی، پہلے والد ماجد سے مزاج پرسی کی، پھر عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کیفیت پوچھی، ہر ایک پر بدحواسی کی کیفیت تھی اور اسی حالت میں وہ مختلف اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے صورتِ حال نقل کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ بخار کی شدتِ بدحواسی کی وجہ سے اس قسم کی باتیں کررہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے بڑی رقت آمیز دُعاء فرمائی کہ :

> بارِ الٰہا! ہمارے اندر مکہ کی مانند؛ بلکہ اس سے بڑھ کر مدینہ کی محبت پیدا کردے، ہمارے لئے اس کے مُد اور صاع (۲) کو بابرکت بنادے اور یہاں کی وباء ذوالحلیفہ (میقاتِ شام) کو منتقل کردے۔

---

(۱) اذان کی ابتداء ربیع الثانی ۱ھ ہجری، ۱۰ر اکتوبر ۶۲۲ء کو ہوئی۔

(۲) مُد اور صاع عہدِ رسالت کے پیمانے تھے، مراد یہ ہے کہ یہاں کی تمام چیزوں میں جو ان پیمانوں سے ناپی جاتی ہیں، برکت عطا فرما۔

غزوات کی ابتداء

اس کے بعد جہاد کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے سفر شروع ہوئے؛ چنانچہ :

غزوۂ اَبْوَاء

صفر ۲ھ میں قریش اور بنوضَمُرَہ سے جہاد کی نیت سے ''ودَّان'' تشریف لے گئے، مگر بنوضَمُرَہ نے مصالحت کر لی اور کسی لڑائی کے بغیر حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے، اس غزوہ کو ''غزوۂ اَبْوَاء'' کہا جاتا ہے۔

سَرِیہ(۱) عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

اسی درمیان آپ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ۶۰ یا ۸۰ سواروں کے ساتھ —— جو سب کے سب مہاجر تھے —— بھیجا جو ثَنِیَّۃُ الْمُرَّۃِ نامی جگہ کے نشیبی علاقہ تک گیا، وہاں قریش کی ایک بڑی جماعت سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی؛ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، اسی موقع پر حضرت سعد بن ابی وَقَّاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر پھینکا، جو اسلام میں پہلا پھینکا جانے والا تیر تھا۔

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ

اسی زمانہ {یعنی رمضان ۱ھ، مارچ ۶۲۳ء} میں آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ۳۰ سواروں کا ایک دستہ —— جو سبھی مہاجرین تھے، سمندر کے ساحلی علاقہ میں بھیجا، ان لوگوں کو ابوجہل کا سامنا ہوا، جو اہل مکہ کے تین سو سواروں کے ساتھ موجود تھا، قریب تھا کہ جنگ ہو جائے، مگر مَجْدِیُ بن عَمْرو جُہَنِی —— جس کے ہر دو فریق سے دوستانہ روابط تھے، کے بیچ بچاؤ کرنے کی وجہ سے اس کی نوبت نہیں آئی۔

غزوۂ بُوَاطَ

ربیع الاول میں قریش کے ارادہ سے خود آپ ﷺ نے بھی سفر کیا، مدینہ پر حضرت

(۱) جس جہاد میں حضور ﷺ نے خود بھی شرکت فرمائی، اسے ''غزوہ'' کہا جاتا ہے اور جس میں آپ ﷺ خود شریک نہیں ہوئے اس کو ''سریہ'' کہتے ہیں۔

سائب بن عثمان بن مَظْعُون رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنادیا اور ''بواط'' نامی مقام تک تشریف لائے جو دراصل ''یَنْبُعْ'' کے قریب ایک پہاڑ ہے، اس دفعہ بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپ واپس آگئے، ربیع الآخر اور جمادی الاولی کے کچھ دنوں مدینہ ہی میں قیام رہا۔

غــزوۂ عشیرہ

اس کے بعد جمادی الاولیٰ ۲ھ میں پھر قریش ہی سے مقابلہ کی غرض سے نکلے اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشیں بنا کر 'عَشیرہ' (ایک جگہ کا نام ہے) میں آکر پڑاؤ ڈالا، جمادی الاولیٰ اور جمادی الثانی کے کچھ دن یہیں مقیم رہے اور بنو مُدلج اور ان کے حلیف بنوضَمرَہ سے باہمی امن اور دوستی کا معاہدہ کیا اور کسی جنگی کاروائی کے بغیر مدینہ واپس آگئے۔

ســریہ سعــد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اسی زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آٹھ مہاجرین کا ایک دستہ روانہ کیا، جو سرزمین حجاز میں ''خَرَّار'' تک گیا اور کسی جنگی کاروائی کے بغیر لوٹ آیا۔

غــزوۂ سَفْوَان

'عشیرہ' سے واپسی کو دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ کُرز بن جابر فِہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور نقصان پہنچا کر واپس ہوا، رسول اللہ ﷺ مدینہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر اس کے تعاقب میں نکلے، یہاں تک کہ بدر کے قریب وادی سَفْوَان تک آئے؛ مگر کُرز بن جابر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور پکڑا نہ جاسکا، اس کے بعد آپ ﷺ واپس ہو گئے، اس واقعہ کو ''غزوۂ بدرِ اولیٰ'' بھی کہا جاتا ہے، جمادی الاخریٰ، رجب اور شعبان میں آپ ﷺ کا قیام مدینہ ہی میں رہا۔

ســریہ عبــداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے رجب میں عبداللہ بن جَحش رضی اللہ عنہ کو ۸ مہاجرین کے ایک دستہ کے

ساتھ بھیجا، ان کو ایک تحریر بھی دے دی اور کہا کہ ''دو دنوں کے سفر کے بعد تم لوگ اس تحریر کو دیکھو، اس میں جو حکم ہے اس کی تعمیل کرو اور اپنے کسی ساتھی کو مجبور نہ کرو، جو برضا و رغبت تیار ہوں انھیں لے جاؤ''— عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، دو دنوں کے بعد خط کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ تم لوگ مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ میں پڑاؤ ڈالو، قریش کے حالات معلوم کرو اور ہم کو اس کی اطلاع دو— انھوں نے کہا میں خود تو اس کی تعمیل کروں گا، (سمعاً وطاعةً) اور دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ تم کو اختیار ہے، اگر اللہ کے راستہ میں شہادت کو پسند کرتے ہو تو ساتھ چلو اور یہ پسند نہ ہو تو لوٹ جاؤ— چنانچہ وہ اور ان کے تمام ساتھی مہم پر روانہ ہو گئے، قافلہ یہاں سے روانہ ہوا، نجران کے مقام پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عُتبہ بن غَزْوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھٹک گیا، یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، بقیہ قافلہ نے سفر جاری رکھا اور مقام نَخْلہ پر پہنچ گئے، یہاں سے مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا گزر ہوا، جو کشمش، چمڑے کے سامان اور قریش کے دوسرے تجارتی سامان لئے ہوئے تھا، اس قافلہ میں عَمْرو بن حَضْرَمی، عثمان بن عبداللہ بن مُغیرہ، ان کے بھائی نَوفِل بن عبداللہ اور حَکَم بن کَیْسَان تھے۔

ان لوگوں نے مسلمانوں کے قافلہ کو دیکھا تو گھبرا گئے اور وہاں سے قریب ہی قیام کیا، مسلمانوں کے قافلہ میں عُکَّاشَہ بن مِحْصَن رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی جو بال منڈائے ہوئے تھے، یہ دیکھ کر وہ مطمئن ہو گئے اور سمجھے کہ یہ لوگ عمرہ کر کے آئے ہیں، رجب کا آخری دن تھا، مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ خدا کی قسم! اگر تم لوگوں نے اس شب ان لوگوں کو چھوڑ دیا تو اب یہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے اور قتل کر دو تو ''حرام'' مہینے میں قتل کرو گے، مسلمان اسی کشمکش میں تھے، بالآخر انھوں نے طے کر لیا کہ جنگی اقدام کیا جائے، حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنایا اور قتل کر ڈالا، عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قید کیا، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ قافلہ کے سامان اور قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔

جب یہ حضرات حضور ﷺ کے پاس مدینہ واپس ہوئے تو آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا

اظہار کرتے ہوئے فرمایا: میں نے تم کو حرام مہینے میں تو جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اسباب قافلہ اور قیدیوں کو لینے سے انکار کر دیا، حضور ﷺ کا یہ ردعمل دیکھ کر ان کے قدموں سے زمین نکل گئی، قریش کہنے لگے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے حرام مہینہ کی بھی ہتک کی اور اس میں خون ریزی کی، قرآن نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔ (البقرہ:۲۱۷)

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں لڑنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو، اس میں جنگ کرنا بڑی برائی ہے؛ مگر انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا، نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے، نیز یہ لوگ تم سے برابر لڑتے رہیں گے؛ حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔

اب رسول اللہ ﷺ نے سامان اور قیدی لے لئے، قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھیجا، آپ ﷺ نے کہا: جب تک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ واپس نہ آجائیں ہم ان کو واپس نہیں کر سکتے، اگر تم لوگوں نے ان کو قتل کیا تو ہم بھی ان کو قتل کر دیں گے، بالآخر جب یہ دونوں حضرات آگئے تو آپ ﷺ نے ان کو رہا کر دیا، ان میں حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور بیئر معونہ کے روز شہید ہوئے اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور کفر کی حالت میں مر گیا۔

تحویل قبلہ

اب تک نمازوں میں قبلہ بیت المقدس تھا اور اسی رُخ پر نمازیں ادا کی جاتی تھیں، آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے ۱۸ ماہ بعد {۱۵/شعبان ۲ ھ، مطابق: ۱۹/فروری ۶۲۴ء کو} قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا اور اس طرح اب کعبۂ مکرمہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

☆ ☆ ☆

غــزوۂ بدر

آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان شام سے ایک بڑے تجارتی قافلہ کے ساتھ آرہا ہے، جو تیس یا چالیس آدمیوں پر مشتمل ہے، ان میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بھی ہیں ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا؛ چوں کہ پہلے سے اس کا اندازہ نہ تھا کہ جنگ کی نوبت آئے گی، اس لئے بعض لوگ اور وہ بھی بے سروسامانی کی حالت میں ساتھ ہو لئے۔

ادھر ابوسفیان جوں جوں حجاز سے قریب آتا جا رہا تھا، مسلسل حالات کی جستجو میں تھا اور ہر آنے والے سے راستہ کی تفصیلات دریافت کرتا جاتا تھا، بعض لوگوں نے بتایا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تمہارے اور تمہارے قافلہ کے درپے ہیں، یہ سن کر وہ پہلے ہی گھبرا گیا اور ضَمضَم بن عمرو غِفاری کو مزدوری دے کر مکہ بھیجا کہ مکہ والوں کو محمد (ﷺ) کے اقدام کی اطلاع دے اور اپنے سامان تجارت کی حفاظت کے لئے نکلنے کو کہے، ضمضم تیزی سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔

عرب میں فریاد رسی کا جو قدیم رواج تھا، اس کے مطابق اونٹ کی ناک تراش دی، سواری کا رُخ بدل لیا، یعنی دم کی طرف منہ کر کے بیٹھا، اپنے کپڑے چاک کر لئے اور اونٹ پر کھڑا ہو کر چیخنے لگا '' اے گروہِ قریش! تمہارا سامان جو ابوسفیان کے پاس ہے، محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں سمیت اس کے درپے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ اسے حاصل کر سکو گے، مدد کرو، مدد کرو''۔

اہل مکہ نے جلدی جلدی تیاری کی، وہ کہتے تھے: '' محمد ﷺ نے اس قافلہ کو بھی عمرو بن حضرمی کا قافلہ سمجھ رکھا ہے، عنقریب وہ اس کا مزہ چکھیں گے'' — مکہ کا ہر شخص یا تو خود جا رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا؛ چنانچہ ابولہب کے علاوہ قریش کے تمام رؤسا اور اشراف اس

قافلہ میں موجود تھے، ابولہب نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مُغیرہ کو بھیجا اور اپنا چار ہزار درہم قرض کا اس کے بدلہ معاف کر دیا۔

ان لوگوں کو مکہ سے نکلنے میں ایک تامل یہ تھا کہ بنو بکرؓ سے پہلے سے ان کی لڑائی چل رہی تھی، مبادا ایسا نہ ہو کہ ان کے جانے کے بعد مکہ کو خالی پا کر وہ حملہ آور ہو جائیں، وہ اسی کشمکش میں تھے کہ سُراقہ بن مالک بن جُعْشُم مُدْلجی کی صورت میں شیطان ظاہر ہوا اور کہنے لگا: میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ یہ تمہارے بعد کوئی ایسا کام نہ کریں گے، جس سے تم کو تکلیف ہو —— یہ سن کر مکہ والے تیز تیز روانہ ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی

ادھر رمضان المبارک کے چند دن گزرے تھے کہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے، عمرو بن مکتوم رضی اللہ عنہ (۱) کو امام اور ابولُبابہؓ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا دیا، آپ ﷺ کے سامنے بھی دو سیاہ جھنڈے تھے، ایک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جس کو ''عقاب'' کہا جاتا تھا اور دوسرا انصار کے پاس، مسلمانوں کے پاس اس دن صرف ستر اونٹ تھے، ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی ہوتے تھے اور باری باری سواری کرتے تھے، مثلاً رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مَرْثَدْ بن ابی مَرْثَدْ غَنْوِی رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر تھے، حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، ابو کَبْشَہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے ایک اُونٹ تھا۔

مسلمانوں کا قافلہ عقیق، ذوالحلیفہ اور بئر روحا سے گزرتے ہوئے ''مُنْصَرَف'' کے مقام پر پہنچا، یہاں آپ نے مکہ کا راستہ بائیں جانب چھوڑتے ہوئے بدر کے ارادہ سے دائیں طرف کا رُخ کیا اور ''صفراء'' کے قریب پہنچ کر بَسْبَس بن عمرو جُہَنی اور عدی بن اَبی زَغْباء جہنی کو بدر کی طرف بھیجا کہ ابوسفیان اور اس کے لشکر کے بارے میں معلوم کریں اور خود بھی سفر جاری رکھا۔

---

(۱) ان کا نام عبداللہ بن اُم مکتوم بھی منقول ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشاورت

اب آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے تجارتی قافلہ کے تحفظ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں، آپ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور قریش کے موجودہ موقف سے آگاہ کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حوصلہ افزاء باتیں کہیں، مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ جو مناسب سمجھیں کر گزریں، ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، ہم آپ ﷺ کو وہ بات نہیں کہہ سکتے، جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ جایئے آپ اور آپ کے رب لڑیں، ہم تو یہیں بیٹھیں گے ''فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' (مائدہ: ۲۴) بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رب لڑیں اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے، اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمیں لے کر ''بَرْکِ غِماد'' (۱) تک جائیں گے تو بھی ہم چلیں گے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وہاں پہنچ جائیں''—— حضور ﷺ نے ان کی بات پسند فرمائی اور دُعاء کے کلمات کہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو'' دراصل حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ انصار کچھ کہیں، اس لئے کہ بیعت عقبہ کے موقع پر انھوں کہا تھا کہ جب تک آپ ﷺ ہمارے گھر نہ پہنچیں، ہم آپ ﷺ کی ذمہ داری سے بری ہیں، جب آپ ﷺ ہمارے یہاں پہنچ جائیں گے تو پھر آپ ﷺ ہماری پناہ میں ہوں گے اور اپنے بچوں، بیویوں کی طرح آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے، حضور ﷺ کو اندیشہ تھا کہ انصار مدینہ کہیں یہ نہ کہیں کہ ہماری ذمہ داری مدینہ پر حملہ آور ہونے والوں سے دفاع ہے، نہ یہ کہ ہم دشمنوں پر اپنے شہر سے نکل کر حملہ کریں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا منشاء سمجھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! شاید آپ ﷺ کا مقصد ہم سے سوال کرنا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے، آپ ﷺ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ آپ ﷺ کی دعوت حق ہے اور اسی بناء پر ہم نے اطاعت وفرمانبرداری کا عہد و پیمان کیا؛ اس لئے آپ ﷺ کا جو ارادہ ہے،

(۱) ''بَرْکِ غِماد'' یمن کی ایک جگہ ہے، جو حجاز سے بہت دور واقع ہے۔

اسے کر گزریئے، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر میں لے چلیں اور اُتر جائیں تو ہم بھی اتر جائیں گے اور ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے نہ رہے گا، ہمیں یہ بات ناپسند نہیں ہے کہ ہمارا سامنا دشمنوں سے ہو، ہم جنگ میں ثابت قدم اور مقابلہ کے وقت وفادار رہیں گے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ ﷺ کو وہ کچھ دکھائے، جس سے آپ ﷺ کی نگاہیں ٹھنڈی ہوں؛ اس لئے آپ ﷺ ہمیں اللہ کے نام پر لے کر چلئے''۔

حضور ﷺ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر بڑی خوشی ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا، چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک پر فتح یاب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے اور میں گویا اہل مکہ کی قتل گاہوں کو بچشم سر دیکھ رہا ہوں۔

بدر کی طرف

پھر رسول اللہ ﷺ بدر کے قریب آ کر اترے اور خود حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے نکل کر ایک بوڑھے عرب کے پاس آئے، ان سے قریش مکہ اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے بارے میں پوچھا کہ کیا اطلاع ہے؟ اس نے کہا: پہلے تم بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو؟ تب بتاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے تم بتاؤ، پھر میں بتاؤں گا — اس نے کہا، مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم فلاں دن نکلے ہیں، اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو آج وہ فلاں مقام پر ہوں گے، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش مکہ فلاں تاریخ کو روانہ ہوئے ہیں، اگر یہ بات سچی ہے تو قریش آج فلاں جگہ ہوں گے — اس نے جس جگہ کی نشاندہی کی تھی ٹھیک وہی جگہیں تھیں، جہاں یہ قافلے پہنچ چکے تھے، اس آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ آپ ﷺ نے توریہ سے کام لیتے ہوئے فرمایا: ''پانی کی طرف سے'' اور لوٹ آئے۔

شام ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بدر میں جہاں پانی کا چشمہ واقع تھا وہاں بھیجا؛ تاکہ حالات معلوم کئے جائیں، یہ لوگ گئے تو یہاں قریش کے دو غلام اَسلَم اور عَرِیض کو پایا کہ

وہ اونٹنی کے ساتھ پانی لینے آئے ہیں، ان کو پکڑ لے آئے اور ان سے پوچھ گچھ شروع کی، حضور ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، ان دونوں نے کہا: ہمیں قریش نے بھیجا ہے —— لوگوں کو اُمید تھی کہ یہ ابوسفیان کے قافلے سے آئے ہوں گے، اس لئے ان کو یہ بات غلط معلوم ہوئی، مار پیٹ کی گئی تو کہنے لگے: ابوسفیان کی طرف سے آئے ہیں —— اب اِن کو چھوڑ دیا گیا۔

آپ ﷺ نے نماز مکمل کی تو فرمایا: ان لوگوں نے سچ کہا تو تم لوگوں نے مارا اور جھوٹ بولے تو تصدیق کردی، خدا کی قسم! یہ لوگ قریش کی طرف سے آئے ہیں، پھر ان دونوں سے قریش کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا: وہ لوگ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو دور نظر آرہا ہے، آپ ﷺ نے ان کی تعداد پوچھی، انھوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے، آپ ﷺ نے پوچھا ہر دن کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں؟ انھوں نے کہا کسی دن نو کسی دن دس، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ نو سو تا ایک ہزار کی تعداد ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: روساءِ قریش میں سے کون کون ہیں؟ انھوں نے کہا: عُتْبہ بن ربیعہ، شَیبہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نَوْفِل بن خُوَیْلِد، حارث بن عامر، طُعَیم بن عَدِی، نَضر بن حارث، زَمْعہ بن اسود، ابوجہل، اُمیہ بن خلف، حجاج کے بیٹے نبیّہ اور مُنَبِّہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدوُدّ۔

آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: ”مکہ نے تمہارے سامنے اپنے لختِ ہائے جگر کو ڈال دیا ہے“۔

بَسْبَس بن عَمْرو اور عَدِی بن ابی الزَّغباء بدر پر آئے، پانی کے قریب اونٹوں کو بٹھایا اور اپنے اپنے مشکیزوں میں پانی بھرنے لگے، مَجْدِی بن عَمْرو جُہَنی بھی پانی ہی کے پاس تھے، یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس گئے، ادھر مَجْدِی بن عمرو ابوسفیان کے پاس گیا، ابوسفیان نے حالات پوچھے، اس نے کہا اور تو کوئی خاص بات نہیں دیکھی؛ البتہ دو سوار آئے تھے اور انھوں نے اپنے اونٹ بٹھا کر پانی لئے تھے، ابوسفیان وہاں آیا، اونٹوں کی مینگنیاں دیکھیں اور اسے توڑ کر دیکھا، اس میں گٹھلیاں نکلیں، ابوسفیان نے کہا: ”خدا کی قسم! یہ تو یثرب کا چارہ ہے“ پھر تیزی سے اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور بدر کے علاقہ کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے ساحلی راستہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

ابوسفیان نے دیکھا کہ یہ تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے؛ اس لئے قریش کو اطلاع دی کہ اب تم لوگ واپس ہوجاؤ، ابوجہل نے کہا: ''ہم بدر جائیں گے اور واپس نہ ہوں گے، جہاں ہر سال بازار لگا کرتا ہے، وہاں ہم تین دن ٹھہریں گے، جانور ذبح کریں گے، کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے، عورتیں ہمارے سامنے گائیں گی، عربوں کو جب اس کا علم ہوگا تو ان پر ہمیشہ کے لئے ہمارا رعب بیٹھ جائے گا''۔

قریش آگے بڑھے اور وادی کی دوسری سمت اُترے، مسلمانوں نے پانی کے چشمہ کے پاس آکر پڑاؤ کیا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ بارش ہوگئی، مسلمانوں کا علاقہ ریتیلا تھا؛ اس لئے وہاں زمین جم گئی اور چلنے پھرنے میں سہولت ہوگئی، قریش جدھر ٹھہرے تھے ادھر کی زمین چکنی تھی، اس لئے کیچڑ ہوگیا اور چلنا مشکل ہوگیا۔

بدر کے میدان میں

پھر حُبَاب بن مُنذِر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے پانی کے چشمے جن سے کفار مکہ فائدہ اُٹھا سکتے تھے ریت سے پاٹ دیئے گئے؛ تاکہ وہ اس سے پانی نہ لے سکیں اور اپنے لئے ایک حوض بناکر پانی سے بھر دیا گیا، جس سے بوقت ضرورت پانی لیا جاسکے — سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم آپ ﷺ کے لئے ایک چھپر ڈال دیں، آپ ﷺ اس میں تشریف رکھیں، آپ ﷺ کے پاس سواریاں رہیں اور ہم لوگ دشمن سے معرکہ آراء ہوں، اگر ہمیں فتح اور غلبہ ہو تب تو ٹھیک ہی ہے اور اگر شکست ہو تو آپ ﷺ اہل مدینہ سے جاملیں؛ اس لئے کہ وہاں وہ لوگ رہ گئے ہیں، جو ہمارے مقابلہ میں زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں، اگر ان کو معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ جنگ سے دوچار ہیں تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے، اللہ ان کے ذریعہ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا اور وہ آپ ﷺ کے وفادار اور جاں نثار ثابت ہوں گے'' — حضور ﷺ نے اس تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کیا اور دُعاء دی؛ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چھپر (عریش) بنایا اور اسی میں آپ ﷺ کا قیام رہا۔

قریش نے جب مسلمانوں کے روبرو پڑاؤ ڈالا تو کچھ لوگ حضور ﷺ کے حوض پر

اُترے، ان میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے، لوگوں نے روکنا چاہا، مگر حضور ﷺ نے منع فرمایا؛ چنانچہ اس دن جتنے لوگوں نے اس حوض سے پانی پیا وہ سبھی جنگ میں کام آ گئے سوائے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے، وہ بدر میں بچ گئے اور اور بعد کو اسلام قبول کرلیا، ان کا حال یہ تھا کہ کبھی پوری قوت اور تاکید کے ساتھ قسم کھانا ہوتا تو فرماتے: ''اس ذات کی قسم! جس نے مجھے بدر کے دن بچایا''۔

قریش جب مطمئن ہو گئے تو عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد معلوم کریں، انھوں نے مسلمانوں کی فوج کے چاروں طرف ایک چکر لگایا اور واپس جا کر بتایا کہ ان کی تعداد تین سو ہے، ممکن ہے اس سے چند زیادہ یا کم ہوں —— وہ پھر گئے کہ دیکھیں مسلمانوں کے لئے کوئی کمین گاہ یا معاون لشکر بھی ہے یا نہیں؟ وہ اس تلاش میں دور تک نکل گئے، مگر کچھ نہ پایا اور واپس آ کر کہا: ''ہم نے صرف کچھ کمزور و نحیف اونٹ دیکھے، ان لوگوں کی کوئی حفاظت گاہ یا پناہ گاہ نہیں ہے، تلوار ہی ان کا سہارا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی قسم! ان میں کوئی آدمی اسی وقت قتل ہوگا، جب وہ تمہارے ایک آدمی کو قتل کردے اور اگر وہ تمہارے اتنے آدمیوں کو قتل کردیں، جتنی ان کی تعداد ہے تو پھر زندگی میں کیا لطف باقی رہ جائے گا؟ اس لئے اس معاملہ میں اچھی طرح غور کرلو''۔

ایک سعی ناکام

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو عتبہ کے پاس گئے اور کہا: ''آپ قریش کے بڑے اور قائد ہیں، آپ کی بات مانی جاتی ہے، کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہمیشہ خیر اور بھلائی کے ساتھ آپ کا ذکر ہو؟'' عتبہ نے کہا: آخر وہ بات کیا ہے؟ حکیم نے کہا: یہ کہ آپ لوگوں کو لے کر واپس ہو جائیں اور اپنے حلیف عَمْرو بن حَضْرَمی کے خون بہا کی ذمہ داری قبول کرلیں، اس نے کہا: میں اس کے لئے تیار ہوں؛ البتہ ابوجہل سے بات کرو۔

چنانچہ حکیم ابوجہل کے پاس گئے اور عتبہ نے لوگوں کے درمیان ایک تقریر کی کہ ''اے قریش! خدا کی قسم، تم محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کچھ نہیں کرسکتے، اگر تم ان پر حملہ آور

ہوئے تو ہر آدمی اپنے مقابلہ میں ایسی صورتوں کو دیکھے گا جو اسے پسند نہ ہوں گی، لوگ اپنے چچا زاد، ماموں زاد بھائیوں، یا خاندان ہی کے کسی فرد کو قتل کریں گے؛ اس لئے واپس چلو اور محمد (ﷺ) کا معاملہ ان کے اور عربوں کے درمیان رہنے دو، اگر وہ محمد ﷺ پر غالب آ گئے تو یہ تمہارا عین مقصد ہے اور اگر اس کے برعکس ہوا تو اس کے سامنے یہ بات رہے گی کہ جو سلوک تم اس سے کرنا چاہتے تھے، وہ نہ کیا''۔

حکیم بن حزام نے ابوجہل سے کہا کہ مجھے عتبہ نے تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے، ابوجہل نے کہا: ''واللہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کو دیکھ کر بزدل اور خوفزدہ ہو گیا ہے، ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں لوٹ سکتے، جب تک خدا ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ نہ کر دے، بات یہ ہے کہ عتبہ دیکھ رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کی تھوڑی سی تعداد ہے اور انھیں میں خود اس کا بیٹا بھی ہے؛ اس لئے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں اندیشہ میں ہے''—— ابوجہل نے اس مصالحانہ سعی کو ناکام بنانے کے لئے ایک شخص کو عامر بن حضرمی کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ عتبہ جو تمہارا حلیف ہے، لوگوں کو لے کر واپس ہونا چاہتا ہے، اس لئے تم کھڑے ہو کر قریش سے وفاداری کا مطالبہ کرو اور اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ طلب کرو؛ چنانچہ جاہلیت کے دستور کے مطابق عامر نے کپڑے اتار دیئے اور اپنے مقتول بھائی کی یاد دلاتے ہوئے چیخنے لگا ''واعمراہ واعمراہ'' (ہائے عمر حضرمی، ہائے عمر حضرمی) نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی، لوگوں میں شدت اور سختی پیدا ہو گئی، وہ اپنے شر انگیز مقصد کے لئے جمع ہونے لگے اور عتبہ کی تجویز کارگر نہ ہو سکی۔

معرکہ کا آغاز

اَسْوَد بن عبدالاسود مَخزومی ایک نہایت بدخلق آدمی تھا، اس نے کہا: میں عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا یا اسے منہدم کر دوں گا، یا پھر اسی کی خاطر جان دے دوں گا —— وہ اسی ارادہ سے نکلا، اس کے مقابلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نکلے، مقابلہ ہوا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس زور سے مارا کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ کر الگ ہو گیا، وہ پشت کے بل گرا،

اس کے پاؤں سے بے تحاشہ خون بہہ رہا تھا؛ مگر پھر حوض کی طرف بڑھا، وہ چاہتا تھا کہ اپنی قسم پوری کرلے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پھر وار کیا اور وہ حوض ہی میں قتل ہوگیا۔

اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ نکلا اور صفوں سے نکل کر مقابلہ کی دعوت دی، مسلمانوں کی طرف سے تین انصار نکلے: عَوف بن حارث رضی اللہ عنہ، مُعَوِّذ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ، عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں، پھر حضور ﷺ کو آواز دی کہ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہم قوم لوگوں کو بھیجو، اب آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نکلے، عبیدہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابل، حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ کے مقابل اور علی رضی اللہ عنہ ولید کے، حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی اپنے مقابل کو واصل جہنم کردیا، البتہ عبیدہ رضی اللہ عنہ چوں کہ معمر آدمی تھے اس لئے ان کا اور عتبہ کا مقابلہ جاری تھا اور دونوں ہی زخمی ہوچکے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کرتے ہوئے عتبہ کا صفایا کردیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لے کر آگئے۔

یہ جمعہ کا دن تھا، رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی اور صبح کا وقت تھا — اب دونوں فوجیں آگے بڑھیں، حضور ﷺ نے صفیں آراستہ کیں اور ''عریش'' میں واپس آگئے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اس مدد کی التجا کررہے تھے، جس کا وعدہ تھا — آپ ﷺ فرمارہے تھے ''خداوندا! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہوجائے گا تو پھر زمین پر تیری عبادت نہ ہوسکے گی'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بس کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے وعدہ ضرور پورا کرے گا''۔

یہیں حضور ﷺ پر ہلکی سی اونگھ طاری ہوئی اور آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوگئے، فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ خوش ہوجاؤ، اللہ کی مدد آپہنچی، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، جو گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں''، پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف نکلے، ان کو جہاد ترغیب دی اور فرمایا ''اس ذات کی قسم! جس کے دست اختیار میں محمد ﷺ کی ذات ہے آج جو بھی جہاد کی میں شریک ہوگا اور صبر واخلاص کے ساتھ راہ فرار اختیار کئے بغیر مقابلہ کرتے ہوئے قتل کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ

اس کو جنت میں داخل کرے گا'' —— عُمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، سن کر کہنے لگے: کیا میرے اور جنت کے درمیان صرف اس قدر فاصلہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں؟ —— یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں، تلوار لی اور جہاد میں مصروف ہوگئے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

آپ ﷺ نے ایک مشت کنکری لی اور قریش کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: ''شاهت الوجوه'' اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ جوش و خروش کے ساتھ جہاد کریں؛ چنانچہ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کافروں کو شکست، قریش کے بڑے بڑے سردار قتل کئے گئے اور قید ہوئے۔

مکہ والوں کی طرف سے اس جنگ میں بعض حضرات جبراً بھی لائے گئے تھے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''بنو ہاشم کو ان کی رضامندی کے بغیر اس جنگ میں شرکت کے لئے مجبور کیا گیا ہے؛ اس لئے ان کو قتل نہ کیا جائے، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ابوالبختری بن ہشام کو قتل نہ کیا جائے''۔

اہل مکہ کی شکست اور ابوجہل کا انجام

جنگ کے اختتام کے بعد حضور ﷺ نے ابوجہل کو تلاش کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس دشمن خدا کا سر قلم کر کے لائے اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، آپ ﷺ نے دیکھا تو سوالیہ انداز میں فرمایا: ''کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اللہ ہی معبود ہے، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے؟'' (الله الذی لا اله غیره)۔(۱)

مشرکین کی لاشیں آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں، اُمَیّہ بن خَلَف کی لاش اپنی زرہ ہی میں پھول گئی تھی، اس کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تو گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگے، اس لئے اس کی لاش وہیں چھوڑ کر اس پر ریت اور پتھر ڈال دیئے گئے —— یہ سب کچھ انجام دیتے ہوئے رات ہوگئی، آپ ﷺ اس گڑھے کے پاس کھڑے ہوئے اور یوں گویا ہوئے:

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کے قاتل معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اور مُعَوِّذ بن عَفراء رضی اللہ عنہ ہیں، ممکن ہے ان دونوں نے حملہ کر کے گرا دیا ہو، تھوڑی سی جان باقی ہی ہو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کیا ہو۔

اے گڑھے والو! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے اُمیہ
بن خلف اور اے ابوجہل! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو برحق پایا،
میں نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔

مسلمانوں نے کہا کہ کیا آپ ﷺ ان لوگوں کو پکار رہے ہیں، جن کی لاشیں بھی متعفن ہو چکی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ میری بات کو جس قدر سن رہے ہیں تم بھی نہیں سن رہے ہو، البتہ وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔

مدینہ کو واپسی

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فتح کی خوشخبری دینے کے لئے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے گرد و پیش بھیجا اور خود بھی مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے، آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی فوج کے علاوہ مکہ کے قیدی بھی تھے اور حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی تھا، جو عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تھا، مسلمانوں میں مالِ غنیمت برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔

پھر آپ ﷺ آگے بڑھے، روحاء کے مقام پر پہنچے تو اس فتح پر مبارکباد دینے مسلمان پہنچے، سَلَمہ بن سَلَامَہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کس بات کی مبارکباد دیتے ہوئے ان کی کیفیت تو بالکل ایسی تھی؛ گویا بندھے ہوئے اونٹ ہوں اور ہم نے ان کو ذبح کر دیا ہو، آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: بھتیجے! وہی تو سرداران گروہ تھے — یہاں تک کہ جب صَفْرَاء کے مقام پر پہنچے تو نَضْر بن حارث کو قتل کیا گیا اور قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا، پھر "عِرْقِ ظَبْیَہ" پہنچ کر عُقْبَہ بن ابی مُعَیط کو قتل کیا گیا اور اس کو عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، اس کے بعد حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، قیدیوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم فرما دیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

قیدیوں سے حسن سلوک اور رہائی

مکہ میں سب سے پہلے اس واقعہ کی اطلاع حَیْسُمَان بن عبداللہ نے دی — قریش اپنے مقتولوں پر نوحہ کرنے لگے، پھر ان لوگوں نے سوچا اور مشورہ کیا کہ اگر اس کی اطلاع محمد ﷺ

کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو پہنچی تو وہ تم کو برا بھلا کہیں گے، قیدیوں کے معاملہ میں بھی جلدی نہ کرو؛ ورنہ وہ لوگ فدیہ کے معاملہ میں زیادہ شدت سے کام لیں گے۔

پھر قریش نے قیدیوں کا فدیہ بھیجا، اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ مِکْرَز بن حَفْص ، سُہَیل بن عَمْرو کی رہائی کے لئے آئے ، جب گفتگو مکمل ہوئی اور فدیہ کی ایک خاص مقدار پر دونوں فریق آمادہ ہوگئے تو مِکْرَز نے کہا فدیہ آنے تک مجھے قید کرلو اور سہیل کو رہا کردو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''مجھے اجازت دیجئے کہ سہیل کے اگلے دونوں دانت نکال دوں ؛ تاکہ پھر آئندہ وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر نہ کرسکے'' —— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ؛ کہ کہیں اللہ تعالیٰ میرا مثلہ نہ فرمادے ، اگرچہ میں نبی ہوں''۔

قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد —— حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن رَبیع —— بھی تھے، اسلام نے اگرچہ شرعاً ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کردی تھی ؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قدرت حاصل نہ ہوسکی کہ ان کو علاحدہ کرسکیں ؛ چنانچہ اختلافِ دین کے باوجود یہ دونوں ساتھ تھے، اب وہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں تھے، جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو شادی میں دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب اس پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس قیدی کو آزاد کردو اور یہ مال بھی اس کو واپس کردو ؛ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا، ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

(۱) ابوالعاص نے حضرت زینب کو بھیجنے کا وعدہ کیا اور مکہ پہنچ کر ان کو بھیج دیا، ان کے جانے کی اطلاع قریش کو ہوئی تو ہَبّار بن اسود اور فُہری نامی شخص ان کی تلاش میں نکل گیا، فہری نے ان کو ایسا نیزہ مارا کہ ان کا حمل ساقط ہوگیا اور ان کو مکہ واپس لے آیا، قریش نے کہا: میں نے ان کو اس لئے واپس نہیں کیا کہ ان کو یہاں رکھنا چاہتا ہوں ؛ البتہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ ہمارے سامنے دن کے وقت اس کو مدینہ بھیجنے میں ہماری ذلت تھی ، اس لئے جب پوری قوم میں مشہور ہوجائے کہ ہم نے اس کو لوٹا لیا ہے، تو رات کے وقت پوشیدگی کے ساتھ اس کو مدینہ بھیج دیا جائے ؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، راستہ میں زید بن حارثہ ان کو لینے کے لئے موجود تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد کردیا گیا، ان کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ان کے علاوہ جن لوگوں سے کوئی فدیہ نہیں لیا گیا، ان میں مُطَّلِبُ بن حَنْطَبْ، صَیْفِی بن ابی رِفَاعَہ اور ابوعزَّہ تھے، جو غریب آدمی تھے اور ان کی کئی بیٹیاں تھیں؛ چنانچہ ابوعزَّہ نے آپ ﷺ کی اس نوازش پر چند تعریفی اشعار بھی کہے، جو یہ ہیں :

کوئی نہیں جو محمد ﷺ کی قدر و منزلت کو پہنچ سکے، آپ ﷺ تو سراپا حق اور بہترین حکمراں ہیں، آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے، جس نے لوگوں کو حق و ہدایت کی دعوت دی، اللہ آپ ﷺ کا شاہد و نگراں ہے۔

آپ ﷺ ہی کی ذات ہے، جس نے ہمارے درمیان رہ کر ہمیں عظمت و بڑائی سے سرفراز کیا، آپ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر کسی کے خلاف جنگ چھیڑ دیں تو اس سے بڑھ کر بدبخت کوئی نہیں اور اگر کسی کو امان دے دیں تو اس سے بڑھ کر خوش بخت کوئی نہیں۔

اس موقع پر مشرکین کا فدیہ ایک ہزار تا چار ہزار درہم تھا، جس کے پاس کچھ نہیں تھا، ان کو رسول اللہ ﷺ نے یوں ہی معاف کر دیا۔

غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین ۸۳ تھے، قبیلہ اوس کے ۶۱ اور قبیلۂ خزرج کے ۱۷۰ انصار تھے، اس طرح مجموعی تعداد ۳۱۴ ہوتی ہے، جن کے لئے حضور ﷺ نے مالِ غنیمت کے حصے بھی متعین کئے۔

غزوۂ بنو سلیم

مدینہ واپسی کے بعد آپ ﷺ ایک ہی ہفتہ مدینہ میں ٹھہرے اور اس کے بعد آپ ﷺ خود قبیلہ بنو سلیم سے غزوہ کے لئے نکلے اور ان کے چشمہ پر آکر ٹھہرے، جس کا نام ''کُدُرْ'' تھا، یہاں تین شب قیام کیا اور کسی جنگ کے بغیر مدینہ واپس تشریف لے آئے، ان تین دنوں کے لئے آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت سِبَاع بن عُرْ فُطَہْ غِفاری رضی اللہ عنہ یا ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو امیر متعین فرمایا تھا، شوال اور پورے ذی قعدہ کے ایام، مدینہ ہی میں قیام رہا اور اسی درمیان بدر کے اکثر جنگی قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی۔

غـزوۂ سویق

ابوسفیان جب تجارتی قافلہ کے ساتھ واپس آیا اور بدر سے اہل مکہ کا شکست خوردہ لشکر لوٹا تو مکہ میں سخت کہرام بپا ہوگیا اور قریش نے نذر مانی کہ جب تک وہ محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کریں گے، اپنے سر پر غسل جنابت کا پانی نہ ڈالیں گے؛ چنانچہ اس قسم کی تکمیل کے لئے ابوسفیان قریش کے دوسو سواروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کے لئے نکلا، یہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا، {ذوالحجہ ۲ھ، ۲۹ رمئی ۶۲۴ء} جس میں عرب کسی قسم کے جنگی اقدام کو سنگین جرم اور گناہ تصور کرتے تھے؛ مگر اہل مکہ اس قسم کی رکاوٹوں سے بچنے کے لئے اس میں خودساختہ تبدیلی بھی کرتے رہتے تھے؛ چنانچہ اس سال انھوں نے حج کو اس ماہ سے مؤخر کردیا تھا۔

اہل مکہ کا یہ لشکر صَدْرقَناۃ کے مقام سے گزرتے ہوئے مدینہ سے ایک ''بَرِید'' (۱) کی دوری پر ''ثَیِبْ'' میں آکر ٹھہرا، ابوسفیان خود شب کے وقت قبیلہ بنونَضِیر میں آئے، پہلے حُیَیْ بن اَخْطَب کے دروازے پر دستک دی، مگر وہ ڈر سے کھولنے پر آمادہ نہ ہوا، اس کے بعد قبیلہ کے سردار سَلاَّم بن مِشْکَمْ کے یہاں آیا، اس نے مہمان نوازی بھی کی اور مسلمانوں کے سلسلہ میں راز کی باتیں بھی بتائیں، پھر رات ہی کے اخیر حصہ میں وہ اپنے ساتھیوں سے آملا۔

قریش کے کچھ لوگوں کو مدینہ بھیجا، یہ مدینہ کے ایک کنارے آئے جس کو ''عُرَیْض'' کہا جاتا ہے، انھوں نے کھجور کے کچھ درخت جلادیئے، ایک انصاری اور ان کے ساتھی (حلیف) اپنے کھیت میں تھے، انھوں نے ان دونوں کو قتل کردیا اور واپس آگئے، بعد کو مسلمانوں کو اطلاع ہوئی، حضور ﷺ ان کی تلاش میں نکلے اور مدینہ میں ابولُبابہ بشیر بن عبدالمُنذِر رضی اللہ عنہ کو ذمہ دار متعین فرمایا، آپ ﷺ نے قَرْقَرَۃُالکُدْر'' کے مقام تک تعاقب کیا؛ مگر ابوسفیان کا قافلہ آگے نکل چکا تھا، یہاں سے آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

اس مہم کو غزوۂ سویق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ''سویق'' کے معنی ''ستو'' کے ہیں، اس جنگ کے موقع پر اہل مکہ اپنا توشہ جو ستو تھا، بھاگتے ہوئے چھوڑ گئے، وہ مسلمانوں کے قافلہ کو ملا۔

---

(۱) برید ہندوستانی پیمائش کے لحاظ سے ۱۲ رمیل کے برابر ہے۔ (مولانا عبدالحئی لکھنوی، السعایہ: ۴۹۲)

غــزوۂ ذی اَمَرْ

غزوۂ سویق سے واپسی پر ذوالحجہ کے بقیہ دنوں مدینہ ہی میں قیام فرمایا، پھر {محرم ۳/ھ ۶۲۴ء} بنوغطفان سے مقابلہ کے ارادہ سے نجد کا سفر فرمایا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر عامل متعین کیا — اسی کو "غزوۂ ذی امر" کہتے ہیں۔

تقریباً پورے صفر نجد میں قیام رہا، یہاں عملاً جہاد کی نوبت نہیں آئی؛ چنانچہ آپ ﷺ مدینہ واپس آ گئے اور ربیع الاول میں مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

غــزوۂ فُرُع

قریش چوں کہ مدینہ پر حملہ کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے تھے؛ اس لئے اس کے بعد آپ ﷺ قریش سے متوقع حملہ اور غارت گری کا مقابلہ کرنے مدینہ سے نکلے اور فرع کے قریب "نَجْرَان" نامی جگہ پہنچ کر قیام کیا اور ربیع الآخر و جمادی الاولی میں وہیں قیام فرما کر مدینہ واپس آ گئے، جنگ کی نوبت نہیں آئی، {یہ واقعہ ربیع الثانی ۳ ہجری، اکتوبر ۶۲۴ء} میں پیش آیا، اس کو غزوۂ نجران بھی کہتے ہیں۔

بنوقینقاع کی شرارت

{۱۵/شوال ۲ ہجری، اپریل ۶۲۴ء} میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مسلمان خاتون اپنا سامان لے کر "بنوقَیْنُقاع" کے بازار میں آئی، لوگ چاہتے تھے کہ وہ اپنا چہرہ کھول دے؛ مگر وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئی، اس درمیان ایک شخص نے ان خاتون کا دامن پشت کی طرف سے اوپر کے کپڑے سے باندھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جوں ہی وہ اُٹھی، شرمگاہ کا حصہ کھل گیا اور بازار کے اوباش دیکھ کر ہنسنے لگے، خاتون نے آواز لگائی اور ایک مسلمان نے اس شخص کو قتل کر دیا، مقتول یہودی تھا، یہ دیکھ کر یہود تشدد پر اتر آئے اور انھوں نے مسلمان کو قتل کر ڈالا، مسلمان مسلمانوں کو آواز دینے لگے، یہاں تک کہ مسلمان اور قبیلہ بنوقینقاع کے درمیان لڑائی ٹھن گئی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ پر بشیر بن عبدالمُنْذِر رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر کے خود مدینہ سے باہر

نکلے، اور پندرہ دنوں تک ''بنوقُینُقاع'' کا محاصرہ فرمایا، یہاں تک کہ انھوں نے ہتھیار ڈال دیا اور آپ ﷺ کا فیصلہ ماننے پر تیار ہو گئے، عبداللہ بن اُبی چوں کہ بنوقینقاع کا حلیف تھا، اس نے بہ اصرار حضور ﷺ پر دباؤ ڈالنا چاہا اور مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، آپ ﷺ نے اس کی طرف سے رُخ پھیر لیا، اس نے آپ ﷺ کی زرہ کے جیب میں ہاتھ ڈال دیا، روئے انور غصہ سے متغیر ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو۔

عبداللہ بن ابی کی طرح حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی بنوقینقاع کے حلیف تھے، ان کے قبیلہ بنوعوف اور بنوقینقاع کے درمیان حلیفانہ روابط تھے، وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں خدا اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو دوست بناتا ہوں اور ان کافروں کی دوستی اور ہمنوائی سے باز آتا ہوں۔

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر کے بعد قریش نے شام کا قریبی راستہ —— جو مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا —— احتیاطاً چھوڑ دیا اور عراق کے راستہ سے سفر کرنے لگے، اسی راہ سے چند تجار آئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا، اس قافلہ کے ساتھ بہت کچھ چاندی تھی، انھوں نے قبیلہ بنوبکر کے ایک شخص فُرَات بن حَیَّان کو اُجرت پر رکھا کہ وہ ان کو راستہ کی رہنمائی کردے۔

حضور ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک قافلہ کے ساتھ بھیجا تھا، ان دونوں قافلوں کا آمنا سامنا نجد کے ایک چشمہ پر ہوا جو ''قَرَدَہ'' نامی جگہ میں واقع تھا، قافلہ کے سامان پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قافلہ نے قبضہ کرلیا؛ لیکن اہل قافلہ قابو میں نہ آسکے؛ چنانچہ مالِ غنیمت لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

غزوۂ اُحد

بدر کی شکستِ فاش کے بعد شکست خوردہ لشکر مکہ پہنچا، ادھر ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بھی واپس آ چکا تھا، اس موقع سے عبداللہ بن ربیعہ، عِکْرَمہ بن ابی جہل، صَفْوَان بن اُمَیَّہ اور وہ سوگوار جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں کام آ چکے تھے، ابوسفیان اور تجارتی قافلہ کے دوسرے شرکاء کے پاس آئے اور ان سے کہا :

> اے گروہِ قریش ! محمد ﷺ نے تمہارا قلع قمع کر دیا ہے اور تمہارے بہتر لوگوں کو قتل کر دیا ہے؛ اس لئے تم اس سرمایہ سے ہماری مدد کرو، ممکن ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں —— چنانچہ وہ اس کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس طرح ابوسفیان، اس کے اہل قافلہ، قریش مکہ اور ان کے دوسرے حامی وحلیف بنو کِنَانَہ اور اہل تِہَامہ متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کرنے لگے، قریش کی خواتین کو بھی ساتھ رکھ لیا گیا؛ تاکہ وہ غیرت دلائیں اور ان کی وجہ سے مرد راہِ فرار اختیار کرنے سے باز رہیں، اِن عورتوں میں سپہ سالار لشکر ابوسفیان کی بیوی ہِنْدَہ بنت عُتْبَہ، حارث بن ہِشَام کی بیوی فاطمہ بنت ولید اور صفوان بن اُمیہ کی بیوی بَرْزَہ بنت مسعود ثقفی بھی تھیں، یہ لوگ مکہ سے چلے اور مدینہ کے مقابل وادئ قناۃ کے کنارے '' بطن سَبْخَہ '' میں جبل عُیُنَین نامی پہاڑ پر پڑاؤ ڈالا۔

مسلمانوں سے مشورہ اور آپ ﷺ کا خواب

ادھر جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو طلب کیا اور ان سے فرمایا :

میں نے ایک بہتر خواب دیکھا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ میری
گائے ذبح کی جارہی ہے اور یہ کہ میری تلوار میں ایک دندانہ پڑ گیا
ہے، نیز یہ کہ میں نے ایک مضبوط زرہ میں اپنا ہاتھ داخل کیا ہے۔

بعض روایات میں حضور ﷺ ہی سے اس کی تعبیر بھی منقول ہے کہ گائے سے مراد یہ ہے کہ میرے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے، تلوار میں داندانہ پڑنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی جام شہادت پئے گا اور مضبوط زرہ سے مراد 'مدینہ' ہے۔

آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے ہوئے اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو ایسا کیا جائے کہ تم مدینہ ہی میں ٹھہرو اور ان کو وہیں چھوڑ دو، جہاں انھوں نے پڑاؤ کر رکھا ہے، اب اگر وہ وہیں ٹھہرے رہے تو خود وہ جگہ ان کے حق میں نامناسب ہوگی (فان أقاموا أقاموا بشر مُقام) اور اگر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو ہم ان سے یہیں رہ کر جنگ کریں گے۔

حضور ﷺ کی یہی رائے تھی اور یہی رائے راس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی تھی؛ لیکن بعض مسلمانوں نے — جن کو بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا — کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کی اجازت دیجئے؛ تاکہ وہ ہم کو بزدل اور کمزور نہ سمجھنے لگیں''۔

عبداللہ بن اُبی نے کہا: ''مدینہ ہی میں رہئے اور باہر نہ نکلئے، خدا کی قسم! جب بھی ہم دشمنوں کے مقابلہ کے لئے باہر نکلے ہیں، شکست کھائی ہے اور جب بھی وہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے ہیں، ان کو شکست ہوئی ہے؛ اس لئے قریش کو اپنی جگہ چھوڑ دیجئے، اگر وہ وہیں پڑے رہے تو یہ ان کے لئے قید خانہ ثابت ہوگا اور اگر مدینہ میں داخل ہوئے تو مرد ان سے روبرو مقابلہ کریں گے اور عورتیں اور بچے اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور اگر وہ از خود واپس ہو گئے تو ناکام ونامراد واپسی ہوگی'' — مگر بعض لوگوں کو برابر باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر اصرار رہا۔

اب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لئے گئے، زرہ زیب تن فرمائی، یہ جمعہ کا دن تھا اور نماز

ہو چکی تھی، اسی روز ایک انصاری صحابی مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تھی، آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ سے کوچ کرنے کی غرض سے تشریف لائے، لوگوں کو شرمندگی ہوئی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم نے حضور ﷺ کو زحمت دی حالاں کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، اگر آپ ﷺ چاہیں تو مدینہ ہی میں تشریف رکھیں — آپ ﷺ نے فرمایا: کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ زرہ پہن لینے کے بعد جنگ کئے بغیر اُتار دے۔

عبد اللہ بن اُبی کی واپسی

اس طرح آپ ﷺ ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُحد کی سمت روانہ ہوئے، مقام ''شَوط'' پر پہنچے تھے کہ عبد اللہ بن ابی ایک تہائی آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس ہوگیا اور بہانہ کیا کہ محمد ﷺ نے دوسروں کی بات مان لی اور میری رائے ٹھکرادی؛ اس لئے ہم نہیں سمجھتے کہ ہم کیوں یہاں اپنے آپ کو موت کا لقمہ بنائیں؟ — عبد اللہ بن عَمرو بن حَرَام نے اس کو سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ ''لوگو! میں تمہیں اللہ کا حوالہ دیتا ہوں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی اور اپنی قوم کو رسوا اور بے سہارا نہ کرو'' منافقین نے کہا: ''اگر ہمیں یقین ہوتا کہ تم جنگ سے دوچار ہوگے تو تم کو نہ چھوڑتے، مگر ہمیں اُمید نہیں ہے کہ اس کی نوبت بھی آئے گی'' بالآخر عبد اللہ بن عمرو واپس آگئے اور کہا: ''اللہ کے دشمنو! خدا تم کو محروم کرے، عنقریب خدا اپنے رسول کو تم سے بے نیاز کردے گا''۔

انصار نے آپ ﷺ سے رائے طلب کی کہ کیا ہم اپنے حلیف یہود سے مدد کی درخواست نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔

وادیِ اُحد میں قیام

آپ ﷺ اُحد کی ایک وادی میں اتر پڑے، آپ ﷺ نے اپنی فوج اور سواریاں اس طرح رکھیں کہ پشت پہاڑ کی جانب ہو اور ہدایت فرمادی کہ جب تک میں حکم نہ دے دوں، کوئی جنگ نہ کرے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، آپ ﷺ نے

پچاس تیراندازوں کو پشت کی جانب سے حفاظت پر مامور فرمایا اور ان پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو —— جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے —— امیر مقرر فرمایا، نیز ان کو ہدایت کردی کہ تیراندازی کرکے سواروں کو روکے رکھنا؛ تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہوجائیں اور جنگ کا نتیجہ موافق ہو یا مخالف، تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، آپ ﷺ نے اس دن دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور مسلمانوں کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا تھا۔

کم سن صحابہ رضی اللہ عنہم کی واپسی

یہاں سے حضور ﷺ نے کم سن صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو جوشِ جہاد میں آگئے تھے، واپس فرمادیا، ان واپس کئے جانے والوں میں اُسامہ بن زید، زید بن ثابت، بَرَاء بن عازِب، عَمرو بن حزم اور اُسَید بن ظُہَیر ہیں رضی اللہ عنہم، ان کی عمریں پندرہ سال سے بھی کم تھیں؛ البتہ حضرت رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ اور سَمُرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ جو پندرہ سال کے تھے، شریک کرلئے گئے۔

ان کی شرکت کا واقعہ یوں ہوا کہ اولاً آپ ﷺ نے ان دونوں کو واپس کردیا، پھر حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے بارے میں سفارش کی گئی کہ وہ تیراندازی سے واقف ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی، یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی درخواست کی گئی کہ وہ تو رافع رضی اللہ عنہ کو کشتی میں پچھاڑ دیتے ہیں؛ چنانچہ دربارِ نبوی ﷺ سے ان کو بھی شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔

قریش کی عسکری قوت

قریش کے لشکر میں تین ہزار سپاہی تھے، دوسو گھوڑ سوار دستہ تھا، مَیمَنَہ (۱) کی قیادت کہنہ مشق شہسوار خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی اور مَیسَرہ کی عِکرِمہ بن ابی جہل کے ہاتھ میں۔

ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت

آپ ﷺ نے اپنی تلوار دستِ مبارک میں لے کر فرمایا: کون ہے جو اس تلوار کو لے

(۱) دائیں جانب جو دستہ ہوتا ہے اسے ''میمنہ'' کہا جاتا تھا۔

اور اس کا حق ادا کرے؟ کئی آدمی اس شرف سے بہرہ مندہ ہونے آگے بڑھے، یہاں تک کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اس سے دشمن پر وار کرو — تا آں کہ وہ ٹیڑھی ہوجائے، عرض کیا: میں اس کا حق ادا کروں گا'' — آپ ﷺ نے تلوار ان کو دے دی۔

اَبودُجانہ رضی اللہ عنہ نے سر میں سرخ رومال لپیٹا اور یہ وہ اسی وقت لپیٹا کرتے تھے، جب جنگ کرنی ہوتی تھی اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر گھومنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کو یہ چال پسند نہیں ہے، سوائے موقع جہاد کے۔

ابوعَمْرو کی ناکام سازش

قبیلہ اوس میں ایک شخص ابوعمرو تھا، جس کی پہلے مدینہ میں بڑی قدرومنزلت تھی اور راہب کے نام سے مشہور تھا، آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہ شخص اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ — جن کی تعداد پچاس یا پندرہ تھی — مکہ چلا گیا اور وہیں مقیم ہوگیا؛ تا کہ آنحضرت ﷺ سے دوری رہے۔

اس نے قریش سے وعدہ کرلیا تھا کہ جب قبیلۂ اوس سے میرا سامنا ہوگا تو دو آدمی بھی میرے خلاف نہ جائیں گے اور سب کے سب ہمارے حامی ہوجائیں گے، اس نے آواز دی، اے گروہ اوس! میں ابوعمرو ہوں، اوس نے — جو اَب اسلام قبول کرچکے تھے — کہا: اے بدکار! ہم تجھے پہچانتے ہیں، اللہ تجھے آنکھوں سے محروم کردے۔

جنگ جب شروع ہوئی تو ہند بنت عتبہ اور دوسری خواتین نے دُف بجا بجا کر رجزیہ اشعار پڑھنا اور مردوں کو جوش دلانا شروع کیا، ہندہ جو اشتعال انگیز اشعار پڑھ رہی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھا:

اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقِ وَ نَفْرِشِ النَّمَارِقِ
اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقِ فِرَاقَ غَیْرِ وَامِقِ

اگر تم مقابلہ میں ثابت قدم رہوگے، اور آگے بڑھ کر لڑوگے تو ہم

تمہیں سینہ سے لگائیں گے، اور تمہارے لئے قالینیں بچھائیں گے،
اور اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے، جس طرح وہ شخص
چھوڑ دیا جاتا ہے، جس سے کوئی محبت ہی نہ ہو۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا شِعَار (Code Word) اَمِتْ اَمِتْ تھا۔

تلوارِ نبوی ﷺ کا حق

جب میدانِ جنگ گرم ہوا تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے ہوئے دشمنوں کی صف میں گھس گئے، جو سامنے آتا، وہ بچ کر نہ جاتا — مشرکوں میں بھی ایک شخص تھا، جو اسی طرح حملے کر رہا تھا، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے، میں نے دُعاء کی، ان دونوں کی مڈبھیڑ ہوجائے، چنانچہ دونوں کا مقابلہ ہو ہی گیا، دونوں میں شمشیر زنی کا مقابلہ ہوا، مشرک کا وار ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار پر روک لیا، پھر اس زور سے اس پر تلوار چلائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، پھر اس کے بعد اپنا رُخ ہندہ بنت عتبہ کی طرف کیا، پھر اس خیال سے تلوار ہٹالی کہ یہ بات تلوار رسالت مآب ﷺ کی شان کے خلاف ہے کہ اس سے ایک عورت کو قتل کیا جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی جہاد میں مصروف تھے، انھوں نے مکہ کے علمبرداروں میں سے ایک اَرْطَاۃ بن عَبْد شُرَحْبِیْل کا کام تمام کردیا، پھر سِبَاع بن عبدالعزّیٰ غُبْشانی کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر وار کیا مگر وہ خطا ہوگیا، ادھر جبیر بن مُطْعِم کا وحشی غلام پہلے سے ان کی تاک میں تھا اور وحشیوں کے طریقہ کے مطابق نیزہ اندازی میں بڑا ماہر تھا، جبیر بن مطعم کا چچا طُعَیمہ بن عدی چوں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہو چکا تھا؛ اس لئے اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم نے محمد ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا تو میری غلامی سے آزاد ہوجاؤ گے؛ چنانچہ وحشی نے اس موقع کو غنیمت جان کر خوب نشانہ لگا کے نیزہ چلایا، جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ناف کے قریب لگا اور دونوں پیروں کے بیچ سے چیرتا ہوا نکل گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے

آگے بڑھ کر اس پر وار کرنا چاہا؛ مگر بے بس ہو کر گر پڑے۔(۱)

جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں

حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی مدافعت میں لڑتے لڑتے ابن قَمِئَہ لَیْثِی کے ہاتھوں شہید ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، جنگ نے جب شدت اختیار کی تو حضور ﷺ انصار کے جھنڈے کے نیچے بیٹھ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ وہ جھنڈا لے کر آگے بڑھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر للکارا، مشرکوں کی طرف سے ابوسَعد بن ابی طَلْحہ جھنڈا لئے ہوئے تھا، اس نے مقابلہ کی دعوت دی، دونوں صفوں سے نکل کر مقابلہ آراء ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پچھاڑ دیا، مگر قتل نہ کیا، لوگوں نے پوچھا تو کہا: اس کی شرمگاہ کھل گئی، مجھے اس پر رحم آ گیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان کا مقابلہ ہوا، حنظلہ رضی اللہ عنہ بھاری پڑ رہے تھے؛ مگر شداد بن اسود نے بھی ان پر حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گئے — آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے ساتھی حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، لوگوں نے ان کی اہلیہ سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کو غسل کی ضرورت تھی، جوں ہی جہاد کی منادی ہوئی، وہ اسی حالت میں گھر سے نکل گئے''۔

مسلمانوں کی فتح

بہر حال مسلمانوں پر اللہ کی مدد اور نصرت ہوئی، وہ فتحیاب ہوئے، قریش کو اس بار بھی شکست ہوئی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھیوں کو پائینچے اُٹھا اُٹھا کر بھاگتے ہوئے دیکھا ہے؛ یہاں تک کہ کوئی شخص ان کا جھنڈا اُٹھانے والا نہیں تھا۔

---

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ خود قاتل سے ابن ہشام نے کئی روایتوں میں نقل کیا ہے، اس کے انعام میں اس کو آزاد کر دیا گیا، بعد کو یہ ایمان لے آئے؛ لیکن حضور ﷺ نے شدت صدمہ کے باعث ان کو سامنے آنے سے روک دیا تھا اور وہ آپ ﷺ کی مجلس میں ہمیشہ چھپ کر بیٹھا کرتے تھے، یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اور جب اس سے جنگ ہوئی تو ٹھیک اسی نیزہ سے اس کو بھی قتل کیا اور خود ہی فرمایا: ''جہاں میں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، وہیں سب سے بدتر شخص (مسیلمہ) کو بھی قتل کیا۔

مسلمانوں پر عقبی حملہ

لیکن جب مسلمان غالب آ گئے، تو تیر اندازوں کا دستہ فوج سے آملا اور اسلامی فوج کی پشت کا حصہ خالی ہو گیا؛ چنانچہ کفار پیچھے کی جانب سے حملہ آور ہو گئے اور کسی شخص نے آواز لگادی کہ محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے، قریش کا جھنڈا سرنگوں پڑا تھا کہ اسے ایک خاتون عَمْرَہ بنت عَلْقَمہ حارِثِیَّہ نے اٹھایا اور قریش کا منتشر لشکر اس کے گرد جمع ہو گیا۔

حضور ﷺ پر یلغار

مسلمان منتشر ہو گئے اور دشمن ان پر غالب آنے لگے، یہ بڑی آزمائش کا دن تھا، بہت سے مسلمانوں کو شہادت کی عزت حاصل ہوئی، یہاں تک کہ لوگ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے، آپ ﷺ پہلو پر گر پڑے، سامنے کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے، روئے انور زخمی ہو گیا، لب مبارک پر بھی زخم آیا، آپ ﷺ کے روئے اقدس پر خون بہتا جاتا تھا، آپ ﷺ خون پونچھتے ہوئے فرماتے جاتے تھے "وہ قوم کیوں کر کامیاب ہو سکتی ہے، جو اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کر دے" — اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ (آلِ عمران:۱۲۸)

اس معاملہ میں تمہیں کوئی دخل نہیں، یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ چاہے تو ان سے درگزر کرے یا عذاب دے؛ کیوں کہ وہ یقیناً ظلم کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے سامنے کا نچلا دانت عتبہ بن وقاص کا تیر لگنے سے ٹوٹ گیا تھا اور اسی سے لب مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا، جبین مبارک پر عبداللہ بن شہاب زُہری نے زخم لگایا، ابن قَمِئَہ نے رخسار کے بالائی حصہ پر وار کیا، جس سے خود کی دو کڑیاں اندر گھس گئیں اور آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر پڑے، جسے ابو عامر نے خاص اسی لئے کھودا تھا کہ مسلمان فوجی گر پڑیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دست مبارک تھاما، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اُٹھایا،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے چہرہ کے زخم سے خون چوس چوس کر نکالا اور اسے نگل گئے۔(۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے خون نے جس کے خون کو چھوا، اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی'' اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ''وہ چلتا پھرتا شہید ہے''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری

حضور انور ﷺ پر جب دشمنوں نے یلغار کردی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو ہمارے لئے اپنی جان قربان کرے گا؟'' — زِیَاد بن سَکَن رضی اللہ عنہ پانچ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے باری باری جان دے دی، ان میں آخری صحابی زیاد رضی اللہ عنہ یا عُمارہ بن یزید رضی اللہ عنہ تھے، جو زخموں سے چور ہوکر گر پڑے، اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک اور گروہ اُٹھا اور حضور ﷺ کو نرغہ سے نکال لایا، آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ زیاد کو مجھ سے قریب کردو؛ چنانچہ ان کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت ابودجانہ حضور ﷺ پر جھک کر ڈھال بن گئے تھے اور حضور ﷺ پر پھینکے جانے والے تمام تیر ان کی پشت میں پیوست ہوتے جاتے تھے، حضرت سعد حضور ﷺ کی طرف سے مسلسل تیر پھینکتے جارہے تھے، آپ ﷺ ان کو تیر دیتے جاتے اور فرماتے جاتے: ''تیر پھینکو، تم پر ماں باپ قربان'' (ارمِ ، فداک أبي وأمي)۔

اس شکست اور حضور ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے بعد پہلے صحابی جنھوں نے آپ ﷺ کو پہچانا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھے، وہ کہتے ہیں میں نے آپ ﷺ کی آنکھوں کو خود سے چمکتے ہوئے دیکھا، یہ دیکھ کر میں نے آواز لگائی: یہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں،

(۱) رسول اللہ ﷺ کا خون گو اکثر علماء کے ہاں پاک ہے، تاہم جزوِ انسانی ہونے کی وجہ سے پینا اس کا بھی درست نہیں، یہاں چوں کہ فرطِ محبت میں وہ پی گئے، یا ممکن ہے اس وقت تک ان کو حرمت معلوم نہیں ہوئی ہو؛ اس لئے یہ ایک استثنائی صورت ہے۔

جب دوسرے مسلمانوں نے بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر پہچان لیا تو حضور ﷺ کے ساتھ گھاٹی کی طرف چلے، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت حارث رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

اُبی بن خَلَف کا قتل

آپ ﷺ جب گھاٹی پر چڑھ گئے تو اُبی بن خلف بھی پہنچا اور کہنے لگا ''اے محمد ﷺ! اگر تو زندہ رہ گیا تو خدا مجھے زندہ نہ رکھے'' — لوگوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: کیا ہم میں سے کوئی شخص اس کا مقابلہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو، جب وہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے نیزہ لیا، اس کی طرف بڑھے اور اس کی گردن پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ لڑکھڑا گیا — یہ وہی شخص تھا جو مکہ میں آپ ﷺ سے کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے، جسے میں روزانہ ایک ''فرَق''(۱) دانہ کھلاتا ہوں، میں اس پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا، آپ ﷺ جواب دیتے ''بلکہ انشاء اللہ میں تم کو قتل کروں گا''۔

اس واقعہ کے بعد وہ قریش کی طرف واپس لوٹا، اس کی گردن پر معمولی خراش تھی اور خون کا دوران رُک گیا تھا، مگر کہنے لگا: واللہ محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کر دیا — لوگوں نے کہا: یہ محض تیری پست ہمتی ہے، ورنہ تم کو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی ہے، اس نے کہا: مجھے محمد (ﷺ) نے مکہ ہی میں کہا تھا کہ تجھے قتل کر دوں گا، اب اگر وہ تھوک بھی دیتا تو میری جان چلی جاتی؛ چنانچہ مکہ جاتے ہوئے ''سَرِف'' کے مقام پر اس دشمن خدا کی موت واقع ہوگئی۔

شہداءِ اسلام کا مُثلہ

ہِند بنت عُتبَہ اور دوسری خواتین مسلم شہداء کا مثلہ کرنے لگیں، منھ، ناک، کان وغیرہ تراشے اور اس کے ہار، وغیرہ بنائے؛ یہاں تک کہ خود ہندہ نے اس قسم کا ہار پہنا، پھر جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ کے غلام کو دے دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چیر کر چبا ڈالا، اسے نگلنا چاہا، مگر نگل نہ سکی تو تھوک دیا، اور اونچی چٹان پر چڑھ کر یہ اشعار پڑھنے لگی:

(۱) یہ عرب کا ایک پیمانہ ہے، 'فرَق' راء کے زبر کے ساتھ اس پیمانہ کو کہتے تھے جس میں ۱۶/رطل یعنی تقریباً سات سیر غلہ آتا تھا اور 'فرْق' راء کے جزم کے ساتھ اس پیمانہ کو کہتے ہیں جس میں ایک ۱۲۰/رطل غلہ آتا تھا۔

نحن جزیناکم لیوم بدر　　والحرب بعد الحرب ذات سعی
ماکان من عتبة لی من صبر　　و لا اخی وعمہ و بکری

ہم نے تم سے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا، ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ
زیادہ جوش وخروش سے ہوتی ہے، عتبہ کا غم میرے لئے ناقابل برداشت تھا،
اور میرے علاوہ میرے بھائی، اس کے چچا اور میری اولاد کے لئے بھی۔

حُلَیْس بن زَبَّان کا ابوسفیان کے پاس سے گزر ہوا تو دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جبڑوں پر نیزہ کی نوک سے مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے: اپنی نافرمانی کا مزہ چکھ۔

ابوسفیان کی رعونت

جنگ کے بعد واپسی سے پہلے ابوسفیان پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''تو نے بہت اچھا کیا، جنگ میں اُلٹ پھیر ہوتی ہی ہے، ایک جنگ دوسری جنگ کا بدلہ ہوتی ہے، ہُبل!(۱) تو سر بلند ہوا'' — آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کہ اللہ ہی بلند و برتر ہے، ہم اور تم برابر نہیں ہیں، ہمارے مقتول جنتی ہیں اور تمہارے مقتول دوزخی''۔

ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ، ابوسفیان نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کیا واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے قتل کر دیا ہے؟ — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ وہ ابھی بھی تمہاری آواز سن رہے ہیں، ابوسفیان نے کہا تم ابن قَمِئَہ سے زیادہ سچے اور راست گو ہو، جس نے ہم لوگوں کو کہہ دیا ہے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے ندا لگائی کہ تمہارے مقتولوں میں بعض کا مثلہ بھی کیا گیا ہے؛ مگر میں نہ اس پر راضی تھا نہ ناراض، نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ روکا، پھر کہا کہ آئندہ سال

(۱) ہبل ('ہ' پر پیش 'ب' پر زبر) زمانۂ جاہلیت کا مشہور بُت تھا اور مشرکین جنگ کے موقع پر اسی کی بلندی و کبریائی کا نعرہ لگاتے تھے۔

بدر میں ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا، آپ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کہو: وہ ہمارے اور تمہارے درمیان مقرر ہے۔

دشمنوں پر نظر

اب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ دیکھیں قریش کیا کر رہے ہیں اور ان کے کیا ارادے ہیں؟ اگر وہ اپنے گھوڑے جنوب کی طرف موڑ رہے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کا ارادہ مکہ کا ہے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو پھر ان کا قصد مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ہے اور ایسی صورت میں خود بڑھ کر ان سے جنگ کروں گا — حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ گھوڑوں کا رُخ جنوبی سمت میں ہے، وہ اونٹ پر سوار ہو چکے ہیں اور مکہ کی طرف چل رہے ہیں۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس مرحلہ سے فارغ ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے شہداء کی طرف توجہ کی، آنحضرت ﷺ نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی کیفیت پوچھی کہ وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟ ایک انصاری ان کی تحقیق کے لئے نکلے، دیکھا کہ شہداء کے درمیان وہ زخمی پڑے ہیں اور زندگی کی تھوڑی سی رمق باقی ہے — وہ کہتے ہیں: میں نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا، حضور ﷺ نے مجھے دیکھنے کو کہا ہے کہ تم زندہ ہو یا مرنے والوں میں ہو؟ انھوں نے فرمایا: مرنے والوں میں — حضور ﷺ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ "اللہ آپ ﷺ کو وہ بہترین بدلہ دے جو کسی نبی کو اس کی اُمت کی طرف سے اللہ دیتے ہیں، اپنی قوم تک بھی میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ سعد رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ جب تک تمہاری آنکھوں میں جنبش کی طاقت ہے، آپ ﷺ کو کوئی صدمہ پہنچا تو خدا کے یہاں کوئی عذر کام نہ آئے گا" — انصار وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، انھوں نے واپس آ کر آپ ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا۔

حضرت حَمزَہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آپ ﷺ کا رنج واندوہ

اب حضور ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے، بطن وادی میں ان کی لاش ملی، ان

کا پیٹ اور جگر شق کر دیا گیا تھا، ناک اور کان کاٹ کر مثلہ بنایا گیا تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو فرطِ جذبات میں بول اُٹھے: اگر مجھے اللہ نے کسی جگہ قریش پر غلبہ عطا کیا تو میں ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کردوں گا''— صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ کا حزن و ملال دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں اللہ نے کبھی بھی غلبہ دیا تو ہم ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ کبھی عربوں نے اس طرح مثلہ کرتے نہ دیکھا ہوگا— حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی :

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۔ (النحل:۱۲۶-۱۲۷)

اگر تم سزا دینا چاہو تو اسی کے مثل دو، جتنی تم کو دی گئی ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر ہے اور آپ ﷺ صبر کیجئے اور آپ ﷺ کا صبر اللہ ہی کے ذریعہ سے ہے اور ان پر غمگین اور ان کے مکر و فریب سے تنگ دل نہ ہو جایئے۔

اس آیت کے نازل ہونے پر آپ ﷺ نے مثلہ سے منع فرما دیا۔

حضرت صَفِیَہ رضی اللہ عنہا کا صبر و تحمل

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے حقیقی بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھنے آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زُبیر بن عَوّام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو لوٹا دو، وہ اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکیں گی، زبیر نے والدہ ماجدہ سے عرض کیا تو جواب دیا، مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے اور یہ سب راہِ خدا میں ہوا ہے، میرے لئے اس سے زیادہ خوشنودی کی کوئی بات نہیں، انشاءاللہ میں صبر و ضبط سے کام لوں گی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا اور کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اور پھر ان کے لئے دُعاءِ مغفرت کی۔

شہداء پر نماز جنازہ

آپ ﷺ کے حکم سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں لپیٹا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی، اس کے بعد ایک ایک لاش لا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بازو میں رکھی جاتی اور ان پر نماز جنازہ ادا کی جاتی، اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ۷۲ دفعہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔

کچھ مسلمان اپنے مقتولوں کی لاش مدینہ لے آئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی؛ مگر پھر آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ جو جہاں شہید ہوئے ہیں، وہیں دفن کر دیا جائے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، حضرت عَمرو بن جَمُوح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عَمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی ایک ساتھ تدفین کا حکم دیا، شہداء کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جو جس قدر قرآن کا حافظ ہو، اس کے ساتھ اسی قسم کے شہید کو دفن کردو، دو دو اور تین تین شہداء کی ایک ہی قبر میں تدفین عمل میں آئی۔

نوحہ کی ممانعت

واپسی میں حضور ﷺ کا گزر انصار کے قبائل ـــــ بنو عبدالاشْہَل اور بنو ظفر ـــــ سے ہوا، جن میں خواتین اپنے شہداء پر رو رہی تھیں اور نوحہ کر رہی تھیں، آپ ﷺ نے سنا تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور رو پڑے، پھر فرمایا: مگر حمزہ رضی اللہ عنہ پر کوئی رونے والی نہیں ہے ـــــ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بنو عبدالاشہل کے ہاں واپس آئے تو عورتوں سے کہا کہ جائیں اور حضور ﷺ کے چچا پر نوحہ کریں۔

چنانچہ یہ لوگ مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے سنا تو باہر تشریف لائے اور کہا کہ تم نے تعزیت کا حق ادا کر دیا، اب واپس چلی جاؤ ـــــ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انصار پہلے ہی سے غم خوار واقع ہوئے ہیں ـــــ اس کے بعد اسی روز سے نوحہ و ماتم کی ممانعت کر دی گئی۔

آپ ﷺ ہیں تو ساری مصیبتیں ہیچ ہیں!

بنو دینار کی ایک خاتون تھیں، ان کے شوہر، بھائی اور والد تینوں ہی اُحد میں شہید

ہو گئے، اُحد سے واپسی میں لوگوں نے اطلاع دی، دریافت کیا: حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: بحمد اللہ بخیر ہیں، کہنے لگیں: آپ ﷺ کا دیدار کرادو، لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرکے بتایا، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہہ اُٹھیں: ''آپ ﷺ زندہ ہیں تو یہ ساری مصیبتیں ہلکی ہیں'' (كل مصيبة بعدك جَلَل)۔

تلواریں دھوئی گئیں

مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے اپنی تلوار صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے سپرد کی کہ اسے دھو ڈالیں اور فرمایا کہ یہ تلوار وفادار ثابت ہوئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار حوالہ کی اور یہی فقرہ کہا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنگ میں اگر تم نے ثابت قدمی اور وفاداری کا مظاہرہ کیا ہے تو ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بھی کیا، غزوۂ اُحد ۱۵ شوال ہفتہ کے دن ہوئی تھی۔

حمراء الاسد تک تعاقب

دوسرے دن ۱۶/شوال اتوار کو پھر حضور ﷺ کے منادی نے مدینہ سے کوچ کرنے کا اعلان کیا اور یہ بھی کہ جو کل ہمارے ساتھ نہ تھا، وہ آج بھی شریک نہ ہو، صرف جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جن کے والد اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور خود وہ اپنی سات بہنوں کے ساتھ رک گئے تھے، اپنی معذوری بیان کر کے ساتھ نہ چلنے کی اجازت حاصل کر لی، یہ آپ ﷺ کا نکلنا اس لئے تھا کہ دشمن پر رعب قائم رہے اور وہ مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں، چنانچہ آپ ﷺ حمراء الاسد تک گئے، جو مدینہ سے ۸ میل کی دوری پر ہے، وہاں پیر، منگل اور چہار شنبہ کو قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آ گئے ـــ اس درمیان مدینہ پر آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرمایا تھا۔

مَعْبَد خُزَاعی سے ملاقات

اس موقع پر آپ ﷺ کی ملاقات مَعْبَد خُزَاعی سے بھی ہوئی، بنو خُزَاعَہ کے مسلمان اور مشرکین دونوں ہی مسلمانوں کے دوست اور بہی خواہ تھے اور آپ ﷺ سے کوئی بات

چھپاتے نہیں تھے، خود مَعْبد بھی اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، کہا ''خدا کی قسم! آپ ﷺ پر جو مصیبت آئی، وہ مجھ پر گراں گزری ہے، ہماری خواہش ہے کہ اللہ ان کے درمیان آپ ﷺ کو عافیت میں رکھے''۔

آگے روحاء کے مقام پر مَعْبَد کی ملاقات ابوسفیان سے ہوئی، ابوسفیان اور اس کے تمام ساتھی متفق تھے کہ چوں کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے فوجی قائدین جنگ میں کام آچکے ہیں؛ اس لئے اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بقیہ لوگوں کا بھی استیصال اور مکمل خاتمہ کر دیا جائے، ابوسفیان نے معبد سے پوچھا: تمہارے پیچھے کیا حالات ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ''محمد ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری جستجو میں نکلے ہیں کہ میں نے اس جیسا لشکر نہیں دیکھا، وہ لوگ سخت غیض وغضب میں ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی ساتھ آگئے ہیں اور اپنے کئے پر پشیمان ہیں''۔

ابوسفیان نے کہا: تمہارا برا ہو، تم کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ان کے گھوڑوں کو دیکھ لوگے، ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! ہم نے طے کرلیا ہے کہ مسلمانوں کی بقیہ فوج کا بھی استیصال کر دیں گے، معبد نے کہا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں؛ کیوں کہ میں نے ان کی جو فوجی قوت دیکھی ہے، اس کو دیکھ کر چند اشعار بھی کہے ہیں، ابوسفیان کی فرمائش پر معبد نے وہ اشعار بھی سنائے، جو مسلمانوں کی فوجی قوت، حوصلہ مندی اور جوشِ جہاد کے سلسلہ میں تھے۔

ابوسفیان کی واپسی

صفوان بن اُمیہ نے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ دوبارہ حملہ نہ کرو، مسلمان شدید غصہ میں ہیں اور ہم کو اندیشہ ہے کہ اب جنگ ویسی نہ ہوگی، جیسی ابھی ہوئی ہے، اب واپس ہی چلو؛ چنانچہ وہ واپس ہوگئے۔

حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا :

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ ! لَقَدْ سُوِّمَتْ لَھُمْ حِجَارَۃٌ لَوْ صَبَّحَوا بِھَا لَکَانُوْا کَاَمْسِ الذَّاھِبِ۔

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان کے لئے
پتھروں پر (عذابِ الٰہی) کی علامتیں لگ چکی تھیں، اگر انھیں صبح کو
اس سے سابقہ پیش آتا تو وہ گزرے ہوئے کل کی طرح بے نام
ونشان ہوجاتے۔

ابوعَزَّہ اور معاویہ کا قتل

راستہ میں آپ ﷺ کو ابوعَزّہ اور مُعاوِیَہ بن مُغیرَہ ملا، ابوعزہ بدر میں قید ہوا تھا اور آپ ﷺ نے اسے بلا فدیہ رہا کر دیا تھا، اس نے پھر درگزر کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھے پھر یہ موقع دینا نہیں چاہتا کہ تو مکہ میں فخر یہ کہے: میں نے محمد ﷺ کو دوبارہ دھوکہ دے دیا، پھر فرمایا: زبیر رضی اللہ عنہ! اس کی گردن اُڑادو؛ چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی ـــــ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کا حکم دیا اور انھوں نے اسے قتل کر دیا۔(۱)

معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں پناہ لے کر امن کی درخواست کی تھی، آپ ﷺ نے درخواست منظور فرما کر تین دنوں کے اندر نکل جانے کا حکم دیا اور متنبہ کر دیا کہ اس کے بعد پایا گیا تو قتل کر دیا جائے گا؛ مگر تین دن گزر جانے کے باوجود وہ چھپتا رہا؛ چنانچہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم سے اس کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن اُبی کی بدبختی

عبداللہ بن اُبی چوں کہ مدینہ میں سردارِ قوم اور معزز سمجھا جاتا تھا؛ اس لئے جمعہ کے دن اس کے لئے ایک خاص جگہ مقرر تھی، جہاں وہ نماز ادا کیا کرتا تھا، حضور ﷺ جب خطبہ کے لئے بیٹھتے تو وہ کھڑا ہوکر کہتا :

(۱) بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا رویہ سخت اس لئے ہوگیا کہ ان لوگوں نے مکہ پہنچ کر انتہائی احسان فراموشی اور بے مروتی کا ثبوت دیا، اشعار پڑھ پڑھ کر اور مختلف قبائل میں گھر گھر جنگ کی آگ بھڑکائی اور حضور ﷺ کے درگزر کو بے وقوفی اور اپنی ہوشیاری کا نام دیا۔

اے لوگو! یہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اللہ نے ان کے ذریعہ تم کو عزت اور عظمت عطا کی ہے، تم ان کی مدد اور نصرت کرو، ان کا کہا سنو اور مانو۔

یہ کہہ کر بیٹھ جاتا، حضور ﷺ کی مدینہ میں آمد کے بعد سے اس کا مستقل یہی معمول تھا، پھر اُحد کے دن اس نے یہ حرکت کی کہ اپنے زیر اثر لوگوں کو لے کر واپس آ گیا— غزوۂ اُحد کے بعد پھر اس نے معمول کے مطابق تقریر کرنی چاہی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور کہا: ''او دشمن خدا! بیٹھ جا، تو اس کا اہل نہیں ہے، تو جو حرکت کر چکا ہے وہ تجھے معلوم ہے'' — وہ لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے باہر آ گیا، وہ کہتا جا رہا تھا کہ میں محمد ﷺ ہی کی مدد اور ان کے معاملہ کو مستحکم کرنے کی غرض سے اُٹھا تھا؛ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے کوئی بات بُری کہہ دی ہو۔

مسجد کے دروازے پر ایک انصاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے دریافت کیا کہ تمہاری بربادی ہو، تم کو کیا ہو گیا ہے؟ عبداللہ بن اُبی نے جواب دیا: میں کھڑا ہوا کہ محمد ﷺ کے معاملہ کو اور مضبوط کروں، تو مجھ پر ان کے چند ساتھی جھپٹ پڑے، وہ مجھے کھینچنے اور برا بھلا کہنے لگے کہ گویا میں نے کوئی بری بات کہہ دی ہو،

انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم واپس چلو، آنحضرت ﷺ تمہارے لئے دُعاءِ مغفرت کر دیں گے، اس نے انکار کیا اور کہا: مجھے ان کی دُعائے مغفرت کی ضرورت نہیں ہے، (العیاذ باللہ) اس غزوہ میں ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور ۲۲ کفار قتل کئے گئے۔

☆ ☆ ☆

رجیع کا واقعہ (۳ھ)

غزوۂ اُحد کے بعد قبیلۂ عَضَل اور قارہ کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، یہ دونوں قبائل ہون بن خزیمہ بن مدرکہ کی شاخیں ہیں، ان لوگوں نے درخواست کی کہ ہم لوگ مسلمان ہیں، ہمارے ساتھ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجئے جو ہمیں دین کی تعلیم دیں، قرآن پڑھائیں اور اسلام کے احکام سمجھائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ٦ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ کر دیا، وہ یہ ہیں :

مَرْ ثَدْ بن ابی مَرْ ثَدْ رضی اللہ عنہ، خالد بن بُکَیر رضی اللہ عنہ، عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ،

خُبَیْب بن عَدِی رضی اللہ عنہ، زید بن دَثِنَہْ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ،

حضرت مَرْ ثَدْ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

جب یہ لوگ مقام ''رَجِیع'' پر پہنچے جو حجاز کے ایک علاقہ میں واقع تھا، یہیں پانی کا چشمہ تھا، جس سے بنو ہُذَیل پانی لیا کرتے تھے، تو اہل قافلہ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوکہ دیا اور بنو ہذیل کو اپنی مدد کے لئے پکارنے لگے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اپنے کجاووں میں رہے، صرف چند آدمی جن کے ہاتھ میں تلوار تھی، نیچے اُترے، ان پر حملہ آور ہو گئے اور جنگ کے لئے ان سے تلواریں چھین لیں، قافلہ والوں نے ان سے کہا: خدا کی قسم! ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے، صرف یہ چاہتے ہیں کہ اہل مکہ کی ایک چیز تم کو پہنچا دیں اور ہم اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ تم کو قتل نہ کریں گے۔

مَرْ ثَدْ بن ابی مَرْ ثَدْ رضی اللہ عنہ، خالد بن بُکَیر رضی اللہ عنہ اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی اور کہا کہ میں کسی مشرک اور کافر کے وعدہ پر اعتماد نہیں کر سکتا، اس موقع پر عاصم رضی اللہ عنہ نے چند اشعار بھی پڑھے :

مَا عِلَّتِيْ وَأَنَا جَلْدٌ نَابِلُ   وَالْقَوْسُ فِيْهَا وَتَرٌ عُنَابِلُ
تَزِلُّ عَنْ صَفْحِهَا الْمَعَابِلُ   اَلْمَوْتُ حَقٌّ وَالْحَيَاةُ بَاطِلُ
وَكُلُّ مَاحَمَّ الْاِلٰهُ نَازِلُ   بِا الْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ اٰئِلُ

مجھ میں کس بات کی کمی ہے؛ حالاں کہ میں بہادر اور عمدہ تیر انداز ہوں
اور میری کمان میں سخت تانت لگی ہوئی ہے
جس سے دھار دار تیر تیزی سے نکل سکتے ہیں
اور موت برحق ہے اور زندگی ختم ہونے والی ہے
آپ پر جو چیز اللہ نے مقرر کردی ہے ، وہ تو ہوکر ہی رہے گی
اور آدمی کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

یہ تینوں حضرات برسر موقع ہی کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے سر کی حفاظت

بنو ہُذَیل چاہتے تھے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر سُلاَفَہ بنت سَعْدْ کو بیچ دیں؛ کیوں کہ اس کے دو بیٹوں کو غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اور اس نے نذر مانی تھی کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے سر کا پیالہ بنا کر شراب پیے گا، مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ شہد کی مکھیوں نے ان کے سر کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ ان کے سر لے جانے پر قادر نہ ہو سکے وہ تھوڑی دیر کے لئے ہٹ گئے کہ شام تک مکھیاں چلی جائیں گی تو ہم اسے لے لیں گے — مگر بارش ہوئی، وادی میں پانی بہہ گیا اور پانی سر کو بہا لے گیا، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ عاصم رضی اللہ عنہ نے عہد کیا تھا کہ نہ ان کو کوئی مشرک چھوئے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے، اللہ نے اپنے بندۂ مومن کے اس عہد کو زندگی میں بھی پورا کیا اور موت کے بعد بھی۔

اب تین صحابہ رضی اللہ عنہم بچ گئے جو کمزور پڑ گئے، انھوں نے اس اُمید پر کہ شاید زندہ رہنے دیں، اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا اور وہ قید کر لئے گئے، مقام ظہران کے پاس پہنچ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کی رسی کھول لی اور تلوار لے لی، یہ دیکھ کر دشمن پیچھے بھاگ پڑا اور دور سے پتھراؤ شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہیں پر وہ شہید ہو گئے۔

خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت خُبَیْبُ بن عَدِی رضی اللہ عنہ اور زید بن دَثِنَّہ رضی اللہ عنہ مکہ لائے گئے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حُجَیْر بن اَبی اِہَابُ نے خریدا؛ تاکہ اپنے والد عُقْبَہ بن حارث کے قتل کا بدلہ لے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صَفْوَان بن اُمیہ نے اپنے باپ اُمَیَّہ بن خَلَفْ کے بدلے قتل کردیا — صفوان اپنے غلام نِسْطَاس کو حرم کی حدود سے باہر تنعیم میں لے گیا، قریش کی ایک جماعت بھی ساتھ ساتھ تھی، جس میں ابوسفیان بھی تھا، اور اپنے اس غلام سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا، شہادت کے وقت ابوسفیان نے پوچھا کہ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں: کیا تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ابھی تمہاری جگہ محمد (ﷺ) قتل کئے جاتے اور تم اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟ انھوں نے فرمایا: مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میں اپنے گھر میں رہوں اور آپ ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔

ابوسفیان نے کہا: ''واقعہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) جس قدر ان سے محبت کرتے ہیں، میں نے کسی کو کسی سے محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بھی لوگ سولی دینے کے لئے تنعیم ہی کے مقام پر لائے، انھوں نے دو رکعت نماز کی اجازت لی، نماز ادا کی اور نماز کے بعد قریش سے کہا: اگر تم یہ نہ سمجھتے کہ قتل کے ڈر سے میں نماز لمبی کئے جارہا ہوں تو میں ابھی اور نمازیں پڑھتا — یہ حضرت خُبَیْب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی، اس کے بعد لوگوں نے ان کو پھانسی دینے کے لئے لکڑی پر چڑھایا اور باندھ دیا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ! ہم نے آپ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچادیا ہے، آپ بھی کل تک رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچادیجئے، اے اللہ! کافروں کو اکٹھا کرکے ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ہلاک کردے اور کسی کو نہ چھوڑ''۔

چنانچہ وحی کے ذریعہ جناب رسالت مآب ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، اِن ہی حضرات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ (البقرہ:۲۰۷)

اور کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ بھی اپنے بندوں پر شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔

☆ ☆ ☆

بئر معونہ کا واقعہ

شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ۳ھ اور محرم ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ کا قیام مدینہ ہی میں رہا اور کوئی نئی بات پیش نہیں آئی، واقعہ اُحد کے چوتھے مہینہ صفر کی بات ہے کہ ابوبَرَاْء عامر ابن مالک جو برچھیوں سے کھیلا کرتا تھا، مدینہ منورہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ نے اس پر اسلام پیش کیا، اس نے اسلام تو قبول نہ کیا؛ مگر اسلام سے نفرت بھی ظاہر نہ کی اور کہا کہ اگر آپ ﷺ اپنے کچھ اصحاب رضی اللہ عنہم کو اہل نجد کے پاس بھیجیں تو اُمید ہے کہ وہ آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہیں گے، آپ ﷺ نے ان کی طرف سے خطرہ کا اظہار کیا، ابو براء نے کہا: میں ان کو پناہ دیتا ہوں، آپ ﷺ انھیں روانہ فرما دیجئے کہ وہ لوگوں کو آپ ﷺ کے دین کی طرف دعوت دیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے چالیس بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ روانہ کیا، ان ہی صحابہ میں مُنْذِر بن عمر رضی اللہ عنہ، حارث بن صِمَّہ رضی اللہ عنہ، حَرام بن مِلْحَان رضی اللہ عنہ، عُرْوَہ بن اَسْمَاء رضی اللہ عنہ، نافع بن بُدَیْل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خادم عامر بن فُہَیْرَہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، یہ لوگ بئر معونہ تک پہنچے، جو بنو عامر اور بنو سلیم کے محلوں کے درمیان واقع ہے اور بنو سلیم سے زیادہ قریب ہے، حضرت منذر بن عمر رضی اللہ عنہ اس قافلہ کے امیر تھے۔

بئر معونہ پہنچنے کے بعد ان حضرات نے دشمن خدا عامر بن طُفَیْل کے پاس حرام بن مِلْحَان رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا مکتوب گرامی دے کر بھیجا، اس شخص نے خط دیکھنے سے پہلے ہی حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور بنو عامر کو مسلمانوں کے اس قافلہ کے خلاف مدد کے لئے پکارنے لگا؛ لیکن وہ لوگ ابو براء کے عہد کی وجہ سے اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، تب اس نے بنو سلیم کو آواز دی، بنو سلیم نکلے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے، مسلمان ابھی اپنے کجاووں ہی میں تھے کہ انھوں نے اپنی تلواریں سنبھال لیں اور دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، صرف

ایک صحابی حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ بچ سکے، ان کو بھی دشمنوں نے اس حال میں چھوڑا کہ ذرا سی جان باقی تھی، وہ اُٹھا کر لائے گئے اور زندہ رہے؛ یہاں تک کہ غزوۂ خندق میں شہید ہو گئے۔

عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ اور منذر بن محمد رضی اللہ عنہ

اسی قافلہ میں عَمرو بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ اور مُنذِر بن محمد رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو شاید پیچھے رہ گئے تھے، ان کو اپنے ساتھیوں کی کوئی اطلاع نہیں تھی، جب لاشوں پر پرندے اُڑنے لگے تو انھیں اندازہ ہوا کہ کوئی خاص بات پیش آئی ہے، آگے بڑھ کر دیکھا تو اہل قافلہ شہید کئے جا چکے تھے اور حملہ آور بھی وہیں موجود تھے، حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اب تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ حضور ﷺ سے جاملیں اور آپ ﷺ کو حالات سے آگاہ کر دیں، حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ نے کہا: منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد اب مجھے زندگی سے کوئی محبت نہیں اور اس کے بعد دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور لڑتے ہوئے جان دے دی، عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ قید کر لئے گئے، جب انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مُضَر سے ہے تو عامر بن طُفَیل نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا، جن پر ایک غلام کا آزاد کرنا واجب تھا۔

عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ واپس ہوتے ہوئے وادیٔ قَنَاۃ کے قریب قَرقَرہ نامی جگہ پر پہنچے تو بنو عامر کے دو آدمی آئے اور ان کے ساتھ ہو گئے، بنو عامر کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلے سے معاہدہ تھا، جس کا عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا، انھوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ بنو عامر سے شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بدلہ لیا جائے، ان دونوں کو قتل کر دیا، حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کیا ہے، جن کی دیت میں ضرور ادا کروں گا، نیز فرمایا کہ یہ ابوبَرَاء کا کام ہے، میں پہلے ہی سے ڈر رہا تھا اور اس کو برا سمجھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بنونضیر کی جلاوطنی

بنو عامر کے ان دونوں مقتولوں کی دیت کے سلسلہ میں مدد مانگنے کے لئے حضور ﷺ بنونضیر کے یہاں گئے، جو خود بھی بنو عامر کے حلیف تھے، ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کی حسب خواہ مدد کریں گے، پھر یہ لوگ تنہائی میں مشورہ کرنے لگے کہ اس سے بہتر موقعہ پھر نہ پاؤ گے کہ کوئی شخص اس مکان پر چڑھے اور اوپر سے محمد (ﷺ) پر ایک چٹان گرادے؛ تاکہ ہمیں اس سے نجات مل جائے، اس وقت حضور ﷺ ایک مکان کی دیوار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس کام کے لئے عمر بن جحّاش تیار ہوا اور وہ اسی نیت سے اوپر چڑھا، حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ ان کے عزائم کی اطلاع دے دی گئی، آپ ﷺ اُٹھے اور مدینہ واپس تشریف لے آئے، یہاں جب آپ ﷺ کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو صحابہ حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے، رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو یہودیوں کے فریب کی اطلاع دی اور بنونضیر سے جنگ کے لئے کوچ کرنے کا حکم فرمایا، مدینہ پر حضرت عبداللہ ابن اُمِّ مَکتُوم رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا، یہ واقعہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا، چھ دنوں تک آپ ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ جاری رکھا اور حکم دیا کہ ان کے درخت کاٹ دیئے جائیں اور ان میں آگ لگادی جائے۔

بنوعوف کے کچھ لوگ نیز عبداللہ بن ابی، وَدِیْعَہ، مالک بن ابی قَوْقَل، سُوَیْد، دَاعِس وغیرہ منافقین نے بنونضیر کو اطلاع بھیجی کہ تم ثابت قدم رہو، ہم تمہیں چھوڑ نہیں دیں گے، جنگ ہوئی تو ہم بھی جنگ کریں گے اور تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، وہ لوگ مدد کے منتظر رہے؛ مگر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انھوں کوئی مدد نہیں کی،

بنونضیر نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ انھیں جلا وطن کردیا جائے؛ لیکن قتل نہ کیا جائے اور ہر شخص کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ ہتھیاروں کے علاوہ ایک اونٹ پر جتنا مال آسکے لے جائے، حضور ﷺ اس کے لئے تیار ہوگئے اور وہ حسب معاہدہ ایک ایک اونٹ سامان لے گئے، ان میں بعض لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے مکان توڑ کر چوکھٹوں کو بھی ساتھ لے جارہے تھے، کچھ لوگ خیبر گئے اور بعض شام چلے گئے، خیبر جانے والے رؤساء یہود میں سَلّام بن اَبی الحُقَیق، کِنَانَہ بن ربیع اور حُیَیّ بن اَخطَب بھی ہیں۔

بنونضیر کے جو مال رہ گئے، وہ بطور خاص آپ ﷺ ہی کے لئے تھے کہ آپ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں، آپ ﷺ نے یہ مال صرف مہاجرین اولین میں تقسیم فرمادیئے، انصار میں سے حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ان کے افلاس وفقر کی وجہ سے کچھ عطا فرمایا —— اسی موقعہ پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور پوری سورۂ حشر اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل کی گئی۔

☆ ☆ ☆

غزوۂ ذات الرقاع

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاول اور جمادی الاولیٰ (۴ھ) کے ابتدائی ایام مدینہ ہی میں گزارے، پھر قبیلہ بنومُحارِب، قبیلہ بنوثَعلبہ اور قبیلہ غِطفان سے جنگ کے ارادہ سے نَجد کا رُخ کیا، مدینہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا اور مقام نخل میں پڑاؤ ڈالا، یہی ''غزوۂ ذَاتُ الرِقاع'' ہے، یہاں قبیلۂ غِطفان کی ایک بڑی جماعت سے سامنا ہوا، دونوں گروہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے، جنگ کی نوبت نہیں آئی، مگر ایک دوسرے کے درمیان خوف و دہشت کی فضاء پیدا ہوگئی؛ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی لوگوں کے ساتھ صلوٰۃ خوف ادا کی، اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔

ایک معجزہ کا ظہور

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں ایک کمزور اونٹ پر بیٹھ کر مقام نخل گیا تھا، جب آپ ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے، اس وقت میرے سب ساتھی آگے نکل چکے تھے اور میں پیچھے ہوتا جا رہا تھا؛ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ میرے قریب پہنچ گئے اور فرمایا: ''تم کو کیا ہو گیا اے جابر رضی اللہ عنہ!؟'' میں نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میرے اسی اونٹ نے مجھے پیچھے کر دیا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی لکڑی مجھے دو، یا پھر کسی درخت سے ایک لکڑی کاٹ لاؤ، میں نے حکم کی تعمیل کی، آپ ﷺ نے لکڑی سے میرے اونٹ کو کئی مرتبہ کونچا، پھر فرمایا: اب سوار ہو جاؤ — میں سوار ہو گیا، قسم ہے اس ذات کی! جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ میرا اونٹ اب حضور ﷺ کی اونٹنی کے برابر تیز چل رہا تھا۔

انصار و مہاجر کا پہرہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ اسی غزوہ میں کسی نے ایک مشرک کی بیوی کو مار

ڈالا، اس وقت اس کا شوہر موجود نہ تھا، جب اس کو واقعہ کا علم ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ وہ ضرور آپ ﷺ کے اصحاب ؓ میں سے کسی کا خون بہائے گا؛ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پیچھے ہو گیا، آپ ﷺ ایک مقام پر ٹھہرے اور فرمایا کہ آج کی رات میری کون حفاظت کرے گا؟ —— اس پر مہاجرین وانصار میں سے ایک ایک صحابی تیار ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا، تو اس گھاٹی کے دہانے پر ٹھہر جاؤ؛ چنانچہ وہ دونوں چلے گئے، انصاری نے مہاجر سے کہا کہ تم رات کے کونسے حصہ میں نگرانی کی ذمہ داری چاہتے ہو، رات کے پہلے حصہ میں یا آخری حصہ میں؟ مہاجر نے کہا: آپ رات کے پہلے حصہ میں نگرانی کا ذمہ لے لیں، چنانچہ وہ سو گئے اور انصاری نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

اب وہ شخص (مقتولہ کا شوہر) پہنچا، وہ انصاری کو دیکھ کر تو سمجھ گیا کہ یہ جماعت کا نگہبان ہے، اس نے ایک تیر پھینکا جو انصاری کے جسم میں پیوست ہو گیا، انھوں نے اس کو نکال پھینکا اور نماز میں مشغول رہے، اس نے پھر دوسرا تیر پھینکا، یہ دونوں ہی تیر ان کے بدن میں لگے؛ لیکن انھوں نے اسے نکال دیا، رکوع وسجدہ کیا، نماز ختم کی اور اپنے ساتھی کو جگایا، کہا کہ اُٹھو میں زخمی ہو گیا ہوں، جب مقتولہ کے شوہر نے ان دونوں کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھ کو پہچان گئے ہیں؛ چنانچہ وہ بھاگ گیا۔

مہاجر نے انصاری کو خون میں لت پت دیکھ کر کہا: تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا؟ —— انصاری نے کہا: ''میں ایک ایسی سورۃ پڑھ رہا تھا کہ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ اسے ختم کرنے سے پہلے ہی چھوڑ دوں؛ لیکن جب اس نے مسلسل تیر اندازی شروع کی تو میں نے رُکوع کیا اور نماز ختم کر کے آپ کو مطلع کیا ہے، خدا کی قسم! اگر مجھے اس بات کا خیال نہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہے تو میں اس سورۃ کو ضرور پورا کر لیتا، چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی''۔

رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے واپسی کے بعد بقیہ جمادی الاولیٰ، نیز جمادی الاخریٰ اور پھر رجب (۴ھ) کے مہینوں میں مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

☆ ☆ ☆

غزوۂ بدر ثانیہ

اس کے بعد شعبان میں رسول اللہ ﷺ ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق بدر کے مقام پر پہنچے اور آٹھ راتوں تک ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے، ادھر ابوسفیان مکہ والوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا؛ لیکن جب وہ ''ظَہْرَانْ'' کے ایک کنارہ مقام ''مَجَنَّہْ'' پر پہنچا تو وہیں رک گیا اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے قریش! جنگ کے لئے ہریالی وشادابی کا سال ہی تمہیں زیادہ بہتر ہے، جس میں تم اپنے اونٹوں کو پتہ کھلا سکتے ہو اور ان کا دودھ پی سکتے ہو، یہ سال تو قحط کا سال ہے؛ اس لئے میں تو واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس ہو جاؤ'' — چنانچہ یہ لوگ واپس ہو گئے اور انھوں نے اس کا نام ''جَیْشُ السَّوِیق'' رکھا، وہ کہتے تھے کہ ہم ستو پینے کے لئے نکلے تھے۔(۱)

ادھر رسول اللہ ﷺ بدر کے مقام پر ابوسفیان کے منتظر تھے کہ آپ کے پاس مَخْشِیُّ بن عمر ضَمْرِیُّ آیا، یہ شخص وہ ہے، جس نے غزوۂ وَدَّان میں بنوضَمُرَہْ کی طرف سے مصالحت کی تھی، اس نے کہا: ''اے محمد (ﷺ!) کیا اس مقام پر قریش سے لڑنے آئے ہیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں اے بنوضمرہ کے بھائی! اگر تمہارا ابھی یہی ارادہ ہو تو پھر میں اس عہد کو جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہوا تھا واپس لے لوں اور جنگ کروں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے'' — مَخْشِیُّ نے کہا: ''نہیں اے محمد (ﷺ) خدا کی قسم! مجھے آپ (ﷺ) سے جنگ کی ضرورت نہیں ہے''۔

غزوۂ دَوْمَۃُ الْجَنْدَلْ

رسول اللہ ﷺ بدر سے مدینہ واپس تشریف لائے اور ذوالحجہ ۴ھ تک یہیں قیام فرمایا،

(۱) ''سویق'' کے معنی ''ستو'' کے ہیں۔

اس سال حج کا نظم بھی ونسق مشرکوں ہی کے ہاتھ میں رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کے ارادہ سے دومۃ الجندل کا رُخ کیا؛ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے، مقابلہ کی نوبت نہ آئی، پھر باقی سال آپ ﷺ نے مدینہ ہی میں گزارا۔

☆ ☆ ☆

غزوۂ خندق

غزوۂ خندق شوال ۵ ھ میں ہوا، غزوۂ خندق کا واقعہ یہ ہے کہ کچھ سردارانِ یہود سَلاَّم بن ابوالحُقَیْق نَضَرِیْ، حُیَیْ بن اَخْطَبْ نَضَرِی کِنَانَہ بن ابوالحُقَیْق نَضَرِیْ، ہَوْذَۃ بن قیس وَائلی، ابوعَمّار وائلی اور قبیلہ بنونضیر و بنووائل کے کچھ اور یہودی قریش مکہ کے پاس آئے، ان کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی دعوت دی اور کہا کہ ہم بھی تمہارا ساتھ دیں گے، یہاں تک کہ محمد (ﷺ) کا قلع قمع کر دیں، مکہ والوں نے ان سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو، تم ہی بتاؤ کہ ہمارا دین زیادہ بہتر ہے یا محمد ﷺ کا؟ ان لوگوں نے کہا کہ ''تمہارا دین اُن کے دین سے بہتر ہے'' — ان کی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا ہے :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ، اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ، اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ، فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ـ (النساء:۵۱-۵۵)

کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا، جنھیں کتاب اللہ سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ وہ بتوں کے اور شریر قوتوں کے معتقد ہو گئے ہیں اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ

راہِ راست پر ہیں، جان لو! یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت ہے
اور جس پر بھی اس کی لعنت ہو، ممکن نہیں کہ تم کسی کو اس کا مددگار پاؤ،
پھر کیا یہ بات ہے کہ ان کے قبضہ میں بادشاہت کا کوئی حصہ ہے
اور اس لئے نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی کچھ مل جائے ؟
یا پھر خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کا
انھیں حسد ہے؟ اگر یہی بات ہے تو ہم نے خاندانِ ابراہیم کو کتاب
اور حکمت دی تھی اور ساتھ ہی عظیم الشان سلطنت بھی عطا فرمائی تھی،
پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو ایمان لائے اور بعض نے روگردانی
کی، دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ان کے لئے کافی ہے۔

قریش جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے اور انھوں نے تیاری شروع کردی، پھر یہ لوگ قبیلۂ غِطْفان کے پاس آئے، اور ان لوگوں کو بھی جنگ پر اُکسایا اور کہا کہ ہم بھی جنگ میں ساتھ ہوں گے اور قریش بھی؛ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔

اس طرح قریش، ابوسفیان کی قیادت میں، غطفان، عُیَیْنَہ بن حِصْن کی قیادت میں بنومُرَّہ، حارث بن عوف کی قیادت میں اور بنواشجع، مِسْعَر بن رُخَیْلہ کی قیادت میں نکلے۔

حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو مدینہ کے گرد خندق کھدوائی، رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس اس کام میں شرکت فرمائی؛ تاکہ مسلمانوں کو ترغیب ہو سکے، مسلمانوں نے بھی بڑے جوش وخروش سے کام میں حصہ لیا؛ البتہ منافقین تساہل سے کام لیتے رہے، اِدھر خندق مکمل ہوئی، اُدھر قریش نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ جُرُف اور زَغابہ کے درمیان آ کر پڑاؤ ڈال دیا اور بنوغطفان اور اہل نجد اُحد کے کنارے ذَنَبِ نَقَمِی پر آ کر فروکش ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا عامل عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، خواتین اور بچوں کو از راہِ حفاظت قلعوں میں پہنچا دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر اس طرح نکلے کہ ''سَلَع'' نامی پہاڑ پشت کی جانب تھا اور سامنے خندق تھی، جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان حائل تھی۔

بنو قُریظہ کی عہد شکنی

حُیَیُّ بن اَخْطَبْ، بنو قریظہ کے سردار ''کَعْب بن اسد'' کے پاس آیا، بنوقریظہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر چکے تھے، اس لئے جوں ہی اس کو حُیَیُّ بن اخطب کی آمد کی اطلاع ملی، قلعہ بند کرلیا، حُیَیُّ نے دروازہ کھولنے کو کہا؛ مگر کعب نے انکار کیا اور کہا: میں محمد (ﷺ) سے عہد کر چکا ہوں، میں نے ان کو راست گو اور وفادار پایا ہے، میں عہد شکنی نہیں کر سکتا، حی نے کہا: ''تمہارا بُرا ہو، تم دروازہ تو کھولو، میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں'' کعب نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کر سکتا، حُیَیُّ نے کہا: تم نے محض اس لئے دروازہ بند کرلیا ہے کہ کہیں میں تمہارے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو جاؤں، (۱) کعب نے یہ سن کر دروازہ کھول دیا، حی نے کہا: ''تمہارا بُرا ہو، میں تمہارے پاس اپنے زمانہ کے معزز لوگ اور ایک بحر بیکراں کو لایا ہوں، تمہارے پاس قریش اپنے سرداروں سمیت آئے ہوئے ہیں اور جُرُفْ اور زَغَابَہْ کے درمیان ٹھہرے ہوئے ہیں، بنو غَطْفَان اور ان کے سردار آئے ہیں اور انھوں نے ذَنْبِ نَقْمیٰ میں قیام کر رکھا ہے، انھوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع کئے بغیر واپس نہ جائیں گے''۔

کعب نے کہا: ''خدا کی قسم! تم جن لوگوں کو لائے ہو وہ کمتر لوگ ہیں، وہ ایسے بادل ہیں جن کا پانی برس چکا ہے، جن میں گرج اور چمک کے سوا کچھ نہیں، تم مجھے چھوڑ دو، میں نے محمد (ﷺ) میں مکمل راست گوئی اور وفا شعاری پائی ہے''۔

حُیَیُّ برابر کعب کو پھسلاتا رہا اور کہا کہ اگر قریش اور غَطْفان لوٹ گئے اور محمد (ﷺ) کو زک نہ پہنچا سکے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں آؤں گا اور جو کچھ تم پر گزرے گی وہ ہم پر بھی گزرے گی؛ چنانچہ کعب بن اسد نے عہد شکنی کی اور رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔

حضور ﷺ اور صحابہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے قبیلۂ اَوْس کے سردار

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام کے اصل الفاظ یہ ہیں ''واللہ إن أغلقت الحصن دوني إلا عن جشيشتک أن آکل معک منها'' (تم نے محض اس لئے مجھ پر دروازہ بند کیا ہے کہ میں تمہارا جشیشہ کھالوں گا) جشیشہ گیہوں کے آٹے کی ایک خاص قسم کی غذا ہوتی ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ اور خَوّاتْ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور کہا کہ جا کر معلوم کرو کہ بنو قریظہ کے بارے میں جو اطلاع ملی ہے، وہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر یہ اطلاع صحیح ہو تو مجھے اشاروں میں بتاؤ اور برسر عام نہ کہو؛ تاکہ لوگوں کی حوصلہ شکنی نہ ہو اور اگر یہ خبر غلط ہو تو برسر عام اس کا اظہار کر دو۔

یہ حضرات جب بنو قریظہ کے پاس آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تیز مزاج آدمی تھے وہ اسے برا بھلا کہنے لگے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کو برا بھلا نہ کہو، ہمارے اور ان کے درمیان جو بات پیش آئی ہے، وہ اس سے بڑھ کر ہے —— پھر یہ حضور ﷺ کے پاس واپس آگئے اور اشارہ کی زبان میں کہا: ''عَضَلٌ وَالْقَارَۃُ''، یعنی جس طرح عَضَل اور قَارَہْ والوں نے حضرت خُبَیبْ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کے ساتھ فریب کا معاملہ کیا، ایسے ہی بنو قریظہ نے عہد شکنی کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر، مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔

منافقین کی طعنہ زنی

یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش کا تھا، ہر طرف سے دشمن ٹوٹ پڑے تھے، اس موقع پر منافقوں کا نفاق بھی سامنے آگیا، یہاں تک کہ مُعَتِّب بن قُشَیر کہنے لگا ''محمد ﷺ تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے کھائیں گے؛ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی شخص امن و عافیت کے ساتھ بیت الخلاء بھی نہیں جا سکتا''۔

بنو غَطْفان سے مصالحت کی کوشش

اسی طرح بیس دنوں سے زیادہ ایک ماہ کے قریب مشرکوں نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا، دست بدست جنگ کی نوبت نہیں آئی، سوائے اس کے کہ تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا، جب یہ آزمائش بہت بڑھ گئی تو حضور ﷺ نے قبیلہ غَطْفان کے سردار عُیَیْنَہْ بن حِصْن اور حارث بن عوف کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ وہ دونوں اس شرط کے ساتھ لوٹ جائیں کہ مدینہ کی پیداوار کا

ایک تہائی ان کو دے دیا جائے، حضور ﷺ کے اوران کے درمیان یہ بات طے پا چکی اورتحریر بھی لکھی جا چکی تھی؛ البتہ ابھی گواہی نہیں ہوئی تھی اور نہ صلح کا آخری اور قطعی فیصلہ ہوا تھا، اس آخری مرحلہ میں حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، ان دونوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ خود ایسا کرنا چاہتے ہیں یا یہ اللہ کا حکم ہے یا آپ ﷺ اس کو ہمارے حق میں بہتر سمجھ کر کر رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے ہی یہ کرنا چاہتا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب تمہارے مقابلہ میں ایک کمان بن چکے ہیں اور انھوں نے ہر طرف سے تمہارے لئے تنگی پیدا کردی ہے، میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح ان کی طاقت توڑ دوں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! جب ہم لوگ شرک و بت پرستی پر قائم تھے اور خدا کی عبادت و معرفت سے نا آشنا تھے، اس وقت تو ان کی ہمت نہ ہوئی کہ مدینہ کی کھجوروں کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھیں، اب جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزت سے نوازا ہے، ہدایت سے بہرہ ور کیا ہے اور آپ ﷺ کے ذریعہ عزت بخشی ہے، ہم ان کو اپنے مال دے دیں؟ خدا کی قسم! ہم لوگوں کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے پاس ان کے لئے تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ خود خدا ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے'' حضور ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری یہ رائے ہے تو یہی ٹھیک ہے، (**فانت وذاک**) ——حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے سابقہ تحریر کو مٹا کر لکھ دیا ''**لیجھدوا علینا**''، یعنی: کفار جس قدر ہمارے خلاف طاقت آزمائی کرنا چاہیں کریں۔

عَمْرو بن عبدُوْد کا قتل

اس غزوہ میں دشمنوں سے جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی؛ البتہ قریش کے چند گھوڑ سوار عمرو بن عبدُوْد، عِکْرَمہ بن ابی جہل، ہُبَیْرہ بن ابی وہب اور ضِرَار بن خَطَّاب جنگ کے ارادہ سے نکلے اور بنو کنانہ سے کہا: تم لوگ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، تمہیں معلوم ہوگا کہ آج میدان کے شہسوار کون ہیں اور خندق پر آ کر رُک گئے، خندق دیکھ کر کہا: یہ ایسی تدبیر ہے، جسے عرب نہیں کر سکتے—— دراصل اس خندق کا مشورہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

ایک جگہ خندق کو تنگ پا کر ان لوگوں نے اپنے گھوڑے بڑھائے اور خندق پار کر گئے، ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے، عمرو بن عبدود نے کہا: کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا ''اے عمرو! تم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر کوئی قریشی تم کو کسی بھی دو باتوں کی دعوت دے گا تو میں قبول کرلوں گا'' اس نے کہا: بے شک —— حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو میں تم کو خدا اور اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اس نے کہا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں، اس نے کہا؛ کیوں اے بھتیجے! میں تو تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛ لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں —— وہ سخت طیش میں آ گیا، گھوڑے سے اُترا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس کے چہرہ پر مکا رسید کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور دونوں میں مقابلہ ہونے لگا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا —— دوسرے لوگ بھی خندق سے ہوتے ہوئے بھاگے اور عکرمہ بن ابی جہل تو عمرو کے قتل کے بعد اپنا تیر بھی یہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا شعار اس دن ''حٰمٓ ، لا یُنْصَرُوْن'' تھا۔

نُعَیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

نُعَیم بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کیا: میں نے اسلام قبول کرلیا ہے؛ لیکن میری قوم کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ہے، آپ ﷺ مجھ سے جو کام لینا چاہیں، ارشاد فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے درمیان ایسے واحد آدمی ہو، اگر ہو سکے تو ان میں پھوٹ ڈال دو؛ اس لئے کہ جنگ تدبیر وسازش ہی کا نام ہے۔

چنانچہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے پاس آئے اور کہا: اے بنوقریظہ! تم جانتے ہو کہ مجھے تم لوگوں سے کتنی محبت ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان کیسے خصوصی مراسم رہے ہیں، بنوقریظہ نے کہا: صحیح کہتے ہو اور ہمیں تمہارے بارے میں کوئی شبہ نہیں، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''دیکھو، تمہارا اور قریش وغَطَفان کا معاملہ یکساں نہیں ہے، یہ تمہارا شہر ہے، یہاں تمہارے مال واسباب، بال بچے اور عورتیں ہیں، تم اس کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے، قریش

اور غطفان، محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں سے لڑنے آئے ہیں، جس میں تم بھی تعاون کر رہے ہو، ان کے شہر اور ان کے مال و اسباب اور عورتوں کا معاملہ الگ ہے، اگر انھوں نے فتح پائی تو یہ تمہارے مال و اسباب پر بھی دست درازی کریں گے، اگر شکست کھائی تو اپنے شہر بھاگ جائیں گے، تم کو محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں تنہا چھوڑ دیں گے اور تم ان سے مقابلہ نہیں کر سکو گے؛ اس لئے تم لوگ اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو؛ جب تک وہ اپنے کچھ اشراف اور سرداروں کو تمہارے پاس رہن نہ رکھ دیں'' — بنو قریظہ نے کہا: تم نے صحیح مشورہ دیا۔

اب حضرت نعیم رضی اللہ عنہ قریش کے پاس آئے، ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو کہا: ''تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے کتنی محبت اور محمد (ﷺ) سے کتنی بیگانگی ہے؟ مجھے ایک بات پہنچی ہے اور میں نے اپنا فرض سمجھا کہ از راہ خیرخواہی تم کو اس سے آگاہ کر دوں، تم میری اس بات کو ظاہر نہ کرو گے'' — قریش نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہودیوں کے محمد (ﷺ) سے جو مراسم ہیں، ان کی بناء پر ان لوگوں کو موجودہ طرزِ عمل پر بڑی ندامت ہے، انھوں نے محمد (ﷺ) کے پاس اپنا آدمی بھیجا ہے کہ ہمیں اپنے کرتوت پر ندامت ہے، کیا آپ ﷺ اس بات کو پسند نہ کریں گے کہ ہم قریش کے اور غطفان کے کچھ سرداروں کو آپ ﷺ کے حوالے کر دیں کہ آپ ﷺ ان کی گردنیں اڑا دیں؟ پھر ہم آپ ﷺ مل کر ان لوگوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیں'' — محمد (ﷺ) نے بھی اس کو منظور کر لیا ہے؛ اس لئے اگر یہود تم سے کچھ لوگوں کو رہن مانگیں تو ایک شخص بھی تم ان کے حوالہ نہ کرنا۔

اس کے بعد قبیلۂ غطفان میں گئے، جو ان ہی کا قبیلہ تھا اور ان سے کہا: تم تو جانتے ہو کہ تم ہی میری اصل اور خاندان ہو، تم ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہو اور میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ میرے بارے میں کوئی شبہ رکھتے ہو گے، انھوں نے کہا: صحیح ہے، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر میری بات پردۂ راز میں رکھنا، ان لوگوں نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے، اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ نے بنو غطفان سے بھی وہی کہا جو اس سے پہلے قریش سے کہہ چکے تھے۔

شوال ۵ھ میں ہفتہ کی ایک شب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ابوسفیان اور قبیلہ غَطُفان کے سرداروں نے اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ عِکْرِمَہ بن ابی جہل کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا کہ ہم لوگ یہاں کے باشندے نہیں ہیں، ہمارے اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں، کل صبح تم لوگ جنگ کے لئے آؤ؛ تاکہ محمد (ﷺ) سے فیصلہ کن مقابلہ ہو اور ہم اس قضیہ سے فارغ ہو جائیں۔

بنوقریظہ نے جواب دیا: ''آج ہفتہ کا دن ہے اور اس دن ہم لوگ کوئی کام نہیں کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہم اس وقت تک محمد (ﷺ) سے جنگ میں شریک نہیں ہوں گے؛ جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس رہن نہ رکھ دو، ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر جنگ میں تم کو دشواری کا سامنا ہو تو تم اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے، ہمیں تنہا چھوڑ دو گے اور ہمارے اندر ان سے مقابلہ کی تاب نہیں''۔

جب یہ قاصد لوٹے تو قریش اور بنوغَطُفان نے کہا کہ نُعَیم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا، وہ بالکل صحیح ہے، بنوقریظہ کو کہلا دو کہ ہم اپنا ایک آدمی بھی تمہارے سپرد نہیں کریں گے، اگر تم جنگ کے لئے تیار ہو تو نکلو، جنگ کرو، بنوقریظہ کو یہ پیغام پہنچا تو انھوں نے کہا: نُعَیم نے صحیح ہی کہا تھا، ان کا مقصد محض یہ ہے کہ ہم جنگ کریں، اگر یہ غالب آجائیں تو لوٹ مار کریں اور اگر شکست کھائیں تو دامن سمیٹ کر اپنے شہروں کو واپس چلے جائیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دیں؛ چنانچہ ان لوگوں نے قریش اور غطفان کو اطلاع دے دی کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر محمد (ﷺ) سے اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے، جب تک کچھ آدمی تم بطور رہن کے نہ دو گے، قریش نے انکار کیا اور اللہ نے ان کے درمیان پھوٹ ڈال دی، اس کے ساتھ ساتھ سرما کی خُنک راتوں میں اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا چلا دی، جس سے ان کی ہانڈیاں اُلٹ گئیں اور خیمے اُکھڑ گئے۔

قریش کی واپسی

ادھر حضور ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو حضرت حُذَیفَہ یَمَان رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جا کر دیکھیں کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہاں ابوسفیان نے اعلان کیا: اے گروہ قریش! تم لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہو،

صورتِ حال یہ ہے کہ گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہورہے ہیں، بنوقریظہ نے تمہارے ساتھ عہد شکنی کی ہے اور ان کی طرف سے ناخوشگوار باتیں پیش آئی ہیں، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، ہوا کے تیز جھونکے چل رہے ہیں، نہ ہماری ہانڈیاں جگہ پر ہیں، نہ ہم آگ جلا سکتے ہیں، نہ ہمارے خیمے ٹھہر رہے ہیں؛ اس لئے یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں تو اب روانہ ہو رہا ہوں — یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہوگیا اور اونٹ کو مارنے لگا۔

چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گیا، آپ ﷺ ازواجِ مطہرات میں سے کسی کی یمنی چادر پر کھڑے ہوئے مصروفِ نماز تھے، حضور ﷺ نے مجھے دیکھا تو اپنے قدموں کے پاس بٹھالیا اور چادر کا ایک کنارہ مجھ پر ڈال دیا، نماز کی تکمیل کے بعد میں نے حضور ﷺ کو اطلاع دی، بنوغَطفَان نے جب قریش کو واپس ہوتے ہوئے دیکھا تو خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ مدینہ واپس تشریف لائے اور ہتھیار اُتار دیئے۔

غزوۂ بنوقریظہ

ظہر کا وقت ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم فرمایا ہے — آپ ﷺ نے اسی وقت مدینہ میں منادی کرادی کہ جو لوگ اطاعت گزار اور وفا شعار ہوں، وہ ابھی روانہ ہوجائیں اور بنوقریظہ پہنچ کر نمازِ عصر ادا کریں، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں مسلمانوں کا جھنڈا دیا اور لوگ بنوقریظہ کو جانے لگے، قلعہ کے قریب پہنچ کر آپ نے آواز دی ''اے بندروں کے بھائی!(۱) خدا نے تم کو رسوا کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل کیا، لوگوں نے جواب دیا: ابوالقاسم! آپ (ﷺ) اس سے ناواقف نہیں ہیں''۔

آپ ﷺ نے بنوقریظہ کے نزدیک ایک کنویں کے پاس پڑاؤ کیا، جو ''بئرِ اَنَا'' سے موسوم تھا، آپ ﷺ نے ۲۵ دنوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا، یہاں تک کہ وہ تنگ آ گئے

(۱) اس کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ یہودیوں کو ان کی حرکتوں کی وجہ سے بندروں کی صورت مسخ کر دیا گیا تھا۔

اوران کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، حُیَیُ بن اَخطَبُ بھی اپنا عہد نبھانے کے لئے ان ہی کے قلعہ میں اقامت پذیر تھا — جب ان لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب محمد (ﷺ) ان کا استیصال کئے بغیر نہیں لوٹیں گے تو کعب بن اسد نے ان کے سامنے اپنی تجویزیں پیش کرتے ہوئے کہا: اے یہود! تم پر جو مصیبت آچکی ہے وہ تمہارے سامنے ہے، ان حالات میں میں تمہارے سامنے تین چیزیں پیش کرتا ہوں، ان میں سے کوئی چیز قبول کرلو۔

اول: یہ کہ محمد ﷺ کی تصدیق اور پیروی کرلیں؛ اس لئے کہ واللہ تم پر یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ وہ خدا کے نبی اور رسول برحق ہیں اور وہی ان پیش گوئیوں کا مصداق ہیں، جو تمہاری کتابوں میں ہیں، اس طرح تم اپنی جان و مال، اولاد اور عورتوں کے سلسلہ میں مامون ہوجاؤ گے — لوگوں نے جواب دیا: نہ ہم تورات کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اس میں کمی و تبدیلی کے روادار ہیں۔

کعب نے کہا: اگر تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو آؤ ہم خود ہی اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کرڈالیں، پھر تلوار سونت کر محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مقابلہ کریں؛ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ کردے، اگر ہم ہلاک ہوجائیں تو ہوجائیں، ہم اپنے پیچھے اہل و عیال کو نہیں چھوڑیں گے، جن کا اندیشہ ہو، اگر غالب آگئے تو پھر عورتیں اور بچے مل جائیں گے — لوگوں نے کہا: ان بے گناہوں کو قتل کردیں تو پھر زندگی میں کیا لطف باقی رہے گا؟

کعب نے کہا: اگر اس سے بھی انکار ہے تو یہ سبت (ہفتہ) کی رات ہے، ممکن ہے محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہماری طرف سے بے فکر ہوں، اتر کر مقابلہ کرو — لوگوں نے جواب دیا: ہم یوم سبت کی بے حرمتی نہیں کرسکتے، تم جانتے ہو کہ اس دن کی بے حرمتی کرنے والوں کے ساتھ کیا ہوا؟ — کعب نے کہا: تم میں سے کوئی بھی آدمی اپنے وجود سے ایک رات بھی ایسی نہیں گزار سکا، جس میں جو کچھ کرنا چاہے اس کا عزم کرچکا ہو۔

حضرت ابولُبَابہ رضی اللہ عنہ کی لغزش اور توبہ

پھر ان یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ

کو بھیج دیں؛ تا کہ ہم اپنے معاملہ میں مشورہ کر سکیں، حضور ﷺ نے ان کو بھیج دیا، ان کے جاتے ہی وہاں لوگ کھڑے ہو گئے، عورتیں اور بچے رونے لگے، حضرت ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ کو ان پر رحم آ گیا، ان لوگوں نے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے، اگر ہم محمد ﷺ کے فیصلہ پر اُتر جائیں تو ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ — حضرت ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کے اشاروں سے بتایا کہ تم لوگ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔

حضرت ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے، پھر حضرت ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آنے کی بجائے سیدھے مسجد نبوی چلے گئے، اپنے آپ کو اس کے ایک ستون سے باندھ دیا اور فرمایا: میں یہاں سے اس وقت تک نہ ہٹوں گا، جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے، نیز میں اللہ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بنو قریظہ میں نہیں جاؤں گا اور ایسے شہر کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں، جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابولُبَابَہ اگر میرے پاس آتے تو میں ان کے لئے دُعاءِ مغفرت کرتا؛ مگر اب جب کہ انھوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک نہ کھولوں گا، جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرما لے — چھ روز تک حضرت ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ اسی طرح ستون سے بندھے رہے، ہر نماز کے وقت ان کی بیوی آتیں اور کھول دیتیں، وہ نماز ادا فرماتے اور پھر بندھ جاتے؛ یہاں تک کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُم سلمہؓ کو اطلاع دی، اس وقت تک حجاب کا حکم نہیں ہوا تھا، حضرت اُم سلمہؓ نے دریافت کیا: کیا میں ابولُبَابَہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اطلاع دے دو — حضرت اُم سلمہؓ نے آواز دی، ابولُبَابَہ! خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، لوگ ان کی طرف بڑھے کہ انھیں کھول دیں؛ مگر انھوں نے انکار کیا کہ حضور ﷺ ہی مجھے کھولیں گے، صبح کے وقت نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھول دیا۔

بنو قریظہ کی سپر اندازی

ادھر صبح کے وقت بنو قریظہ اپنے حلیف قبیلۂ اَوْس کے حضرت سعد کے فیصلہ پر آمادہ ہوئے اور قلعہ کھول دیا، بنو قریظہ قبیلہ اَوْس کے حلیف تھے؛ اس لئے قبیلۂ اوس کے لوگوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ جو سلوک آپ ﷺ نے خزرج کے حلیف بنو قَیْنُقاع کے ساتھ کیا تھا، ویسا ہی حسن سلوک ہمارے حلیفوں کے ساتھ بھی کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم ہی میں سے ایک آدمی فیصلہ کرے، ان لوگوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس کا فیصلہ کریں گے۔(۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو اسلم کی ایک خاتون رُفَیْدَہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں داخل کر دیا تھا، یہ خیمہ مسجد نبوی کے قریب تھا، حضرت رُفَیْدَہ رضی اللہ عنہا زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کیا کرتی تھیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو اسی خیمہ میں رکھوایا؛ تا کہ میں قریب سے عیادت کرتا رہوں''۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم بنا دیا تو قبیلہ اوس کے لوگ ان کو سواری پر لائے، جس پر چھالوں کا بھرا ہوا تکیہ بھی تھا، لوگ انھیں کہتے جا رہے تھے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ میں اچھا سلوک کرنا، حضور ﷺ نے اسی لئے تم کو اس معاملہ کا ذمہ دار بنایا ہے، جب لوگوں نے بہت زیادہ کہا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سعد پر یہ وقت آیا ہے کہ وہ اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت اور برا بھلا کہنے سے متاثر نہیں ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے سردار کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، (**قوموا إلى سيدكم**) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے قبیلہ اوس سے دریافت کیا:

---

(۱) غزوہ بنی قریظہ ذوالقعدہ ۵ رہجری میں شروع ہوا، ۲۵ ردن تک ان کا محاصرہ جاری رہا، ذوالحجہ ۵ رہجری میں انھوں نے خودسپردگی کی۔

کیا تم اللہ سے عہد کرتے ہو کہ میرے فیصلہ پر قائم رہو گے؟ لوگوں نے کہا: ''ہاں'' پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا یہ لوگ بھی میرے فیصلہ پر قائم رہیں گے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے از راہ احترام حضور ﷺ کو مخاطب نہیں فرمایا؛ مگر حضور ﷺ نے خود ہی جواب دیا: ''ہاں''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، مال تقسیم کر دیئے جائیں اور بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا جائے ـــــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان لوگوں کے معاملہ میں ٹھیک وہی فیصلہ کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سات آسمانوں کے اوپر سے ہے۔(۱)

اس کے بعد یہ لوگ قلعہ سے نکالے گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں کَیْسَہ بنت حارث کے مکان میں قید کیا، خود بازار کی طرف نکلے اور خندقیں کھدوائیں، پھر بنو قریظہ کو بلایا، ان ہی خندقوں میں ان کے ایک ایک گروہ کو قتل کیا جاتا تھا، ان قتل ہونے والوں میں دشمن خدا حُیَیْ بن اَخْطَبْ اور سردارِ قوم کعب بن اسد بھی تھے، ان کی تعداد صحیح قول کے مطابق چار سو تھی } بعض نے ان کی تعداد اس سے زیادہ بتائی ہے۔(۲)

حُیَیْ کا انجام

حُیَیْ ابن اَخْطَبْ کے جسم پر گلابی رنگ کا ایک حلہ تھا، جس کو اس نے ہر طرف سے پھاڑ رکھا تھا؛ تاکہ کوئی دوسرا شخص اسے نہ لے سکے، اس نے جب حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنی عداوت اور دشمنی میں مجھے برا بھلا کہا؛ لیکن جسے اللہ تعالیٰ رسوا کرے وہ

---

(۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ دراصل یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات کے مطابق تھا، جس میں کہا گیا ہے: ''اور خداوند اسے تمہارے ہاتھ میں دے تو اس میں سے سب مردوں کو قتل کر دینا؛ لیکن عورتوں، بچوں اور مویشیوں اور اس شہر کی دوسری چیزوں کو تم مالِ غنیمت کے طور پر اپنے لئے لے لینا اور جو مالِ غنیمت خداوند تمہارا خدا اسے تمہارے ہاتھ میں کر دے اسے تم کام میں لانا''۔(استثناء: ۲۰/۱-۱۴)

(۲) غزوۂ بنو قریظہ ذوالقعدہ ۵ر ہجری میں شروع ہوا، ۲۵ دن تک محاصرہ جاری رہا، ذوالحجہ ۵ر ہجری میں انھوں نے خود سپردگی کی۔

رسوا ہی ہوتا ہے ـــــ اس کے جواب میں حُیَیْ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ اللہ کا فیصلہ ہوکر ہی رہتا ہے، کتاب اللہ، تقدیر اور قتل یہ تین چیزیں ہیں، جنھیں اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا ہے، اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن اُڑا دی گئی۔

ایک خاتون کا قتل

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ان مردوں کے ساتھ صرف ایک عورت قتل کی گئی، وہ میرے پاس بیٹھی مجھ سے گفتگو کر رہی تھی اور ہنس رہی تھی؛ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ باہر ان کے مردوں کو قتل کروا رہے تھے، اتنے میں ایک شخص نے اس کا نام لے کر پکارا کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ اس عورت نے کہا: میں یہاں ہوں، میں نے اس سے کہا: تیرا برا ہو، تیرا کیا کام ہے؟ اس نے جواب دیا: مجھے قتل کیا جانا ہے، حضرت عائشہؓ نے وجہ دریافت کی، اس نے کہا: ایک خاص کام کی وجہ سے جو میں نے کیا تھا، دراصل اس نے حضرت خلاد بن سُوَیْد ﷺ پر ایک چکی پھینک کر ان کو ہلاک کر دیا تھا؛ چنانچہ وہ عورت لے جائی گئی اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

بنو قریظہ کے تمام بالغوں کو قتل کر دیا گیا سوائے رِفاعہ بن سَمُوْئَل کے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی خالہ سلمہ بنت قیسؓ نے حضور ﷺ سے التجا کی کہ رفاعہ کو مجھے دے دو، وہ نماز پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت کھائے گا؛(۱) چنانچہ حضور ﷺ نے رفاعہ کو ان کے حوالہ کر دیا۔

بنو قریظہ کی خواتین

پھر حضور ﷺ نے بنو قریظہ کے مال، ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، بنو قریظہ کی کچھ قیدیوں کو سعد بن زید انصاری ﷺ کے ساتھ نجد بھیجا کہ ان کو فروخت کر کے گھوڑے اور اسلحہ خرید کئے جائیں، ان عورتوں میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے رَیحَانہ بنت عَمْرو خُنَافَہ کا انتخاب کیا، وہ حضور ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ ہی کے پاس رہیں، رسول اللہ ﷺ نے

(۱) اس سے اشارہ قبول اسلام کی طرف ہے، اس لئے کہ یہود اونٹ کو حرام جانوروں میں شمار کرتے تھے اور ان کا گوشت نہیں کھاتے تھے؛ جب کہ اسلام نے اسے حلال قرار دیا ہے اور گوشت کو جائز رکھا ہے۔

ان کو پیشکش کی کہ آپ ان سے نکاح کرلیں گے اور وہ آزاد عورتوں کی طرح پردہ کی پابند رہیں گی؛ مگر انھوں نے عرض کیا: مجھے اپنی باندی ہی رہنے دیجئے، اس میں میرے لئے بھی سہولت ہے اور آپ ﷺ کے لئے بھی؛ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

حضرت ریحانہؓ

جس وقت یہ حضور ﷺ کے حرم میں آئیں، حضور ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا؛ لیکن انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہودیت پر قائم رہیں، حضور ﷺ کو اس کی وجہ سے تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے ان کو علاحدہ کر دیا، ایک روز آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ثَعْلِبَہ ابن سَعْیَہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضور ﷺ کو حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کرنے کی بشارت دی، آپ ﷺ کو اس سے بہت خوشی ہوئی، بنو قریظہ کا قضیہ ختم ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم بہہ پڑا اور شہید ہو گئے۔

غزوۂ خندق کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ اب قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے؛ بلکہ تم ان سے جنگ کروگے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا۔

سورۂ احزاب آیت: ۹ تا ۲۷ رسول اللہ ﷺ پر غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی، جس میں دشمنوں کے حملہ، منافقین کے طرزِ عمل اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی استقامت وثابت قدمی، نیز یہودیوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔

شہداء ومقتولین

غزوۂ خندق کے موقع پر چھ مسلمان شہید ہوئے، بنو عبد الاَشْہَل کے تین افراد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، انس بن اَوْس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ، بنو سلمہ کے دو آدمی طُفَیل بن نعمان رضی اللہ عنہ اور ثَعْلِبہ بن غَنَمَہ رضی اللہ عنہ اور بنو نجار سے ایک حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ۔

تین مشرک کام آئے، مُنَبِّہ بن عثمان، اس کو ایک تیر لگا جس کی وجہ سے مکہ پہنچ کر مر گیا، دوسرے بنو مخزوم سے نَوفِل بن عبداللہ، اس کی لاش مسلمانوں کے قبضہ میں تھی، مشرکین نے

درخواست کی کہ دس ہزار درہم لے کر اس کی لاش دے دی جائے، آپ نے لاش حوالہ کردی اور فرمایا: نہ مجھے اس کے جسم کی ضرورت ہے اور نہ قیمت کی، تیسرا شخص عمرو بن عبدِوُدّ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

بنو قریظہ کے محاصرہ کے درمیان صرف ایک مسلمان شہید ہوئے، حضرت خَلاَّد بن سُوَید رضی اللہ عنہ، جن پر چکی پھینکی گئی اور اسی کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔

سَلاَّم بن ابی الحقیق کا قتل

ابو نافع سَلاَّم بن اَبِی الحُقَیْق ان لوگوں میں سے ہے، جنھوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں سبھوں کو یکجا کیا تھا، جنگِ اُحد سے پہلے قبیلہ اوس کے لوگوں نے کعب بن اشرف کو اسی لئے جہنم رسید کیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کا سخت دشمن تھا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا، جنگِ خندق اور بنو قریظہ کے واقعہ کے بعد قبیلہ خزرج کے لوگوں نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ سَلاَّم کو قتل کردیں، جو اس وقت خیبر میں مقیم تھا، حضور ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی؛ چنانچہ قبیلہ خزرج کے پانچ آدمی عبداللہ بن عَتِیک رضی اللہ عنہ، مسعود بن سِنَان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور خُزاعی بن اسود رضی اللہ عنہ اس ارادہ سے نکلے، آپ ﷺ نے عبداللہ بن عَتِیک رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کیا اور ارشاد فرمایا: کسی بچہ یا عورت کو قتل نہ کریں۔

چنانچہ یہ لوگ خیبر پہنچ گئے، شب کے وقت اس کے مکان میں داخل ہوئے، تمام کمروں کا دروازہ بند کردیا، سَلاَّم اوپر کے کمرہ میں تھا، دروازہ بند تھا اور اوپر جانے کے لئے کھجور کے تنے کی ایک سیڑھی لگی تھی، یہ حضرات سیڑھی سے چڑھ کر دروازہ پر پہنچ گئے اور دستک دی، اس کی بیوی نکل کر آ گئی اور دریافت کیا: کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ہم چند عرب ہیں، کچھ بچے ہوئے کھانے کی ضرورت ہے — بیوی نے اندر بلایا۔

اب ان حضرات نے دروازہ بھی بند کرلیا، اس کی بیوی چیخنے اور لوگوں کو پکارنے لگی، ادھر ان لوگوں نے اپنی تلواریں ہاتھوں میں لے لیں، ابن الحُقَیْق بستر پر سویا ہوا تھا، ان حضرات نے اپنی اپنی تلواریں چلائیں؛ یہاں تک کہ عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے شکم

میں گھس گئی اور یہ لوگ باہر آ گئے ـــــ حضرت عبداللہ بن عَتِیکؓ کو کچھ کم نظر آتا تھا، وہ گر گئے اور ہاتھ یا پاؤں میں سخت چوٹ آ گئی، دوسروں نے انھیں اُٹھایا اور لوگوں کی نظر سے بچتے بچاتے اسی موڑی کے راستہ سے قلعہ سے باہر آ گئے، جدھر سے پانی آتا تھا، {یہ واقعہ ذیقعدہ ۵ھ، اپریل ۶۲۷ء کا ہے}۔

اب ان لوگوں کو جستجو ہوئی کہ یہ دشمن خدا مر گیا ہے، اس کی اطلاع کیسے ہو؟ ـــــ ان ہی میں سے ایک صاحب اس کے لئے تیار ہوئے، یہ اندر گئے اور لوگوں کی بھیڑ میں گھس گئے، دیکھا کہ یہود اس کے گرد جمع ہیں اور اس کی بیوی چراغ لے کر شوہر کا منھ دیکھ رہی ہے اور لوگوں کو سارا قصہ سناتی جا رہی ہے، پھر اس نے شوہر کا چہرہ دیکھ کر کہا: یہود کے خدا کی قسم! یہ تو مر چکا ہے ـــــ اس کے بعد یہ حضرات حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے قتل کی اطلاع دی، ہر شخص مدعی تھا کہ اس کا قاتل میں ہوں، آپ ﷺ نے تلواریں منگوائیں اور فرمایا: وہ عبداللہ بن اُنَیسؓ کی تلوار سے قتل ہوا ہے، اس لئے کہ میں ان کی تلوار میں کھانے کا اثر محسوس کرتا ہوں۔(۱)

غــزوۂ بنولحیان

ذی الحجہ ۵ھ سے جمادی الاولیٰ ۶ھ تک ـــــ یعنی چھ ماہ ـــــ رسول کریم ﷺ کا قیام مدینہ میں رہا، جمادی الاولیٰ میں 'اصحاب رَجیع' یعنی حضرت خُبَیب بن عَدِیؓ وغیرہ کے ساتھ جن لوگوں نے فریب اور دھوکہ کا معاملہ کیا تھا، ان کی سرکوبی کی غرض سے بنولحیان کی طرف نکلے اور آپ ﷺ نے ظاہر فرمایا کہ شام کی طرف کا ارادہ ہے؛ تاکہ لوگوں کو صحیح اطلاع نہ ہو سکے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو عامل بنایا اور مدینہ کے کنارے ''غُرَاب'' نامی پہاڑ کی طرف سے سفر شروع کیا، یہ راستہ دراصل شام کی طرف جاتا تھا

(۱) دراصل کھانے کے اثر سے حضور ﷺ نے یہ اندازہ لگایا کہ یہی تلوار معدہ تک پہنچی ہوگی اور اس کی موت کا باعث بنی ہوگی۔

''ثَمْراء'' کے مقام تک اسی راہ پر چلتے رہے، وہاں سے بائیں طرف مڑ گئے اور ''ضُخَیْرَاتُ الیَمَامْ'' پہنچ کر مکہ کی طرف چلے اور تیز تیز چلتے ہوئے بنولحیان کی آبادی تک آئے، جس کو ''غرَّان'' کہا جاتا تھا؛ یہاں دیکھا کہ لوگ ڈر کے مارے پہاڑ کی چوٹیوں میں چھپ گئے ہیں، جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ بنولحیان کو غفلت میں رکھ کر اچانک حملہ آور ہونے کا جو ارادہ تھا، اس میں کامیابی نہ ہوسکی تو فرمایا: کیا ہی بہتر ہو کہ ہم عُسفان چل کر اتریں؛ تا کہ اہل مکہ دیکھ لیں کہ ہم مکہ تک آئے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ دوسو سواروں کے ساتھ عُسفان آئے اور وہاں سے دو سواروں کو مزید آگے بھیجا جو ''کُرَاعِ غَمِیم'' تک پہنچ کر واپس ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ بھی واپس آ گئے۔

غـــزوۂ ذی قَرَدْ

مدینہ آنے کے بعد چند ہی دنوں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا کہ عُیَیْنَہ بن حِصن فَزَاری، قبیلہ بنو غطفان کے کچھ سواروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ان اونٹنیوں کو بھگا لے گیا، جو مدینہ کے قریب ''غَابَہ'' نامی مقام پر تھیں، یہاں قبیلہ بنو غِفَار کے ایک شخص حضرت ابن اَبی ذَرّ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی تھیں، حملہ آوروں نے ان کو توقتل کر دیا اور اونٹنیوں کے ساتھ ان کی بیوی کو بھی لے گئے۔

سب سے پہلے اس کی اطلاع سلمہ بن عمرو اَسلَمی رضی اللہ عنہ کو ہوئی، جو اپنے تیر وکمان لے کر وہاں گئے تھے، ان کے ساتھ حضرت طَلْحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام بھی تھا، وہ گھوڑے پر سوار تھے، جب وہ ''ثنیۃ الوداع'' پر چڑھے تو قافلہ کے بعض لوگوں پر نظر پڑی؛ چنانچہ انھوں نے (عرب کے رواج کے مطابق) مدینہ کی طرف رُخ کر کے پکارا ''وَاَصْبَاحَاہْ'' اور خود قافلہ کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے؛ یہاں تک کہ ان سے جا ملے اور ان پر تیر پھینکنے لگے، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ تیر پھینکتے ہوئے کہتے تھے :

خُذْهَا وَ أَنَا ابْنُ الأَكْوَعْ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الرُّضَّعْ

اسے لو میں ابن اکوع ہوں، آج کا دن کمینوں کی ہلاکت اور سزا کا دن ہے

جب قافلہ والے ان کی طرف رُخ کرتے تو پیچھے کی طرف بھاگتے اور موقع ملتے ہی پھر مقابلہ کرتے اور تیر پھینکتے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ میں آواز لگائی، الفزع الفزع (دشمن آگئے، دشمن آگئے، یعنی: جمع ہوجاؤ) جب قافلہ والے ان کی طرف رُخ کرتے تو پیچھے کی طرف دوڑ پڑتے، سب سے پہلے مِقداد بن عمر رضی اللہ عنہ پہنچے پھر عبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ، سعد بن زید رضی اللہ عنہ، اُسَید بن ظُہَیر رضی اللہ عنہ، عُکّاشَہ بن مُحْصَن رضی اللہ عنہ، مُحرِز بن نَضْلَہ رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ابوعیاش رضی اللہ عنہ، جب یہ سب جمع ہوگئے، تو آپ ﷺ نے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر متعین کیا اور فرمایا کہ تم ان حملہ آوروں کے تعاقب میں نکلو اور ان کا پیچھا کرو، میں بھی آکر تم سے ملتا ہوں۔

جب ان دونوں گروہوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حَبِیب بن عُیَیْنَہ کو قتل کردیا اور اس کی لاش اپنی چادر سے ڈھک دی، رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آئے تو حبیب کی لاش پر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی چادر پڑی تھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے، آپ ﷺ نے کہا: نہیں؛ بلکہ یہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے مقتول کی لاش ہے جس پر وہ اپنی چادر رکھ گئے ہیں؛ تاکہ شناخت ہوسکے کہ یہ ان ہی کا مقتول ہے ـــ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے بھاگنے والوں میں اَوْبَارْ اور اس کے بیٹے عُمَر و کو پالیا، یہ دونوں ایک اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے نیزہ سے ان دونوں کو نشانہ بنایا اور یہ دونوں قتل ہوگئے، تعاقب کرنے والے قافلہ نے بعض اونٹنیاں بھی چھین لیں، رسول اللہ ﷺ نے ذی قَرَد نامی پہاڑ کے پاس قیام فرمایا، وہیں صحابہ رضی اللہ عنہم اکٹھا ہوگئے، ایک شب و روز وہیں قیام رہا، حضرت سلمہ بن اَکْوَع رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ مجھے سو آدمیوں کے ساتھ بھیجیں تو میں بقیہ جانوروں کو بھی چھڑا لاؤں اور ان لوگوں کی گردنیں اُڑادوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ ابھی اپنے قبیلہ غطفان میں ان اونٹنیوں کے دودھ پی رہے ہوں گے، یعنی وہ اپنے قبیلہ میں پہنچ چکے ہوں گے ـــ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اونٹ اس طرح تقسیم فرمائے کہ ہر سو آدمی پر ایک اونٹ دیا اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

مقتول غفاری صحابی رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی حضور ﷺ کی ایک اونٹنی کے ساتھ واپس آ گئیں، حضور ﷺ کو تمام حالات کی اطلاع دیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اللہ تعالیٰ سے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ اس اونٹنی کے ذریعہ مجھے نجات دے دے تو میں اس کی قربانی کر دوں گی، آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''تم اس کو کیا بدترین بدلہ دینا چاہتی ہو کہ اللہ نے تم کو اس اونٹنی پر بٹھایا، تم کو اس کے ذریعہ نجات دی، پھر تم اسی کو ذبح کرنا چاہتی ہو؟ ایسی چیز، جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو اور جس کا انسان خود مالک نہ ہو، ایسی نذر کا کوئی اعتبار نہیں، وہ میری اونٹنی ہے، تم اپنے گھر لوٹ جاؤ اللہ تمہیں برکت دے''۔

غزوۂ بنی مُصْطَلِق

رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاخریٰ کے کچھ دنوں اور رجب (٦ ھ) کا پورا مہینہ مدینہ ہی میں قیام فرمایا، شعبان ٦ ھ میں بنوخزاعہ کے ایک قبیلہ بنو مُصْطَلِق سے جنگ کے ارادہ سے نکلے، حضور ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ بنو مُصْطَلِق آپ ﷺ سے مقابلہ کے لئے لوگوں کو جمع کر رہے ہیں اور ان کے قائد حارث بن ابی ضِرَار ہیں، جن کی صاحبزادی حضرت جویریہؓ بعد میں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں، آپ ﷺ یہ اطلاع پاتے ہی مدینہ سے نکلے یہاں تک کہ ''مُرَیْسِیْع'' نامی چشمہ کے پاس پہنچے جو ''قُدَیْد'' کے نواح میں ساحل کی طرف واقع ہے، یہاں بنو مُصْطَلِق کے لوگوں سے تصادم ہوا اور دونوں گروہوں میں جنگ شروع ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے بنو مُصْطَلِق کو شکست دی، ان کے جو لوگ مارے گئے وہ تو مارے گئے، ان کے علاوہ ان کے بچے، ان کی عورتیں اور ان کے مال و اسباب بھی حضور ﷺ کو بطور غنیمت حاصل ہوئے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے بنوکعب بن عوف کے ایک شخص ہشام بن صُبَابہ رضی اللہ عنہ ایک انصاری ہی کے ہاتھوں مارے گئے، یہ انصاری عُبَادہ بن صامِت رضی اللہ عنہ کے گروہ میں سے تھے، جنھوں نے دشمن سمجھ کر غلطی سے ہشام کو قتل کر دیا تھا۔

عبد اللہ بن اُبی کا نفاق اور حضور ﷺ کی حکمت عملی

رسول اللہ ﷺ ابھی اسی چشمہ کے پاس ہی تھے کہ ایک واقعہ پیش آیا — حضرت عمر

بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو غِفار کا ایک شخص جَہجَاہُ بن مسعود اجیر کی حیثیت سے تھا، وہ آپ کا گھوڑا لے کر چل رہا تھا کہ ایک چشمہ کے پاس سِنَان بن وَبَرجُہنی اور جَہجَاہُ بن مسعود کی مڈبھیڑ ہوگئی، سِنَانؔ نے آواز دی: ''یا معشر الأنصار'' (اے انصار کے گروہ!) جَہجَاہُ نے بھی پکارا: ''یا معشر المهاجرين'' (اے مہاجرین کے گروہ!) عبداللہ بن اُبی کو غصہ آیا، اس نے کہا: اچھا، انھوں نے یہ جرأت کی ہے؟ انھوں نے تو ہمارے درمیان منافرت پیدا کی اور ہمارے ہی شہروں میں قوت وغلبہ حاصل کرنا چاہا ہے، خدا کی قسم! ان قریش کے ساتھ ہمارا شمار اس مثل کے مصداق ہوگا، جسے پہلے لوگوں نے کہا ہے کہ ''سَمِّن كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ'' (اپنے کتے کو موٹا کر؛ تاکہ وہ تجھے ہی کھا جائے) خدا کی قسم! جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ضرور ہم میں سے طاقتور کمزور کو نکال کر رہیں گے ـــ انصار کے جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ یہ تمہارے اپنے کئے ہوئے کا نتیجہ ہے، تم ہی نے ان کو اپنے شہروں میں رہنے کو جگہ دی اور اپنے مال ومتاع اور جائداد سب ان میں تقسیم کر دیئے، خدا کی قسم! اگر تم اپنے ہاتھوں کو ان سے روک لیتے تو ضرور تم ان کو دوسرے شہروں کی طرف جانے پر مجبور کر دیتے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی باتیں سنیں اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی، اس وقت آپ ﷺ اپنے دشمنوں سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ عَبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ وہ اس کو قتل کر دیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرتے ہیں، نہیں؛ بلکہ کوچ کا اعلان کر دو ـــ اعلان کے بعد لوگ کوچ کرنے لگے۔

ادھر عبداللہ ابن ابی کو یہ اطلاع مل گئی کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی باتیں حضور ﷺ تک پہنچادی ہیں، وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہا: ''ما قلت ما قال ولا تكلمت به'' (جو کچھ زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بیان کیا ہے، وہ میں نے نہیں کہا اور نہ ہی میں نے اس سلسلہ میں کوئی بات کہی ہے)۔

عبداللہ بن اُبی چوں کہ اپنی قوم میں معزز سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس وقت حضور ﷺ کے پاس جو انصاری موجود تھے، انھوں نے عبداللہ کی مدافعت کرتے ہوئے کہا کہ یارسول اللہ! ممکن ہے اس بچہ (زید رضی اللہ عنہ) کو عبداللہ کی بات میں وہم ہوگیا ہو اور اس نے جو کہا ہو، اسے یاد نہ رکھ سکا ہو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پورے دن چلتے رہے؛ حتیٰ کہ رات بھی گزر گئی، دوسرے دن کا بھی کچھ حصہ گزر گیا، لوگ دھوپ سے پریشان ہو رہے تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ ایک مقام پر ٹھہر گئے، لوگ اتنے تھکے ہوئے تھے کہ لیٹتے ہی سب کو نیند آگئی، اس طویل اور تھکا دینے والے سفر سے آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ عبداللہ بن اُبی کی جو بات ہوئی تھی، لوگ بھول جائیں۔

پھر وہاں سے حجاز کی طرف چلے، یہاں تک کہ حجاز کے ''بقعاء'' نامی چشمہ کے پاس پہنچے، جو ''نُقَیع'' کے کچھ اوپر تھا، جب حضور ﷺ کوچ کرنے لگے تو ایک تیز طوفانی ہوا چلی، جس سے لوگ پریشان اور خوف زدہ ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ڈرو نہیں، یہ ہوا ایک بڑے کافر کی موت کی وجہ سے چلائی گئی ہے؛ چنانچہ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ رِفاعہ بن زید بن تابُوت کا انتقال ہو گیا ہے، یہ بنوقَینُقَاع کا ایک شخص تھا، جس کا شمار یہودیوں کے بڑے آدمیوں میں ہوتا تھا اور منافقوں کا پشت پناہ بھی تھا۔

اس کے بعد مستقل ایک سورۃ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن اُبی اور اس جیسے دوسرے منافقین کا ذکر کیا ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر فرمایا: ''ھذا الذی أوفی اللہ بأذنہ'' —— یہ وہ ہے کہ اللہ نے اس کے کان سے موافقت کی —— عبداللہ بن اُبی کے بیٹے تک یہ بات پہنچ گئی، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں جو کچھ آپ ﷺ کو معلوم ہوا ہے اس کی وجہ سے آپ ﷺ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر ایسا ہی ہے، تو آپ ﷺ مجھے حکم دیجئے کہ میں خود اس کا سر لے آؤں، خدا کی قسم! خزرج کو

معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ باپ کا اطاعت گزار کوئی دوسرا نہیں، مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں آپ ﷺ کسی اور کو اس بات کا حکم دے دیں، وہ اس کا سر قلم کر دے اور میں اپنے باپ کے قاتل کو زمین پر چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں، اس طرح کافر کے بدلے ایک مومن کے قتل کا مرتکب ہو کر جہنم میں چلا جاؤں ـــــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ میں ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر رہا ہوں، جب تک وہ ہمارے ساتھ رہیں گے، ہم حسن سلوک ہی کریں گے۔

اس کے بعد جب کبھی عبداللہ بن ابی کوئی نیا فتنہ اُٹھاتا تو خود اس کی قوم کے لوگ اس سے ناراض ہو جاتے، اس کی گرفت کرتے اور اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے، حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر تمہاری کیا رائے ہے؟ خدا کی قسم! اگر میں اسی دن اس کو قتل کر دیتا، جس دن تم نے مجھ سے کہا تھا تو ضرور ان لوگوں کی ناک بَھوؤں چڑھ جاتی اور اگر آج میں اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ خود ہی اس کو قتل کر دیں گے ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! مجھے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات میری بات سے بہت زیادہ بابرکت ہے۔

شہداء اور مقتولین

مکہ سے مَقِیس بن صُبَابَہ بظاہر مسلمان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر آیا ہوں اور میرے بھائی کی دیت لینے آیا ہوں، جو غلطی سے قتل کر دیا گیا، آپ ﷺ نے اس کے بھائی ہشام بن صُبَابَہ کی دیت اس کو دے دینے کا حکم فرمایا؛ چنانچہ دیت لینے کے بعد وہ حضور ﷺ کے پاس زیادہ دنوں نہیں ٹھہرا؛ بلکہ بھائی کے قاتل کے پاس پہنچا اور اسے بھی قتل کر دیا، پھر مکہ لوٹ کر مرتد ہو گیا۔

اس غزوہ میں بنو مُصطَلِق کے بہت سے لوگ مارے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں مالک اور اس کے بیٹے کو قتل کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اُحمر یا اُحَیمِر نامی ایک سوار کو قتل کیا۔

اس دن بہت سے لوگ گرفتار بھی ہوئے، حضور ﷺ نے ان قیدیوں کو مسلمانوں میں

تقسیم کر دیا، ان ہی اسیرانِ جنگ میں حضرت جُوَیْرِیَہؓ بنت حارثؓ بھی تھیں، جو حضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں۔

حضرت جُوَیرِیہؓ سے نکاح

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے جب بنو مصطلق کے ان قیدیوں کو تقسیم کیا تو جویریہ بنت حارث ؓ، حضرت ثابت بن قیس ؓ یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آ گئیں، جویریہ نے ان سے کتابت (۱) کی درخواست کی، وہ بڑی حسین و ملیح تھیں، یہ حضور ﷺ کے پاس کتابت کے سلسلہ میں مدد کے لئے آئیں، خدا کی قسم! میں نے جب انھیں اپنے حجرہ کے دروازہ پر دیکھا تو میں نے ناپسند کیا اور میں نے جان لیا کہ جو کچھ میں نے اس میں دیکھا ہے، حضور ﷺ بھی دیکھیں گے ـــــ بہرحال وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں جویریہ حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں، جو اپنی قوم کے سردار ہیں، مجھے جو کچھ مصیبت پہنچی ہے، وہ آپ ﷺ سے پوشیدہ نہیں، میں ثابت بن قیس ؓ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئی ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارے ساتھ اس سے بہتر معاملہ کیا جائے؟ جویریہؓ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کا بدل ادا کر دوں اور تم سے رشتۂ زوجیت قائم کروں؟ جویریہؓ نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس پر راضی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کرلیا۔

لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ آپ ﷺ نے جویریہ بنت حارثؓ سے نکاح کیا ہے، صحابہ نے کہا: تو اب یہ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے جویریہؓ سے شادی کر لینے کی وجہ سے بنو مصطلق کے سو آدمی آزاد کر دیئے گئے، میں نے ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لئے اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو۔

(۱) کتابت یہ ہے کہ غلام یا باندی اپنے آقا کو اس پر آمادہ کرلیں کہ وہ ایک مخصوص مدت میں باہمی معاہدہ سے طے شدہ رقم اور معاوضہ ادا کر کے آزاد ہو جائیں گے۔

ایک غلط فہمی

یزید رومان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنو مصطلق کے اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ نے ولید بن عُقْبَہ کو ان کے پاس بھیجا، ان لوگوں کو اس کی اطلاع ملی تو استقبال کے لئے سوار ہو کر باہر نکلے، ولید بن عقبہ کو اطلاع ہوئی تو ان کو خوف ہوا کہ یہ قتل کے ارادہ سے نکلے ہیں؛ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوٹ گئے کہ یہ لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور انھوں نے جو زکوٰۃ دینا قبول کیا تھا، اسے بھی روک لیا ہے؛ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ان سے جنگ کا ارادہ بھی فرمالیا، اسی درمیان ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ ﷺ کے قاصد کے آنے کی اطلاع ملی تو ہم لوگ باہر نکلے؛ تا کہ ان کا اکرام واستقبال کریں اور زکوٰۃ بھی ادا کریں؛ مگر وہ تیزی سے واپس لوٹ گئے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا ہے کہ ہم نے ان کے قتل کا ارادہ کرلیا تھا، خدا کی قسم! ہم اس ارادہ سے نہیں نکلے تھے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں :

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۔ (الحجرات:۶-۷)

اے مومنو! اگر تمہارے پاس فاسق آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلو کہ کہیں تم لوگوں کو ناواقفیت کی وجہ سے تکلیف پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان خدا کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہاری بات ماننے لگیں تو تم دشواریوں میں پڑ جاؤ؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایمان

کی طرف رغبت پیدا کردی ہے، اسے تمہارے دلوں میں مزین
کر دیا ہے، کفر وفسق اور نافرمانی سے تمہارے اندر کراہت پیدا
کر دی ہے، یہی لوگ دراصل ہدایت یافتہ ہیں۔

☆ ☆ ☆

واقعہ اِفک (۱)

یہ واقعہ خود اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے :

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب سفر پر جاتے تو تمام بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے ، جن کے نام سے قرعہ نکلتا ، انھیں کو اپنے ساتھ لے جاتے ، غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر بھی عام معمول کے مطابق آپ ﷺ نے قرعہ اندازی کرائی ، قرعۂ فال خود میرے نام نکلا اور حضور ﷺ مجھے لے کر سفر پر نکلے ۔

عورتیں جب سفر کرتیں تو ہلکی غذا کھاتی تھیں ، گوشت نہ کھاتی تھیں کہ جسم بوجھل ہو جائے ، اور میرا قاعدہ تھا کہ جب میرے اونٹ کا کجاوہ کسا جانے والا ہوتا تو میں پہلے ہی اپنے ہودج میں جا بیٹھتی ، پھر کجاوہ کسنے والے آتے اور مجھے اُٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے ، صورت یہ ہوتی کہ وہ ہودج کے نچلے حصہ کو پکڑتے ، اونٹ کی پشت پر رکھ دیتے اور رسیوں سے باندھ دیتے پھر اونٹ کا سر پکڑتے اور چل دیتے ۔

رسول اللہ ﷺ اس سفر سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف چلے ، ایک مقام پر اُترے اور رات کا کچھ حصہ یہیں گزارا ، پھر لوگوں میں روانگی کی منادی کی گئی اور لوگ چل پڑے ، میں رفع حاجت کے لئے نکلی ہوئی تھی اور میرے گلے میں ''ظفار'' (۲) کا ایک ہار تھا ، میں ضرورت سے فارغ ہوئی ، اس درمیان میری گردن سے ہار گر گیا اور مجھے پتہ نہ چل سکا ؛ لیکن جب اپنی سواری پر واپس آ گئی اور ہار تلاش کیا تو معلوم ہوا وہ غائب ہے ، لوگ سفر کی تیاری کرنے لگے

---

(۱) ''اِفک'' کے معنی ہی تہمت لگانے کے ہیں ؛ چوں کہ یہ واقعہ تہمت تراشی کا ہے ، اس لئے اس کو ''واقعہ افک'' کہا جاتا ہے ۔

(۲) ''ظفار'' یمن میں صنعاء کے قریب ایک مقام ہے ، جہاں کے ہار اچھے ہوتے ہیں ۔

اور میں اس جگہ چلی گئی، جہاں رفع حاجت کے لئے پہلے گئی تھی، وہاں ہار تلاش کیا اور مل گیا، ادھر میرا کجاوہ کسنے والے میری عدم موجودگی میں آئے اور کجاوہ کس دیا، انھوں نے سمجھا کہ میں معمول کے مطابق کجاوہ میں ہی ہوں، وہ کجاوہ کس کر روانہ ہوگئے۔

میں جب واپس آئی تو نہ یہاں کوئی بلانے والا ہے اور نہ جواب دینے والا، سارے لوگ جا چکے ہیں، میں نے چادر لپیٹی اور اپنی جگہ سوگئی، میں نے سوچا جب وہ لوگ مجھ کو نہیں پائیں گے تو خود ہی لوٹ کر آئیں گے، میں لیٹی ہی تھی کہ حضرت صَفْوَان بن مُعَطَّل سُلَمِی رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گزر ہوا، وہ لشکر سے پیچھے پیچھے چل رہے تھے؛ اس لئے وہ لوگوں کے ساتھ شب نہ گزار سکے، انھوں نے مجھے دیکھ کر سمجھا کہ کوئی چیز یہاں پڑی ہے؛ چنانچہ آگے بڑھے اور میرے پاس آ کر رُک گئے، وہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، دیکھتے ہی کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' یہ تو رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں، میں اپنے کپڑوں ہی میں لپٹی ہوئی تھی، انھوں کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ پیچھے کیسے رہ گئیں؟ میں نے کوئی بات نہیں کی، انھوں نے اونٹ آگے بڑھا دیا اور کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، خود پیچھے ہٹ گئے، میں سوار ہوگئی، انھوں نے اونٹ کا سر پکڑا اور قافلہ کی تلاش میں تیز تیز نکلے؛ لیکن خدا کی قسم! ہم لوگ لشکر کو نہ پا سکے اور نہ کسی نے وہاں میری تلاش ہی کی؛ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، لوگ ایک جگہ پہنچے اور وہاں قیام کیا، جب لوگ مطمئن ہوگئے تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مجھے لے کر آئے، اس کے بعد تہمت لگانے والوں کو جو کچھ کہنا تھا کہا، پورے لشکر میں ایک کھلبلی سی مچ گئی اور خدا کی قسم! میں اس بارے میں بالکل ہی لاعلم تھی۔

افواہوں کی اطلاع

مدینہ واپسی کے بعد میں سخت بیمار پڑ گئی، حضور ﷺ اور میرے والدین کو اگرچہ اس افواہ کی اطلاع مل چکی تھی؛ لیکن وہ لوگ مجھ سے اس کا ذرا بھی تذکرہ نہ کرتے تھے؛ البتہ یہ ضرور تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ کم ہوگئی تھی، پہلے جب میں بیمار پڑتی تو آپ ﷺ خصوصی توجہ فرماتے، اس بار میری بیماری کے دوران وہ بات نہ تھی، جب آپ ﷺ آتے اور میرے پاس

میری والدہ زینب بنت عبد دُھمانؓ ہوتیں تو دریافت فرماتے: یہ کیسی ہیں؟ اس سے زیادہ کچھ پوچھ گچھ نہ کرتے، مجھے آپ ﷺ کے اس برتاؤ کی وجہ سے تکلیف ہوئی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں؛ چنانچہ میں اپنی والدہ کے یہاں چلی گئی، مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ ہوسکا؛ حتیٰ کہ میری بیماری پر بیس دنوں سے زیادہ گزر گئے۔

ہم عربوں کے یہاں عجمیوں کی طرح گھروں میں بیت الخلاء تعمیر کرنے کا رواج نہیں تھا اور ہم لوگ اس کو پسند بھی نہ کرتے تھے، ہم لوگ رفع حاجت کے لئے مدینہ کے کھلے میدانوں میں جایا کرتے تھے اور خواتین اپنی ضرورت کے لئے شب کو نکلتی تھیں، ایک شب میں ضرورت سے نکلی، مِسطح کی والدہ میرے ساتھ تھیں، وہ چلتے ہوئے چادر میں اُلجھ کر گر پڑیں اور کہنے لگیں ''مسطح کا برا ہو'' — میں نے کہا ایک مہاجر کے لئے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہوں تم نے کیا بری بات کہی؟ انھوں نے دریافت کیا کہ تم کو کوئی خبر نہیں پہنچی ہے؟ میں نے پوچھا: کس بات کی خبر؟ تب انھوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا، میں نے پوچھا کیا واقعی لوگوں نے ایسی بات کہی ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں! خدا کی قسم! ایسا ہی ہے۔

مجھے اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ رفع حاجت کروں، واپس آ گئی اور مسلسل روتی رہی؛ یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ میرا جگر شق نہ ہوجائے، میں نے اپنی والدہ سے کہا، اللہ آپ کو معاف کرے، لوگوں نے یہ سب کچھ کہہ ڈالا اور آپ نے مجھ سے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا، انھوں نے کہا: بیٹی، پریشان نہ ہو، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خوبصورت ہو، اس کی سوکنیں ہوں اور اس کا شوہر اسے چاہتا ہو پھر یہ عورتیں اس کے بارے میں بڑی بڑی باتیں نہ کریں۔

حضور ﷺ کا خطاب

رسول اللہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو مخاطب کیا اور حمد وثناء کے بعد فرمایا:

اے لوگو! کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے، جو مجھے میرے اہل وعیال کے معاملہ میں اذیت دیتے ہیں اور ان کے بارے میں غلط باتیں کہتے

ہیں، خدا کی قسم! ہم نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا اور وہ لوگ
اس کی نسبت ایک ایسے شخص کی طرف کرتے ہیں کہ ہم نے اس میں
ہمیشہ بھلائی ہی دیکھی ہے، وہ جب بھی میرے گھر میں داخل ہوتا تو
میرے ساتھ داخل ہوتا ہے۔

اس تہمت میں سب سے بڑا حصہ عبداللہ بن اُبی بن سَلُول اور خزرج کے کچھ لوگوں کا تھا، مسطح اور حَمْنَہ بنت جحش بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ تھے، حمنہ بنت جحش اس میں اس لئے شریک ہوگئی تھیں کہ ان کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں تھیں اور میرے مقابلہ میں ان کے سوا اور کوئی بیوی برابری نہیں کرتی تھی، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تو اللہ نے ان کی دین داری کی وجہ سے اس گناہ سے بچایا اور انھوں نے میرے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں کہا؛ مگر ان کی بہن نے اس افواہ کو خوب پھیلایا اور بدبختی سے دوچار ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کا خطاب سن کر اُسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگر ان تہمت لگانے والوں کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے تو ہم خود ان کے لئے کافی ہیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج سے ہیں تو ہمیں حکم فرمایئے، وہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں ـــ یہ سن کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، وہ ایک نیک خو آدمی سمجھے جاتے تھے، انھوں نے اسید رضی اللہ عنہ سے کہا: خدا کی قسم! تم نے جھوٹ کہا، ان کی گردنیں نہیں ماری جاسکتیں، یہ بات تم نے اس لئے کہی ہے کہ ان کا تعلق قبیلۂ خزرج سے ہے، اگر وہ تمہارے قبیلۂ اوس سے ہوتے تو تم ایسی بات نہ کہتے ـــ اسید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: واللہ! تم جھوٹ بول رہے ہو، دراصل تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہے ہو۔

اب دونوں طرف سے لوگ برسرِ پیکار ہوگئے اور قریب تھا کہ ان دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ جائے؛ مگر حضور ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفع دفع کرنے سے معاملہ ٹل گیا۔

حضور ﷺ کی مشاورت

اب رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا،

اسامہ رضی اللہ عنہ نے میری بہت تعریف کی اور کہا: آپ ﷺ کے اہل خانہ کے متعلق ہم خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے اور یہ صریح جھوٹ اور تہمت ہے، اور علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! عورتوں کی کمی نہیں ہے، آپ ﷺ ایک کی جگہ دوسری بیوی لا سکتے ہیں، آپ ﷺ باندی سے تحقیق کیجئے، وہ آپ ﷺ کو صحیح صحیح بتا سکے گی، پھر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی باندی ''بریرہؓ'' کو طلب کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کافی مارا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے سچ سچ کہنا، انھوں نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی :

> واللہ میں نے ان کے اندر خیر کے سوا کچھ نہیں پایا، میں ان پر کوئی عیب نہیں لگا سکتی، سوائے اس کے کہ میں اپنا آٹا گوندھتی اور ان سے کہتی کہ اس پر نظر رکھئے، مگر وہ غفلت میں سو جاتیں، بکری آتی اور آٹا کھا جاتی۔

حضرت عائشہؓ سے تحقیق

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے ، میرے والدین بھی یہیں تھے اور انصار کی ایک خاتون بھی تھی، میں روتی جاتی تھی اور وہ عورت بھی میرے ساتھ رو رہی تھی، آپ ﷺ بیٹھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور فرمایا: ''اے عائشہؓ! تم تک لوگوں کی جو بات پہنچی ہے، اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اگر تم نے وہ گناہ کیا ہے، جو لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرو، اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے'' — خدا کی قسم! میرا حال یہ تھا کہ جوں ہی حضور ﷺ نے مجھ سے یہ بات کہی، میرے آنسو تھم گئے، مجھے حضور ﷺ کی بات کا کوئی احساس نہیں ہوا، میں انتظار میں تھی کہ میرے والدین جواب دیں گے، میں اپنے آپ کو اس سے فروتر سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں آیاتِ قرآنی نازل ہوں گی، جو نمازوں اور مسجدوں میں پڑھی جائیں گی؛ البتہ مجھے اُمید تھی کہ حضور ﷺ کچھ ایسا خواب دیکھیں گے، جس سے میری براءت ظاہر ہو جائے یا کسی دوسرے ذریعہ سے حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگی۔

جب میں نے دیکھا کہ میرے والدین خاموش ہیں تو میں نے ان سے کہا: کیا آپ

حضور ﷺ کی باتوں کا جواب نہیں دیں گے؟ — انھوں نے کہا خدا کی قسم! ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے کہ ہم کیا جواب دیں، واللہ ان دنوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان پر جو آفت آئی ہے، میرے علم کے مطابق کسی گھر کے لوگ ایسی مصیبت کا شکار نہیں ہوئے — جب ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو میرا دل بھر آیا اور میں رو پڑی، میں نے کہا: خدا کی قسم! آپ ﷺ نے جس چیز کا ذکر کیا ہے، میں خدا کے سامنے اس کی توبہ نہیں کرسکتی، خدا کی قسم میں جانتی ہوں کہ اگر میں اس چیز کا اقرار کرلوں جو لوگ کہہ رہے ہیں — اور میرا اس سے بری ہونا خدا کو معلوم ہے — تو میں ایسی بات کیوں کہوں گی جو خلاف واقعہ ہے؟ اور اگر میں انکار کروں، تو آپ لوگ مجھے سچا نہ جانیں گے۔

میں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد کیا، مگر یاد نہ آیا، میں نے کہا: میں وہی کہتی ہوں، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا: ''**فصبر جميل والله المستعان على ماتصفون**''۔

وحی سے اطلاع

رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی، آپ ﷺ کو کپڑا اڑھا دیا گیا اور سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا، مجھے یہ کیفیت دیکھ کر کوئی گھبراہٹ اور پرواہ نہ ہوئی؛ اس لئے کہ میں جانتی تھی کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں؛ لیکن میرے والدین سخت پریشان تھے، میں نے سوچا کہ کہیں ان کی جان ہی نہ نکل جائے، ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں اللہ کی طرف سے ان چہ میگوئیوں کی تصدیق نہ ہو جو لوگ کر رہے ہیں، پھر یہ کیفیت ختم ہوئی، آپ ﷺ اُٹھ بیٹھے، گو کہ جاڑے کا موسم تھا؛ لیکن پسینہ اس طرح ٹپک رہا تھا جیسے چاندی کے بنے ہوئے موتی، حضور ﷺ نے پسینہ پونچھتے ہوئے فرمایا: ''عائشہؓ! خوش ہوجاؤ، اللہ نے تمہاری براءت نازل کردی''میں نے کہا: الحمدللہ۔

اب آپ ﷺ لوگوں کی طرف گئے، ان کے سامنے تقریر کی اور وہ آیات تلاوت کیں، جو اس سلسلہ میں نازل ہوئیں، حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت

جحش ؓ کو، جنھوں نے کھل کر تہمت لگائی تھی، حد لگانے کا حکم دیا اور ان پر حد لگائی گئی، واقعہ افک کے سلسلہ میں سورۂ نور کی آیات (۱۰-۲۰) نازل ہوئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فیاضی

حضرت ابوبکر، حضرت مِسطحؓ سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے ان کے اخراجات پورے کرتے تھے، جب قرآن کی یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر نے قسم کھائی کہ اب میں مسطح پر کچھ خرچ نہ کروں گا اور نہ اس کو کوئی فائدہ پہنچاؤں گا؛ چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں :

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (النور:۲۲)

تم میں جو لوگ فضل اور وسعت والے ہیں، ان کو نہ چاہئے کہ وہ اہل قرابت، مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم کھالیں؛ بلکہ چاہئے کہ وہ عفو و درگزر کا ہی معاملہ کریں، کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں معاف کردے، اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ اللہ مجھے معاف کردے —— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر مسطح رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی کی طرح خرچ دینے لگے اور فرمایا: خدا کی قسم! میں کبھی اس سے نہ رُکوں گا۔

☆ ☆ ☆

صلح حدیبیہ (۶ ھ)

رمضان المبارک اور شوال (۶ ھ) میں آپ ﷺ کا قیام مدینہ ہی میں رہا، ذی قعدہ میں عمرہ کے ارادہ سے نکلے، آپ ﷺ نے دوسرے عربوں اور گرد وپیش کی آبادیوں سے بھی خواہش کی کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ عمرہ کو نکلیں؛ مگر چوں کہ اہل مکہ طے کر چکے تھے کہ وہ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے یا بیت اللہ کی زیارت سے روک دیں گے؛ اس لئے اکثر عرب آپ ﷺ کے ساتھ نہیں آئے، اس طرح آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین وانصار اور بعض دوسرے عرب تھے، آپ ﷺ نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی رکھے تھے، اونٹوں کی تعداد ستر اور شرکاء کی سات سو تھی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے چودہ سو کی تعداد مروی ہے، آپ ﷺ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے؛ تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ جنگ کا ارادہ ہے اور واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے لئے جا رہے ہیں۔

بِشر بن سُفیان سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ جب عُسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! قریش کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی ہے، چنانچہ وہ لوگ اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر نکل پڑے ہیں؛ تاکہ ان کے دودھ پی کر اپنی غذا پوری کرتے رہیں اور محمد (ﷺ) کا استیصال کئے بغیر واپس نہ ہوں، یہ لوگ مکہ کے قریب ''ذی طویٰ'' تک آچکے ہیں، انھوں نے قسم کھائی ہے کہ آپ ﷺ کو کبھی مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور یہ خالد بن ولید ہیں، جن کو کچھ سواروں کے ساتھ آگے ''کُرَاعُ الغَمِیم''(۱) بھیجا ہے۔

---

(۱) یہ مقام حضور ﷺ کے جائے قیام عُسفان سے ۸ میل کی دوری پر واقع تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: قریش کا برا ہو، جنگ نے ان کو کھا لیا ہے، وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ میرے اور تمام عربوں کے درمیان معاملہ چھوڑ دیں، اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو یہ ان کے منشاء کے عین مطابق ہوگا اور اگر اللہ نے مجھے ان پر غالب کر دیا تو وہ سبھی اسلام میں داخل ہو جائیں، اگر قریش ایسا نہ کریں تو جب تک ان میں قوت ہوگی جنگ کرتے رہیں گے، قریش کیا سمجھتے ہیں؟ خدا کی قسم! اللہ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا ہے، میں اس کی خاطر جہاد کرتا رہوں گا؛ تا آں کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا میری گردن اُڑا دی جائے۔

حدیبیہ کی سمت

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو اس راستہ کو چھوڑ کر، جس پر وہ لوگ ہیں کسی دوسرے راہ سے ہمیں لے جائے ـــ قبیلۂ بنو اَسلَم کے ایک شخص نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں لے جا سکتا ہوں'' وہ مسلمانوں کو ایک دشوار گزار وادیوں کے درمیان کے راستہ سے لے گئے، جس میں بکثرت پتھر کی چٹانیں تھیں، مسلمانوں کو یہ راہ طے کرنے میں بڑی دشواری ہوئی، وادی کے اختتام پر لوگ ایک نرم راستہ پر نکلے، آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا، پڑھو ''**نستغفر الله ونتوب إليه**'' (ہم اللہ سے مغفرت کے طلب گار ہیں اور توبہ کرتے ہیں) چنانچہ صحابہ ﷺ نے یہ دُعاء پڑھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ دائیں طرف ''ظَہرَ الحَمْش'' کے درمیان اس راستہ سے چلو، جو ان کو ''ثَنِیَّۃُ المُرار'' نامی مقام پر پہنچا دے، جو حدیبیہ کے نشیبی علاقہ میں مکہ کے پست حصہ میں ہے ـــ قافلہ اسی راہ پر چل پڑا قریش نے قافلہ کے گرد و غبار سے اندازہ لگایا کہ مسلمانوں نے اپنا راستہ بدل دیا ہے، چنانچہ وہ واپس لوٹ گئے، آپ ﷺ چلتے رہے، جب ثنیۃ المراء پہنچے تو اونٹنی بھڑک اُٹھی، لوگ کہنے لگے: اونٹنی بھڑک اُٹھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹنی نہیں بدکی ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے؛ بلکہ جس ذات نے اصحابِ فیل کو روکا تھا اِس کو بھی اُسی نے روکا ہے، قریش مجھے کسی بھی ایسی بات کی دعوت دیں گے، جس میں صلہ رحمی ہوگی تو میں اسے ضرور قبول کروں گا، پھر لوگوں کو یہیں قیام کرنے کا حکم دیا ـــ عرض کیا گیا: یہاں تو

پانی ہی نہیں ہے پڑاؤ کس طرح کیا جائے؟ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دیا، یہ ناجیہ بن جُندُب یا فصیٰ بن ابی حارِثہ یا براء بن عازب رضی اللہ عنہ تھے، وہ ایک کنویں میں اُترے اور اس کی تہہ میں تیر گاڑ دیا، یہ کرنا تھا کہ پانی اُبل پڑا؛ یہاں تک کہ لوگوں کو وہاں سے ہٹ کر اس جگہ جانا پڑا جہاں اونٹ کھڑے کئے گئے تھے۔

بُدَیل کی آمد

آپ ﷺ جب مطمئن ہوئے تو قبیلۂ خُزَاعَہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ بُدَیل بن ورقاء آئے اور تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جنگ کے ارادہ سے نہیں آیا ہوں، محض بیت اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم مقصود ہے، پھر آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو بِشر بن سفیان سے کہی تھیں، یہ لوگ واپس ہوئے اور قریش سے کہا: اے گروہ قریش! تم لوگ محمد (ﷺ) کے معاملہ میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو، وہ جنگ کرنے نہیں آئے ہیں، ان کا مقصد تو محض بیت اللہ کی زیارت ہے —— یہ سن کر لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے، انھوں نے کہا، اگر وہ جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں تو بھی ہم ان کو بزور طاقت داخل نہ ہونے دیں گے اور عربوں کو اس سلسلہ میں ہم سے بات تک نہیں کرنی چاہئے، بنو خزاعہ کے مسلمان اور مشرک دونوں ہی رسول اللہ ﷺ کے راز دار تھے اور مکہ والوں کی کوئی بات آپ ﷺ سے چھپاتے نہ تھے۔

مِکْرَز اور حُلَیس کی آمد

اب قریش نے مِکْرَز بن حَفْص کو بھیجا، آپ ﷺ نے اسے آتا ہوا دیکھ کر کہا: ''یہ دھوکہ باز آدمی ہے'' اس نے بھی آ کر گفتگو کی اور آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی کچھ کہا جو پہلے بدیل سے کہہ چکے تھے، اس نے بھی قریش کو آپ ﷺ کے جواب سے مطلع کیا، اس کے بعد ان لوگوں نے حُلَیس بن علقمہ کو بھیجا، یہ حبشیوں کے سردار تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو آتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ خدا پرست قوم سے تعلق رکھتا ہے، اس کے سامنے قربانی کے جانور لاؤ کہ وہ اسے

دیکھے، حُلَیْس نے جب وادی کی طرف سے اپنی طرف مسلسل اونٹ آتے دیکھا، جن کی گردنوں میں قربانی کے جانور ہونے کی علامت کے طور پر قلادے ڈالے ہوئے تھے، تو یہ منظر دیکھ کر دور ہی سے واپس ہوگیا، آپ ﷺ تک پہنچا بھی نہیں اور قریش سے ان حالات کا تذکرہ کیا، قریش نے اس سے کہا: تم بیٹھو، تم بالکل دیہاتی ہو، تم کو کچھ بھی واقفیت نہیں ہے، حُلَیْس نے کہا: ''اے قریشیو! خدا کی قسم! نہ ہم اس کے لئے تمہارے حلیف بنے تھے اور نہ اس پر ہمارا باہمی معاہدہ تھا، بھلا جو شخص بیت اللہ کا احترام اور اس کی تعظیم کرتا ہو، اسے روک دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں حُلَیْس کی جان ہے یا تو محمد (ﷺ) جس کام سے آئے ہیں، اسے پورا کر لینے دو، یا میں تمام حبشیوں کو ایک ساتھ لے کر واپس ہو جاؤں گا''— قریش نے کہا، ٹھہر جاؤ، ذرا ہم اپنی مرضی کے مطابق مسلمانوں سے کچھ حاصل کر لیں، (یعنی: اپنی شرائط کے مطابق ان سے معاہدہ کر لیں)۔

عُرْوَہ سے گفتگو

پھر ان لوگوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا، یہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، اس نے کہا: ''اے محمد ﷺ! تم نے مختلف آدمیوں کو جمع کیا ہے، پھر ان کو اپنے قبیلہ اور خاندان کے مقابلہ میں لائے ہو؛ تاکہ تم ان کو شکست دو، یہ قریش ہیں جو اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ نکل آئے ہیں اور انھوں نے چیتوں کی کھالیں پہن رکھی ہیں، وہ اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ تم کو کبھی بھی بزور داخل ہونے نہ دیں گے اور خدا کی قسم! اگر جنگ ہوئی تو یہ سب تمہارا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے ہی بیٹھے ہوئے تھے، جوشِ غضب میں فرمانے لگے: ''تو لات (۱) کی شرمگاہ چوس'' کیا ہم حضور ﷺ کو چھوڑ دیں گے؟ — عروہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوقحافہ کے بیٹے ہیں، اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر مجھ پر تمہارا احسان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب دیتا — وہ گفتگو کے درمیان بار بار آپ ﷺ کی ریش مبارک پکڑنے لگا (یہ جاہلیت کا اندازِ گفتگو تھا)،

(۱) ''لات'' کے نام مشرکین عرب ایک دیوی کی پوجا کیا کرتے تھے۔

حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ زرہ پہنے وہیں کھڑے ہوئے تھے، عروہ جب آپ ﷺ کی داڑھی پکڑتا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے فرماتے: اپنا ہاتھ روئے انور کی طرف نہ بڑھاورنہ یہ ہاتھ واپس نہ جائے گا، (یعنی قلم کردیا جائے گا)، عروہ نے کہا تمہارا برا ہو، تم کس قدر درشت اور تند گو ہو؟ آپ ﷺ مسکرائے، عروہ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھتیجا ''مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ'' عروہ نے کہا: او بے وفا! ابھی کل کی بات ہے کہ تمہاری غلطی کا کفارہ ادا کیا ہے، (اشارہ اس طرف ہے کہ قبول اسلام سے پہلے مغیرہ نے بنو مالک کے ۱۳ر آدمیوں کو قتل کیا تھا، جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی)—— اس سے بھی آپ ﷺ نے وہی باتیں کہیں، جو دوسرے آنے والوں سے کہی تھیں اور وضاحت فرمادی کہ جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

وہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھا، وہ یہ منظر دیکھ چکا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو ہر شخص آپ ﷺ کے لئے وضو کا پانی لانے میں پہل کرنے کی کوشش کرتا ہے، آپ ﷺ کلی کرتے ہیں تو صحابہ اس پر بھی ٹوٹے پڑتے ہیں، آپ ﷺ کا کوئی بال نیچے نہیں گرنے دیا جاتا، اس نے واپس جا کر قریش سے تاثر بیان کیا کہ میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں جا چکا ہوں، میں نے محمد (ﷺ) کو ان کے ساتھیوں میں جتنا معزز پایا، کسی بادشاہ کو اس کی قوم میں اتنا معزز نہیں پایا، میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ کبھی بھی محمد (ﷺ) کو کسی کے حوالہ نہیں کرسکتے، اب تم لوگوں کی جو رائے ہو؟؟

خِرَاش اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مکہ میں آمد

اب حضور ﷺ نے خراش بن اُمیہ خُزاعی رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کو قریش کے پاس بھیجا، ان کو اپنے ایک اونٹ ''ثَعْلَبْ'' پر سوار کیا؛ تاکہ روساء مکہ تک آپ ﷺ کا پیغام پہنچادیں، ان لوگوں نے آپ ﷺ کے اونٹ کے پاؤں باندھ دیئے اور چاہا کہ خراش رضی اللہ عنہ کو قتل کردیں، حبشیوں نے ان کو بچالیا اور چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے پاس واپس آگئے، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ ان کو مکہ بھیجیں؛ دیں تاکہ وہ سردارانِ مکہ کے سامنے آپ ﷺ کے مقصد کی

وضاحت کردیں، انھوں نے کہا: اپنی جان کے متعلق قریش سے اندیشہ ہے، مکہ میں بنوعدی کا کوئی آدمی نہیں ہے، جو میری حفاظت کر سکے، قریش کو معلوم ہے کہ مجھے ان سے کس قدر عداوت ہے اور میں ان کے بارے میں کس قدر سخت ہوں؛ البتہ میں ایک ایسے آدمی کی نشاندہی کرتا ہوں جو ان کے درمیان مجھ سے زیادہ معزز ہے اور وہ ہیں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور روساء قریش کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو اطلاع کردیں کہ ہمارا مقصد جنگ وجدال نہیں ہے اور ہم محض بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے، ان کی ملاقات مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید سے ہوئی، اس کو اپنی سواری پر بٹھایا؛ کیوں کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ دے دی تھی؛ تا آں کہ آپ قریش کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچادیں؛ چنانچہ انھوں نے روساء مکہ کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچادیا، ان لوگوں نے کہا: اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کرلو، عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا، جب تک حضور ﷺ طواف نہ فرمالیں، اس بات پر قریش نے ان کو قید کرلیا، ادھر حضور ﷺ تک یہ اطلاع پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے ہیں۔

بیعتِ رضوان

حضور ﷺ کو جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اب ہم قریش سے جنگ کئے بغیر نہ ہٹیں گے''— آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیعت کی دعوت دی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی، بعض لوگوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے راہِ فرار نہ اختیار کرنے پر بیعت کی تھی، آپ ﷺ کے ہاتھ پر سب سے پہلے ابوسِنَان اَسَدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، جَدّ بن قَیس کے علاوہ حاضرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جس نے بیعت نہ کی ہو، وہ اونٹنی کے بغل میں چھپ کر لوگوں کی نظر سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا— بعد میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع محض افواہ تھی اور وہ محفوظ و مامون ہیں۔

مصالحت

اب قریش نے سُہَیل بن عَمْر وکو بھیجا اور اس سے کہا کہ محمد ﷺ سے مصالحت کرو؛ لیکن صلح میں یہ بات ضرور شامل ہو کہ اس سال وہ واپس ہو جائیں؛ تا کہ عربوں کو یہ کہنے کا موقع نہ مل جائے کہ محمد ﷺ بزورِ قوت مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ نے جب سہیل کو آتا ہوا دیکھا تو فرمایا: اب قریش کا ارادہ صلح کرنے کا ہے، — سہیل حاضرِ خدمت ہوا، کافی طویل گفتگو کی، یہاں تک کہ صلح طے پا گئی، جب صلح مکمل ہو گئی اور صرف تحریر باقی رہ گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے :

عمر رضی اللہ عنہ : اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ : کیوں نہیں!

عمر رضی اللہ عنہ : کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ : کیوں نہیں؟

عمر رضی اللہ عنہ : کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ : کیوں نہیں؟

عمر رضی اللہ عنہ : تو پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں رسوائی کیوں گوارا کریں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ : اے عمر (رضی اللہ عنہ)! ثابت قدم رہو، میں گواہ ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ : میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ سے بھی وہی سوالات کئے اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، یہ دریافت کرنے پر کہ ہم اپنے دین کے معاملہ میں رسوائی کیوں برداشت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، نہ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہوں اور نہ وہ مجھے ضائع ہونے دے گا''۔

معاہدہ اور اس کی کتابت

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، لکھو: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''— سہیل نے کہا، میں یہ نہیں جانتا، اس کے بجائے ''بسمک اللّٰھم'' لکھو؛ چنانچہ یہی لکھا گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یوں لکھا جائے، یہ وہ تحریر ہے، جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے سہیل ابن عمرو سے مصالحت کی ہے، سہیل نے کہا: اگر میں آپ کی رسالت کا اقرار کر ہی لیتا تو آپ سے جنگ کیوں کرتا؟ اس لئے اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''محمد رسول اللہ'' کی بجائے ''محمد ابن عبداللہ'' لکھا جائے، دونوں فریق نے اس بات پر مصالحت کی کہ :

☆ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور ایک دوسرے پر دست درازی سے بچیں گے۔

☆ قریش میں سے جو آدمی اپنی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے، وہ اسے واپس کردیں اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو قریش کے پاس آجائے، قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

☆ جو قبیلہ قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ اس کا حلیف بن جائے اور جو مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے ان کا حلیف بن جائے؛ چنانچہ بنوخزاعہ نے کہا: ہم مسلمانوں کے حلیف ہیں اور بنوبکر نے کہا: ہمارا عہد اہل مکہ کے ساتھ ہے۔

☆ اس سال مسلمان واپس ہوجائیں، آئندہ سال آئیں، تین دن مکہ میں قیام کریں، تلوار کے سوا کوئی اور ہتھیار نہ ہو اور وہ بھی نیام میں ہو، نیز ان تین دنوں میں مکہ والے شہر خالی کرکے باہر نکل جائیں گے۔

ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل کے بیٹے حضرت ابوجَندَل رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوآئے، سہیل نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو مارنے لگے اور ان کا گریبان پکڑ لیا، سہیل نے آپ ﷺ سے کہا: ''اے محمد (ﷺ)! میرے

اور تمہارے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ طے پا چکا ہے'' پھر وہ ابوجندل ﷺ کا گریبان پکڑ کر کھینچنے لگا؛ تاکہ قریش کی طرف واپس کر دیں، حضرت ابوجندل ﷺ زور زور سے چیخ رہے تھے: ''اے مسلمانو! کیا میں مشرکوں کی طرف لوٹ جاؤں، جو مجھے میرے دین کے معاملہ میں آزمائش میں مبتلا کردیں''— صحابہ ﷺ پہلے ہی آزردہ خاطر تھے، اس واقعہ کا اور زیادہ اثر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوجندل صبر کرو اور برداشت سے کام لو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے کمزور ساتھیوں اور دوستوں کے لئے کوئی راہ نکالے گا، ہمارے اور ان کے درمیان مصالحت ہوچکی ہے، ہم نے ان کو اور انھوں نے ہم کو اللہ کا عہد دے دیا ہے، ہم ان کو دھوکہ نہیں دے سکتے''— حضرت عمر ﷺ آگے بڑھے اور ابوجندل ﷺ کے ساتھ چلتے ہوئے فرما رہے تھے کہ ابوجندل ﷺ صبر کرو، کافروں کا خون کتے کے خون کی طرح ہے، حضرت عمر ﷺ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کئے ہوئے تھے کہ شاید وہ تلوار لے کر اپنے باپ پر وار کریں؛ لیکن باپ کی رعایت کرتے ہوئے انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

صلح نامہ کی کتابت کے بعد کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکوں نے اپنی گواہیاں ثبت کیں، یہ گواہ تھے: ابوبکر صدیق ﷺ، عمر ابن خطاب ﷺ، حضرت علی ﷺ، عبداللہ بن سہیل ابن عمرو، سعد بن ابی وقاص، مَحمود ابن مَسْلَمَہْ، مِکْرَزْ بن حَفْص جو اس وقت مشرک تھے۔

آپ ﷺ کا قیام ''حل'' کی حدود میں تھا؛ لیکن نماز حدود حرم میں ادا فرماتے تھے، صلح سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے جانوروں کی قربانی دی، پھر اپنے بال منڈائے، جب صحابہ ﷺ نے دیکھا کہ خود آپ ﷺ نے بال مونڈا لیا ہے اور قربانی کردی ہے تو صحابہ ﷺ بھی قربانیاں کرنے لگے۔

فتح مبین

اس کے بعد پہلے راستہ ہی سے واپس آگئے، آپ ﷺ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان ہی تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ، لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ (الفتح:۱-۲)

بلا شبہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی؛ تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے، آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو سیدھے راستہ کی رہنمائی کرے۔

ابن شہاب زہریؒ کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام میں کبھی اتنی بڑی فتح نہیں ہوئی، صلح کی وجہ سے جنگ بند ہوگئی تو ایک دوسرے سے مامون ہو گئے اور باہم قربت پیدا ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شخص اسلام کے بارے میں تحقیق کرتا اور کوئی بات سمجھ میں آتی تو اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہتا، چنانچہ دو سالوں میں اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا، جتنے لوگوں نے اس پورے عرصہ میں اسلام قبول کیا تھا؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں صحابہ ؓ کی تعداد حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی روایت کے مطابق چودہ سو تھی؛ جب کہ دو سال کے بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ ؓ تھے۔

☆ ☆ ☆

فتح خیبر (محرم ۷ ھ)

حدیبیہ سے واپسی کے بعد ذوالحجہ (۶ ھ) اور محرم (۷ ھ) کے کچھ دنوں آپ ﷺ کا قیام مدینہ ہی میں رہا، اس سال بھی حج کی نگرانی مشرکوں ہی کے ہاتھ میں رہی، پھر محرم ہی میں خیبر کو روانہ ہوئے، جھنڈا جو سفید رنگ کا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا اور نُمَیْلَہ بن عبداللہ لَیْثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا، جب خیبر کے قریب پہنچے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور دُعاء فرمائی :

> اے اللہ اور اے ان تمام چیزوں کے رب! جس پر آسمان سایہ فگن ہے، زمین اور ان تمام چیزوں کے پروردگار! جسے زمین اُٹھائے ہوئے ہے، شیطان اور ان لوگوں کے رب! جن کو وہ گمراہ کر چکا ہے اور اے ہواؤں اور ان چیزوں کے رب! جسے وہ اُڑائیں، ہم تجھ سے اس شہر، اس کے باشندوں اور اس کی تمام اشیاء کے خیر کے طالب ہیں اور شر سے پناہ چاہتے ہیں۔

پھر فرمایا: ''اب اللہ کے نام سے آگے بڑھو''۔

حملہ کا آغاز

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی آبادی پر حملہ کرتے تو صبح کا انتظار فرماتے، اگر اذان کی آواز آتی تو حملہ سے رُک جاتے ورنہ حملہ کرتے؛ چنانچہ مسلمان رات کے وقت خیبر پہنچے، آپ ﷺ نے وہیں رات گزاری، صبح کو جب اذان کی آواز نہیں آئی تو سوار ہوئے، صحابہ بھی اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اس موقع پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے پاؤں رسول اللہ ﷺ کے قدموں کو مس کر رہے تھے (گویا اس سواری پر تین آدمی تھے)۔

چنانچہ صبح صبح خیبر کے مزدوروں کا سامنا ہوا، جو اپنے پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر نکلے تھے، انھوں نے جب آپ کو اور آپ کے ساتھ لشکر کو دیکھا تو ''محمدٌ والخمیس معہ'' (محمد لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں) کہتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی، آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اُترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبحیں بہت بری ہوتی ہیں جن کو ڈرایا جا چکا ہے۔

بنی غَطْفَان کی ناکہ بندی

خیبر جانے کے لئے آپ ﷺ نے ''عِصَر'' نامی پہاڑ (جو مدینہ اور وادی فرع کے درمیان واقع ہے) کے راستہ سے چلنے کا انتخاب کیا؛ چنانچہ یہاں آپ ﷺ کے لئے ایک عارضی مسجد بنائی گئی، پھر آپ ﷺ صَہبَاء (جو خیبر اور مدینہ کے درمیان واقع ہے) پہنچے، پھر رسول اللہ ﷺ لشکر کے ساتھ ''رَجِیع'' نامی وادی میں اترے، یہ بنوغَطْفَان اور خیبر کے درمیان واقع ہے، یہاں آپ ﷺ کے قیام کا منشاء یہ تھا کہ درمیان میں اسلامی فوج کی موجودگی کی وجہ سے بنوغَطْفَان کو یہودیوں کی مدد کا موقع نہ مل سکے۔

چنانچہ بنوغطفان کو جب خیبر پر لشکر کشی کی اطلاع ملی تو وہ اکٹھا ہوئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں یہود کی مدد کو نکلے، ابھی وہ لوگ ایک ہی منزل پر پہنچے تھے کہ ان کو اپنے مال اور اہل وعیال کے سلسلے میں تشویشناک اطلاع ملی، انھوں نے سمجھا کہ شاید مسلمان ان کی طرف پلٹ رہے ہیں؛ چنانچہ وہ اُلٹے پاؤں واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اور اہل خیبر کے درمیان سے ہٹ گئے۔

قلعوں کی فتح

رسول اللہ ﷺ رفتہ رفتہ قلعوں پر قبضہ کرتے رہے اور یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرتے گئے، سب سے پہلے جو قلعہ فتح ہوا اس کا نام ''نَاعِم'' تھا، یہیں حضرت محمود بن مَسْلَمَہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، جن پر ایک چکی پھینک دی گئی تھی، اس کے بعد ''بنی ابی الحُقَیْق'' کا قلعہ ''قَمُوص'' فتح ہوا، ان میں بہت سی قیدیاں بھی ہاتھ لگیں، جن میں حی بن اَخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی

تھیں، یہ کِنَانہ بن ربیع کی بیوی تھیں، ان کی دو چچازاد بہنیں بھی اسی کی زوجیت میں تھیں، حضرت صفیہؓ کا آپ ﷺ نے خود اپنے لئے انتخاب فرمایا، دِحیَہ بن خلیفہ کَلْبی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے حضرت صفیہؓ کی خواہش کی تو آپ ﷺ نے ان کو حضرت صفیہؓ کی دو چچازاد بہنیں حوالہ کر دیں، اسی طرح دوسری قیدیاں بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

بنوسَہَم اَسلمی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم نے بہت محنت کی مگر ہمارے ہاتھ خالی ہیں، انھوں نے آپ ﷺ کے پاس بھی کچھ نہ پایا، آپ ﷺ نے دُعاء فرمائی: ''خداوندا! تو ان کے حال سے واقف ہے، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اور میرے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں ہے جو انھیں دوں، اس لئے تو اپنی رحمتوں سے وہ بڑا قلعہ جس میں زیادہ غلہ اور سامان ہے ان کے ہاتھوں فتح کروادے'' — چنانچہ صبح صبح اللہ تعالیٰ نے صَعْبْ بن مُعاذ کا قلعہ فتح کرادیا، تمام قلعوں میں یہی قلعہ تھا، جس میں سب سے زیادہ سامان اور غلہ تھا۔

مَرْحَبْ کا انجام

مختلف قلعوں کی فتح کے بعد اب دو قلعے رہ گئے تھے، جن کے نام ''وَطِیْح'' اور ''سُلَالِم'' تھے، یہ قلعے سب سے اخیر میں فتح ہوئے اور دس سے زیادہ راتوں تک آپ ﷺ نے اس کا محاصرہ جاری رکھا، اسی درمیان مرحب نامی یہودی اپنے قلعہ سے نکلا، یہ ہتھیاروں سے لیس تھا اور رجزیہ اشعار پڑھ رہا تھا، اس نے مقابلہ کے لئے للکارا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون اس کا مقابلہ کرے گا؟ حضرت محمد بن مَسْلَمہ رضی اللہ عنہ تیار ہوئے اور عرض کیا: کل میرے بھائی شہید کئے گئے ہیں، میں ان کا انتقام لوں گا — آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور دُعاء فرمائی کہ اے اللہ! مَرْحَبْ کے مقابلہ میں اس کی مدد فرما۔

دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے، درمیان میں ایک پرانا درخت تھا، جس کی لکڑی کمزور ہو چکی تھی؛ چنانچہ دونوں اپنے حریف کے مقابلہ اس کا سہارا لینے لگے، جب بھی کوئی اس کی آڑ لیتا فریق مخالف درخت کا وہ حصہ کاٹ دیتا، یہاں تک کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے روبرو آ گئے، اب مرحب نے حملہ کیا جسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ڈھال کے ذریعہ

روک لیا، تلوار ڈھال پر پڑی تو ڈھال کٹ گئی اور تلوار اس میں پھنس گئی، اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس زور سے مارا کہ وہ وہیں واصل جہنم ہو گیا۔

یاسر کا قتل

اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسِر نکلا، اس نے بھی دعوتِ مقابلہ دی، اس کے مقابلہ پر حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ نکلے، ان کی ماں حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ وہ شخص میرے بیٹے کو قتل کر دے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ انشاء اللہ تمہارا بیٹا اس کو قتل کر دے گا؛ چنانچہ دونوں کا مقابلہ ہوا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت سلمہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے ایک قلعہ ''قَمُوص'' کی مہم پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا جو سفید رنگ کا تھا، انھوں نے جنگ کی اور خوب جدوجہد کی؛ لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے بھی خوب جدوجہد کی اور واپس آ گئے، مگر فتح نہ حاصل نہیں ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کل میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا، جو خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا، وہ بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے والا نہیں ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کو آشوبِ چشم کی تکلیف بھی تھی، آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا، پھر فرمایا: یہ جھنڈا لو اور لے کر جاؤ؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو فتح سے ہمکنار کر دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہانپتے ہوئے نکلے اور قلعہ کے نیچے پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا نصب کر دیا، ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے جھانکتے ہوئے دریافت کیا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، اس نے جواب دیا: اس کتاب کی قسم! جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی ہے، تم غالب آ گئے: ''علو تم وما أنزل علی موسٰی'' چنانچہ اللہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہی کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔

وَطِیح وسُلاَلِم کی فتح

وَطِیح اور سلالم کے قلعوں کا آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا، یہاں تک کہ جب ان کو

اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا، تو حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں جلاوطن کردیں اور جان بخش دیں، آپ ﷺ نے منظور فرمالیا، آپ ﷺ نے ان کے سارے مال واسباب جو شِقّ، نَطَاۃ اور کَتِیْبَہْ وغیرہ قلعوں میں تھے، پر پہلے ہی قبضہ کرچکے تھے — جب فَدَک والوں کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے بھی درخواست کی کہ ہماری جان بخش دیں اور فدک سے نکال دیں، نیز ہم اپنے سارے مال واسباب بھی چھوڑ جائیں گے، ان کی درخواست بھی آپ ﷺ نے قبول کرلی۔

حضور ﷺ اور اہل خیبر کے درمیان بنو حارثہ کے مُحَیِّصَہْ بن مسعود نے صلح کرائی، جب اہل خیبر اپنی متعینہ شرط پر اُتر آئے، تو پھر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیں اور ہم یہاں کی پیداوار میں نصف حصہ ادا کردیا کریں گے، ہم ان چیزوں سے آپ ﷺ کے مقابلہ میں زیادہ واقف ہیں اور اس کو آباد کرتے رہے ہیں، آپ ﷺ نے نصف پیداوار میں ان کا وہاں رہنا قبول کرلیا، اس شرط کے ساتھ کہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے؛ چنانچہ پھر اہل فَدَک نے بھی ٹھیک ان ہی شرائط پر مصالحت کرلی، اب خیبر تمام مسلمانوں کے لئے غنیمت قرار پایا اور فدک چوں کہ فوجی کاروائی کے بغیر فتح ہوا تھا، اس لئے وہ آپ ﷺ کے لئے مخصوص رکھا گیا۔

مسموم بکری کی پیشکش

جب آپ ﷺ اس طرف سے مطمئن ہوگئے، تو سَلاَّم بن مِشْکَم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کو ایک بھنی ہوئی بکری تحفتاً دی، اس نے پہلے ہی دریافت کرلیا کہ آپ ﷺ کو بکری کا کونسا حصہ یا عضو زیادہ پسند ہے؟ اسے بتایا گیا تھا کہ آپ ﷺ دست زیادہ پسند کرتے ہیں؛ چنانچہ اس نے دست کے حصہ میں زیادہ زہر ڈالا اور عمومی طور پر تمام گوشت میں زہر ملادیا۔

جب اس نے لاکر آپ ﷺ کے سامنے رکھا تو آپ ﷺ نے دست کے حصہ سے تھوڑا سا گوشت لے کر چبایا؛ مگر نگل نہ سکے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی شریک طعام تھے، وہ نگل گئے، آپ ﷺ نے پھینک کر فرمایا: ''یہ ہڈی بتاتی ہے کہ یہ زہر آلود ہے'' پھر آپ ﷺ نے اس خاتون کو طلب فرمایا: اس نے زہر ملانے کا اعتراف کرلیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

تم کو اس گناہ پر کس بات نے آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا، آپ (ﷺ) میری قوم کے معاملہ میں جس حد پر پہنچ گئے، وہ آپ (ﷺ) سے مخفی نہیں ہے، میں نے سوچا کہ اگر آپ (ﷺ) بادشاہ ہوں گے، تو مجھے آپ (ﷺ) سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہوں گے تو آپ (ﷺ) کو خود ہی حقیقتِ حال کی اطلاع ہو جائے گی، آپ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا، حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا اسی وجہ سے انتقال ہو گیا {جب حضرت بشرؓ کا انتقال ہو گیا تو قصاص کے طور پر وہ قتل کر دی گئی} (۱)

خیبر کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ وادیٔ قریٰ کی طرف لوٹے، چند دنوں تک ان کا محاصرہ کیا، پھر مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت صفیہؓ سے نکاح

خیبر سے واپسی کے دوران راستہ ہی میں اُم المومنین حضرت صفیہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی یکجائی ہوئی، حضرت صفیہؓ کا بناؤ سنگھار، کنگھی چوٹی وغیرہ حضرت اُم سُلَیم بنت مِلْحَانؓ نے کی، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ اپنے خیمہ میں شب بسر کی، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سونتے ہوئے حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے اور خیمہ کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے؛ یہاں تک کہ صبح ہو گئی، جب حضور ﷺ نے ان کو یہاں دیکھا تو فرمایا: اے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کیا بات ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ ﷺ کے متعلق اس عورت سے اندیشہ لگ رہا تھا؛ اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان کے والد، شوہر اور اہل خاندان کو قتل کیا ہے اور وہ ابھی نئی نئی مسلمان ہوئی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حفاظت فرما، جس طرح انھوں نے میری حفاظت کرتے ہوئے رات بسر کی ہے۔

فجر کی نماز قضاء ہوگئی

خیبر سے واپس آتے ہوئے ایک جگہ آپ ﷺ نے قیام فرمایا، یہاں رات کا آخری وقت ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ سو جائیں تو کون ہماری نماز فجر تک حفاظت کرے گا،

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: الروض الانف: ۷/۱۱۱۔

یعنی اس وقت اُٹھادے گا؟ حضرت بلال ﷛ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ خدمت میں انجام دوں گا؛ چنانچہ رسول ﷺ اور تمام صحابہ ﷡ سو گئے، حضرت بلال ﷛ نماز پڑھنے لگے اور جس قدر ہوسکا پڑھتے رہے، پھر اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر فجر کا انتظار کرنے لگے، اسی دوران آنکھ لگ گئی اور سو گئے؛ یہاں تک کہ اس وقت آنکھ کھلی جب دھوپ لگنے لگی، حضور ﷺ صحابہ ﷡ سے پہلے بیدار ہوئے اور حضرت بلال ﷛ سے کہا: یہ تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ حضرت بلال ﷛ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جس ذات نے آپ ﷺ کو سلا دیا اسی نے مجھے بھی سلا دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: سچ کہتے ہو—اس کے بعد آپ ﷺ اونٹ لے کر چلے، تھوڑی دور پر اونٹوں کو ٹھہرایا، خود بھی وضو فرمایا اور صحابہ ﷡ نے بھی وضو کیا اور نماز ادا فرمائی، نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا: ''جب تم کوئی نماز ادا کرنا بھول جاؤ تو یاد آتے ہی پڑھ لو؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے یاد کرتے وقت نماز پڑھ لیا کرو، ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ''۔

غزوۂ خیبر کے شہداء

غزوۂ خیبر میں کچھ مسلمان خواتین بھی شریک تھیں؛ تاکہ زخمیوں کا علاج اور مرہم پٹی کرسکیں؛ البتہ حضور ﷺ نے ان کے لئے مالِ غنیمت کا باضابطہ حصہ مقرر نہیں کیا؛ بلکہ انھیں بھی کچھ عطا فرمادیا، خیبر میں جو مسلمان شہید ہوئے، ان کے نام یہ ہیں :

رَبِیْعَۃُ بن اَکْثَم ﷛، ثَقِیْف بن عَمْرو ﷛، رِفاعہ بن مَسْرُوْح ﷛، عبداللہ بن ہُبَیْب ﷛، بِشْر بن بَرَاء ﷛، فُضَیْل بن نُعْمَانَ ﷛، مَسْعود بن سَعْد ﷛، محمود بن مَسْلَمَہ ﷛، ابوضَیَّاح بن ثابت ﷛، حارث بن حاطِب ﷛، عروہ بن مُرَّہ ﷛، اَوْس بن قائد ﷛، اُنَیف بن حَبِیْب ص، ثابت بن اَثْلَہ ص، طلحہ ص، عُمارہ بن عُقْبہ ﷛، عامر بن اَکْوَع ﷛، اَسْوَد رَاعی ﷛، مسعود بن رَبِیْعہ ﷛ اور اَوْس بن قَتادہ ﷛۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

خیبر کے تین اہم قلعوں شق، نَطَاۃ اور کَتِیبَہ سے حاصل ہونے والے مال اس طرح تقسیم کئے گئے کہ پہلے دونوں قلعے کی جائیدادوں کو عام مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا اور کَتِیبَہ میں رسول اللہ ﷺ، ازواجِ مطہرات، اہل بیت، یتیموں اور مسکینوں کے حصے دیئے گئے، اسی میں سے آپ ﷺ نے مُحَیِّصَہ بن مسعود ـــ جو مصالحت میں واسطہ بنے تھے ـــ کو بھی جَو اور کھجوریں دیں، آپ ﷺ نے تقسیم کے لئے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ پوری جائداد کو اٹھارہ بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا، جن میں سے ہر حصے کے سو حصے کئے گئے، اس طرح اٹھارہ سو حصے ہوئے، یہ حصے چودہ سو مجاہدین اور ان کے دو سو گھوڑوں کے تھے۔

پیداوار کی تقسیم

اہل خیبر کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا معمول تھا کہ پیداوار کا تخمینہ کرنے اور یہودیوں اور مسلمانوں میں آدھا آدھا تقسیم کرنے کی غرض سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے، ابھی انھوں نے ایک ہی سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ غزوہ مُؤتَہ میں شہید ہو گئے، ان کے بعد آپ ﷺ نے یہ خدمت بنوسلمہ کے جَبّار بن صَخر رضی اللہ عنہ کو سونپی، وہی جاتے اور تخمینہ کر کے مال تقسیم کرتے۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی

جس دن خیبر فتح ہوا، اسی دن حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا، سینہ سے چمٹا لیا اور فرمایا: ''مجھے نہیں معلوم کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ مسرت ہوئی ہے یا جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد سے''؟

حبشہ میں رسول اللہ ﷺ کے جو صحابہ رہ گئے تھے، ان کو واپس لانے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضَمْرِی رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا؛ چنانچہ نجاشی نے دو کشتیوں کے ذریعہ مہاجرین کو واپس فرمایا، ان واپس آنے والوں کے نام یہ ہیں :

حضرت جعفر اور ان کی بیوی اسماء بنت عُمَیس اور ان کے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، خالد بن سعید، ان کی بیوی اُمَیْنَہ بنت خلف، ان کے دو بچے سعید بن خالد اور امۃ بنت خالد، ان کے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ، معیقب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کے خازن تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اَسود بن نَوفِل رضی اللہ عنہ، جَہم بن قیس رضی اللہ عنہ، عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عُتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حارث بن خالد رضی اللہ عنہ، عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، مَحْمِیَہْ بن جَزْء رضی اللہ عنہ، مَعْمَر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابو حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ، مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حارث بن عبد قیس رضی اللہ عنہ۔

☆ ☆ ☆

عمرۂ قضا (ذوقعدہ ۷ھ)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے مدینہ واپس آنے کے بعد کل ۸ مہینے (ربیع الاول تا شوال) مدینہ ہی میں قیام فرمایا، اس درمیان بعض غزوات وسرایا بھی پیش آئے۔

اس کے بعد ذوقعدہ میں اس عمرہ کی قضا کے ارادہ سے نکلے، جس سے سالِ گزشتہ مشرکین نے روک دیا تھا، آپ ﷺ کے ساتھ وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، جو گزشتہ سال عمرہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، یہ ۷ھ کا واقعہ ہے، اہل مکہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو حسب وعدہ شہر سے نکل گئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو اب بڑی تنگ دستی اور مشقتوں میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکین آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنے کے لئے 'دار الندوہ' میں صف بستہ کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے لے کر چادر کا ایک کنارہ بائیں کاندھے کے اوپر ڈالا اور اپنا دایاں ہاتھ نکال کر فرمایا: ''رحم اللہ إمرئً أراھم الیومَ مِنْ نَفْسِہٖ قُوَّۃ'' (یعنی اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے، جو آج کے دن کفار کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے)، پھر آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تیز تیز چلنے لگے، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کی آڑ میں آ کر آپ ﷺ مشرکوں کی نظر سے اوجھل ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے رکن یمانی کو بوسہ دیا اور چلتے رہے، پھر آپ ﷺ حجر اسود تک پہنچ گئے اور اسے بوسہ دیا، اس طرح آپ ﷺ نے تین شوط (۱) تیز تیز چل کر کئے اور باقی شوط میں معمول کے مطابق چلے۔

(۱) کعبۃ اللہ کے گرد ایک پھیر لگانے کو ایک ''شوط'' کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ اس سفر میں حضور ﷺ نے حالت احرام ہی میں حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے نکاح فرمایا، ان سے آپ ﷺ کا نکاح کرانے والے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ تھے، رسول اللہ ﷺ مکہ میں تین دن مقیم رہے، تیسرے دن حُوَیطِب بن عبد العزیٰ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ آپ (ﷺ) کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ ﷺ کی مدت ختم ہو چکی ہے؛ اس لئے آپ (ﷺ) چلے جایئے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کیا حرج ہے کہ تم اجازت دے دو کہ میں یہیں ولیمہ کر دوں، تم لوگ بھی کھانے پر مدعو ہو گے'' ان لوگوں نے کہا ہم کو آپ ﷺ کے کھانے کی ضرورت نہیں، آپ ﷺ مکہ سے نکل جائیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے مکہ سے کوچ فرمایا اور اپنے مولیٰ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہؓ کے ساتھ چھوڑ دیا، یہ لوگ بھی ''سَرِف'' (۱) میں آپ ﷺ سے آملے، حضور ﷺ نے یہاں ان سے خلوت فرمائی پھر مدینہ لوٹ گئے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (الفتح:۲۷)

خدا نے اپنے رسول ﷺ کا خواب سچ کر دکھایا، انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، امن کے ساتھ، بے خوف ہو کر، بال مونڈائے اور ترشوائے ہوئے، اللہ کو وہ بات معلوم تھی جو تم کو معلوم نہیں، پھر اللہ نے اس کے علاوہ ایک قریبی فتح مقرر کر دی ہے۔

☆ ☆ ☆

(۱) یہ ''تنعیم'' کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

غـزوۂ مُوتہ (جمادی الاولیٰ ۸ھ)

رسول اللہ ﷺ ربیع الثانی ۸ھ تک مدینہ ہی میں مقیم رہے، جمادی الاولیٰ میں شام کی طرف ایک فوج بھیجی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کوان پر امیر مقرر کیا اور کہا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر رہیں گے اور اگر یہ بھی شہید ہو گئے، تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے؛ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نکلنے کی تیاری شروع کردی، ان کی تعداد تین ہزار تھی، نکلنے کا وقت قریب آیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے امراء کو وداع کیا، جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا گیا تو رونے لگے، لوگوں نے دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگے: مجھے دنیا سے کوئی محبت نہیں اور نہ ہی تم سے کوئی فریفتگی ہے؛ لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کی یہ آیت پڑھتے سنا جس میں دوزخ کا ذکر ہے: ''وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلاَّ وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْماً مَقْضِيّاً'' (مریم:۷۱) ''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوزخ میں نہ جائے، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے'' میں نہیں جانتا کہ اس میں جانے کے بعد میرا نکلنا کیسے ہوگا؟ — صحابہ رضی اللہ عنہم نے تمام امراء کو رخصت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تمہارا ساتھ دے، تم سے مصیبتیں دُور کرے اور تم کو صحیح سلامت ہم تک لوٹائے، اس طرح یہ فوج مدینہ سے روانہ ہوگئی، رسول اللہ ﷺ بھی ان کو رخصت کرنے کے لئے نکلے اور رخصت کر کے واپس ہوئے۔

مسلمانوں کی باہمی مشاورت

یہ لوگ جب شام میں ''مُعَان'' نامی جگہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہرَقْلْ نے ایک لاکھ رومیوں کے ساتھ مَآبْ (شام کے علاقہ میں مقام بلقاء کی ایک جگہ) میں پڑاؤ ڈالا ہے اور اس کے ساتھ قبیلہ لَخْم، جُذَام قَیْنْ، بَہْرَاء اور بَلِیّ وغیرہ کا ایک لاکھ مزید فوج شامل ہوگئی ہے، ان میں قبیلہ بَلِیّ کا ایک آدمی مالک بن رَافِلَہ سپہ سالار ہے، مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے

’’معان‘‘ ہی میں دو راتیں گزاریں اور صورتِ حال پر غور وفکر کرتے رہے؛ چنانچہ طے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھ کر دشمنوں کی تعداد سے مطلع کریں، یا تو آپ ﷺ کچھ لوگوں کو اور بھیجیں گے، یا آپ ﷺ جو حکم دیں، ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’اے لوگو! جس چیز (یعنی شہادت) سے تم ناگواری محسوس کر رہے ہو، اسی کی طلب میں تم نکلے تھے (شہادت)، ہم لوگ تو کفار سے تعداد، قوت وکثرت پر بھروسہ کرتے ہوئے نہیں لڑتے ہیں، ہم تو صرف اس دین کی خاطر لڑتے ہیں، جس سے اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے؛ اس لئے چلو، ان کفار سے مقابلہ کرو، دو بھلائیوں میں سے ضرور کوئی ایک بھلائی ہمارے حصہ میں ہوگی، یا تو ہم ان پر غالب آجائیں گے اور ہم کو کامیابی حاصل ہوگی، یا پھر شہادت کا مرتبہ ملے گا‘‘۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: خدا کی قسم! ابن رواحہ نے سچ کہا اور پھر لوگ یہاں سے چل پڑے، جب بلقاء کی سرحد پر پہنچے تو یہاں ’’مَشَارِفُ‘‘ نامی ایک قریہ میں ہرقل کی، روم وعرب پر مشتمل فوج ملی، دشمن قریب ہوتے گئے، یہ لوگ ان سے ہٹ کر موتہ میں مقیم ہوئے اور یہاں دونوں افواج میں تصادم ہوا، مسلمانوں نے فوج اس طرح ترتیب دی کہ ان کی دائیں جانب بنوعُذْرَہْ کے ایک شخص قُطْبَہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ اور بائیں طرف ایک انصاری عُبَایَہْ بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت

پھر جنگ شروع ہوگئی، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا لے کر لڑتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں سے خون آلود ہوگئے اور شہید ہوگئے، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور لڑتے رہے، یہاں کہ جب وہ دشمنوں کے نرغہ میں آگئے تو اپنے گھوڑے سے اُترے، خود ہی اس کے پیر کاٹ ڈالے پھر دشمنوں سے لڑتے رہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پہلے جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا تھا، یہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو بائیں ہاتھ میں لیا، پھر جب وہ بھی کاٹ دیا گیا تو جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں سے

سنبھالا اور لڑتے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید کر دیئے گئے، اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی، کہا جاتا ہے کہ اس معرکہ میں ایک رومی نے آپ کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور آگے بڑھے، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور کچھ تردد میں تھے، پھر رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے سواری سے اُترے، ان کے ایک چچا زاد بھائی نے گوشت لگی ہوئی ایک ہڈی لاکر دی اور کہا کہ اس سے اپنی کمر کو مضبوط کرلو، کیوں کہ ان دنوں سفر کی جو مصیبتیں تم کو پہنچی ہیں، وہ ظاہر ہے، آپ نے لیا اور ابھی تھوڑا ہی کھایا تھا کہ دشمنوں کے ہجوم کی آواز سنائی دی، اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''ابھی تو دنیا ہی میں ہے'' یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے اسے پھینک دیا، تلوار لے کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان

اس کے بعد ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور کہا: اے مسلمانو! تم اپنے میں سے کسی امیر کا انتخاب کرلو، لوگوں نے کہا: ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں، انھوں کہا میں یہ نہیں کرسکتا؛ چنانچہ لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا، انھوں نے جب جھنڈا لیا تو مسلمانوں کو دشمنوں سے الگ کرنے اور نرغہ سے نکالنے لگے، جب سب الگ ہو گئے تو ان کو لے کر واپس مدینہ لوٹ آئے۔

مدینہ کو واپسی

جنگ میں مسلمانوں کو جو حالات پیش آئے، رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان حالات سے باخبر فرما دیا اور آپ ﷺ نے مدینہ میں موجود صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس کے بعد جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا تو وہ بھی لڑتے ہوئے شہید کر ڈالے گئے'' رسول اللہ ﷺ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے، انصار

کے چہرے بدلنے لگے، انھوں نے سمجھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ میں کوئی ایسی بات تونہیں جسے وہ ناپسند کرتے ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے'' خواب میں یہ میرے پاس جنت میں لائے گئے، یہ سب سونے کے تخت پر تھے، میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے تخت میں اپنے ساتھیوں کے تخت کی نسبت کچھ کجی تھی، میں نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ ان کے دونوں ساتھی تو جھنڈا لے کر بڑھتے چلے گئے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تھوڑا سا تردد ہوا، پھر وہ آگے بڑھے۔

قافلہ کے لوگ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ان کے استقبال کے لئے نکلے، بچے بھی ان کی طرف تیزی سے دوڑنے لگے، رسول اللہ ﷺ ایک سواری پر لوگوں کے ساتھ چل رہے تھے، بچوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے کہا کہ ان کو بھی سواریوں پر بٹھا لو، جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو مجھے دو، چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، آپ ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

لوگ لشکر کی طرف مٹی پھینک کر کہنے لگے ''اے بھاگنے والو! تم اللہ کے راستہ میں راہ فرار اختیار کرنے والے ہو'' رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

> وہ فرار ہونے والے نہیں ہیں؛ بلکہ دشمن پر پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے والے ہیں: ''لیسوا بالفُرّار ولکنهم الکُرّار إن شاء الله''۔

☆ ☆ ☆

فتح مکہ (رمضان ۸ھ)

بنوبکر اور بنوخزاعہ کے درمیان ماقبل اسلام ہی سے رقابت چلی آ رہی تھی، اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ بنوحَضرَمیؔ کا ایک شخص مالک بن عبَّاد تجارت کی غرض سے نکلا، وہ جب بنوخُزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے مال واسباب بھی لے لئے؛ اس کے جواب میں بنوبکر نے خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا، اب بنوخزاعہ نے بنوبکر کی ایک شاخ بنی اسود کے تین اشخاص سَلْمیٰ، ذُوَیْب اور کُلثُوم کو عین حرم کی سرحدوں پر قتل کر دیا۔

قریش اور بنوبکر کی عہد شکنی

ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ اسلام ان کی جنگوں میں حائل ہو گیا، پھر قریش اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان مصالحت ہوگئی، صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس معاہدہ میں جو مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونا چاہے، وہ ان کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ شرکت پسند کرے، وہ ان کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے؛ چنانچہ بنوخزاعہ مسلمانوں اور بنوبکر کافروں کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو گئے، (اور اس طرح یہ دونوں بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرنے کے پابند ہو گئے)۔

صلح کے بعد بَنُوبَکْر کی شاخ بنودِیْل نے اس موقع کو غنیمت جانا اور سوچا کہ یہی وقت ہے جس میں بنواسود کے مقتولوں کا انتقام لیا جائے؛ چنانچہ بنودِیل اپنے قائد نَوفِل بن مُعاویہ کی قیادت میں نکلے اور بنوخُزاعہ پر شب خوں مارا، جو اپنے پانی کے چشمہ "وتِیْر" پر مقیم تھے، ان کے ایک آدمی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور بنوخزاعہ کو نرغہ میں لینا اور ان سے جنگ کرنا شروع کر دیا، قریش نے اسلحہ کے ذریعہ بنوبکر کی مدد کی اور رات میں چھپ کر خود بھی جنگ میں شریک رہے؛ یہاں تک کہ بنوخزاعہ کو گھیر کر حرم تک پہنچا دیا۔

بنوبکر نے نوفل سے کہا: اب تو ہم حرم میں داخل ہو چکے ہیں، اب اپنے خدا سے ڈرو، (الٰهک الٰهک)، نوفل نے اس کے جواب میں کہا، آج کوئی خدا نہیں، بنو بکر! آج انتقام لے ہی لو، میری زندگی کی قسم! تم تو حرم میں چوریاں کرتے ہو پھر کیا اپنا انتقام نہ لوگے؟— بنواسود نے جس شخص کو نرغہ میں لے کر قتل کر دیا تھا، اس کا نام مُنَبِّہ تھا، مکہ پہنچ کر بنوخزاعہ نے بُدیل بن وَرْقَاء اور رافع کے گھروں میں پناہ لی۔

عمرو خزاعی اور بدیل کی آمد

اس واقعہ کے بعد عمرو بن سالم خزاعی مدینہ آئے، آپ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، عمرو نے چند اشعار پڑھے اور آپ ﷺ سے مدد طلب کی:

> اے پروردگار! میں محمد ﷺ کو اپنے آباء و اجداد کا قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں، تم ہمارے ہی بچے ہو اور ہماری ہی نسل ہو؛(۱) چنانچہ ہم نے مصالحت کر لی اور دستِ صلح نہیں کھینچا؛ لہٰذا اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ فی الفور ہماری مدد کیجئے اور اللہ کے بندوں کو بلائیے کہ وہ ہماری اعانت کریں...... انھوں نے وتِیْر میں نیند کی حالت میں ہم پر شب خوں مارا اور رکوع و سجدہ کی حالت میں ہمیں قتل کر دیا۔

آپ نے جواب دیا: عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی،— اس کے بعد بُدیل بن ورقاء بنوخزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بنو بکر کا حملہ اور قریش کی مدد وغیرہ کے واقعات کا ذکر کر کے واپس لوٹ گئے، آپ نے فرمایا: سمجھ لو ابوسفیان گویا آ ہی چکا ہے، جو اس معاہدہ کو مضبوط کرنا اور اس کی مدت میں اضافہ کرنا چاہے گا''۔

ابوسفیان کی آمد

بُدَیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلے گئے، عُسْفَان میں ان کی ملاقات ابوسفیان سے

---

(۱) عبد مناف اور قصی کی والدہ خزاعی ہی تھیں۔

ہوئی، جن کو قریش نے معاہدہ کی مضبوطی اور اس کی مدت میں اضافہ اور آئندہ ایسی حرکتوں سے باز رہنے کی یقین دہانی کے لئے بھیجا تھا، ابوسفیان نے دریافت کیا: کہاں سے آئے ہو؟ اس کا خیال تھا کہ بدیل مدینہ ہی آیا ہے، بدیل نے کہا: اس وادی کے ساحلی علاقوں میں رہنے والے بنوخزاعہ کے پاس گیا تھا، اس نے پھر پوچھا: کیا تم محمد ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے؟ بدیل نے کہا: نہیں — پھر جب بدیل مکہ واپس ہو گئے تو ابوسفیان نے کہا اگر وہ مدینہ گیا ہوگا تو اپنے اونٹ کو ضرور گٹھلیاں کھلائی ہوں گی، یہ سوچ کر وہاں گیا، جہاں بدیل نے اپنے اونٹ ٹھہرائے تھے، اونٹوں کی مینگنی لی اور اس کو توڑ کر دیکھا تو گٹھلیاں موجود تھیں، ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! بدیل محمد ﷺ کے پاس آچکا ہے۔

ابوسفیان مدینہ حضور ﷺ کے پاس آیا، پہلے اپنی بیٹی حضرت اُم حبیبہؓ کے پاس آیا: جو آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں تھیں، ابوسفیان حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھا تو اُم المومنین نے بستر موڑ دیا، ابوسفیان نے کہا: بیٹی! میں نہیں سمجھ سکا کہ تو نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا؟ یا مجھے اس بستر کے قابل نہ سمجھا، حضرت اُم حبیبہؓ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ایک مشرک اور ناپاک آدمی ہیں، مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ آپ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھیں، ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! مجھ سے دور ہونے کے بعد تمہارے اندر شر پیدا ہو گیا ہے۔

مصالحت کی کوشش

پھر ابوسفیان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو کی، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا؛ تاکہ آپ اس مسئلہ پر حضور ﷺ سے بات کریں، انھوں نے بھی انکار کر دیا، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، انھوں نے کہا: کیا میں تمہارے بارے میں سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم! اگر مجھے تھوڑی سی قوت بھی حاصل ہو جائے تو میں ضرور تم سے جہاد کروں گا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت حضرت فاطمہؓ بھی تھیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس ہی کھیل رہے تھے، ابوسفیان

نے کہا: علی! تم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ میرے لئے مہربان ہو، میں ایک ضرورت سے آیا ہوں، میں یہاں سے ناکام واپس جانا نہیں چاہتا؛ اس لئے تم آپ ﷺ کے پاس میری طرف سے سفارش کردو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، رسول اللہ ﷺ جس بات کا عزم کر چکے ہیں، اس کے متعلق ہم کچھ نہیں بول سکتے۔

اب اس نے حضرت فاطمہ ؓ کی طرف رُخ کیا کہ اے محمد (ﷺ) کی صاحبزادی! کیا تم اس کو مناسب سمجھتی ہو کہ اپنے اس چھوٹے بچے کو حکم دو کہ وہ لوگوں کے درمیان مصالحت کرائے، یہاں تک کہ ہمیشہ 'سید العرب' کے نام سے پکارا جائے؟ حضرت فاطمہ ؓ نے جواب دیا: واللہ! ابھی میرا بچہ اس عمر کو نہیں پہنچا ہے کہ لوگوں میں مصالحت کرائے، نیز حضور ﷺ کے مقابلہ میں کوئی بیچ بچاؤ کر بھی نہیں سکتا، ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ میرے معاملات بہت بگڑ گئے ہیں؛ اس لئے مجھے خیر خواہانہ مشورہ دو، انھوں نے جواب دیا: میرے علم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو تم کو کچھ بھی کام دے سکے، تاہم تم بنو کنانہ کے سردار ہو؛ اس لئے عام لوگوں کے درمیان مصالحت کا اعلان کردو اور اپنے یہاں واپس چلے جاؤ، ابوسفیان نے پوچھا: کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بات میرے لئے کچھ بھی مفید اور کارآمد ہوگی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں؛ لیکن اس کے سوا کوئی اور صورت بھی نہیں ہے، چنانچہ ابوسفیان نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان کیا: ''لوگو! میں صلح حدیبیہ کی تجدید کرتا ہوں،'' ''إني قد أجرت بين الناس'' — پھر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور مکہ واپس ہو گیا۔

ابوسفیان مکہ پہنچا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ اس نے پوری صورتِ حال بتائی کہ میں محمد (ﷺ) کے پاس گیا، میں نے ان سے گفتگو کی، انھوں نے خدا کی قسم! کچھ بھی جواب نہیں دیا، پھر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا، میں نے ان کے اندر بھی کوئی خیر خواہی نہ پائی، پھر عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا، ان کو سخت دشمن پایا، پھر علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا، وہ سب سے نرم خو معلوم ہوئے، انھوں نے مجھے ایک کام کا مشورہ دیا اور میں نے ان کی تعمیل کی، نہ معلوم یہ ترکیب ہمارے کچھ کام آسکے گی یا نہیں؟ لوگوں نے پوچھا؟ کیا مشورہ دیا؟ ابوسفیان نے کہا:

انھوں نے کہا کہ میں لوگوں کے درمیان معاہدہ کی تجدید کا اعلان کر دوں؛ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، لوگوں نے دریافت کیا: پھر کیا محمد (ﷺ) نے اس سے اتفاق کیا؟ اس نے کہا: نہیں — لوگوں نے کہا: یہ تو تمھارے ساتھ محض ایک مذاق ہوا، اتنا سا کہہ دینا تو تمھارے لئے کچھ بھی کارگر نہ ہوگا، ابوسفیان نے جواب دیا؛ مگر خدا کی قسم! اس کے سوا کوئی اور صورت بھی تو نہ تھی۔

سفر کی تیاری

اب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو سفر جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور اپنے اہل خانہ سے بھی کہا کہ حضور ﷺ کا سامانِ سفر تیار کریں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کا سامان ٹھیک کر رہی ہیں، دریافت کیا: حضور ﷺ نے اس تیاری کا حکم دیا ہے؟ جواب ملا: ہاں؛ لہٰذا آپ بھی تیاری کر لیجئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارا کیا اندازہ ہے؟ آپ ﷺ کا کہاں کا قصد ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: خدا کی قسم! مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔

پھر حضور ﷺ نے اعلان کر دیا کہ آپ ﷺ کا ارادہ مکہ کا ہے، نیز آپ ﷺ نے سفر کے لئے تیاری کا حکم بھی دے دیا اور دُعاء فرمائی ''بارالٰہا! قریش سے خبروں اور حالات کو مخفی رکھ؛ یہاں تک کہ ہم ان کے شہر پر اچانک حملہ آور ہو جائیں''۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

آپ ﷺ نے جب مکہ روانگی کا پختہ ارادہ فرما لیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط قریش کو لکھا؛ تاکہ ان کو حضور ﷺ کے عزائم سے آگاہ کر دیں، پھر خط بنو مطلب کی باندی سَارہ یا قبیلۂ مُزَن کی کسی خاتون کو دیا کہ وہ اسے قریش تک پہنچا دے اور اس کے بدلہ میں اُجرت بھی متعین کر دی، اس نے یہ خط سر میں چھپا لیا اور اس پر جوڑے باندھ کر نکل گئی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو من جانب اللہ اس کی اطلاع ہوگئی، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان دونوں نے اس خاتون کو خُلَیْقَۃ بنی احمد (جو مدینہ سے قریب ہی ایک جگہ ہے) میں پکڑ لیا، اس کو کجاوہ سے اتارا اور پورے کجاوہ کی تلاشی لی، مگر کچھ نہ ملا، پھر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا: خدا کی قسم! نہ حضور ﷺ سے جھوٹ کہا گیا ہے اور نہ آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے جھوٹ کہا ہے، تم یا تو یہ خط نکال دو یا پھر ہم تمہیں برہنہ کر دیں گے — اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ دیکھ کر کہا "ذرا ہٹ جاؤ" حضرت علی رضی اللہ عنہ ہٹ گئے، تو اس نے اپنے جوڑے کھولے اور خط نکال کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ خط لے کر آپ کے پاس پہنچے۔

آپ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے کہا: خدا کی قسم! میں خدا اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں، میرے اندر کوئی تبدیلی یا تغیر پیدا نہیں ہوا ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ یہاں نہ میرے بچے ہیں، نہ دوسرے اہل خاندان، مکہ والوں میں میرے بچے اور اہل وعیال ہیں؛ اس لئے میں نے ایسا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کی گردن اُڑادوں، اس لئے کہ یہ شخص تو منافق ہوگیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ تم کو کیا معلوم کہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس دن جھانک کر فرمایا: "تم جو کچھ بھی کرنا چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے" اسی موقع پر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں :

> اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو؛ حالاں کہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے، اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روِش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو؛ حالاں کہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں، جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے، وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا، ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار دیں، وہ تو یہ

چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہوجاؤ، قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد، اس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے، تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ''ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ'' مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ ''میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اور اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کرلینا میرے بس میں نہیں ہے'' (اور ابراہیم واصحابِ ابراہیم کی دُعا یہ تھی) ''کہ اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رُجوع کرلیا اور تیرے ہی حضور میں ہم کو پلٹنا ہے۔ (الممتحنہ:۱-۴)

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن اُمیہ کی حاضری

اب حضور ﷺ کے سفر کا آغاز ہوا، آپ ﷺ نے مدینہ پر حضرت ابوکلثوم بن حُصَین غفاری رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا، یہ رمضان المبارک کی دس تاریخ تھی، آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم روزہ سے تھے، قافلہ جب کُدَید کے مقام پر پہنچا جو عُسفان اور اَمَج کے درمیان تھا تو آپ ﷺ نے افطار فرمایا، یہاں سے روانہ ہوکر دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ ''مَرَّ الظَّہران'' کے مقام پر پہنچے، ان میں سات سو یا ایک ہزار بنوسُلَیم کے مسلمان تھے، اسی طرح ایک ہزار قبیلۂ بنومُزَینَہ کے، ہر قبیلہ کے لوگ موجود تھے، مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ تمام کے تمام ساتھ تھے اور کوئی بھی نہ تھا جو اس مہم میں شریک نہ رہا ہو۔

قریش کو اب تک آپ ﷺ کے بارے میں کوئی اطلاع نہ تھی، ان ہی راتوں میں ایک دن ابوسفیان بن حَرْب، حکیم بن حِزام اور بُدَیل بن وَرْقاء حالات کی جستجو میں نکلے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ راستہ ہی میں جُحْفَہ کے مقام پر آپ ﷺ سے آملے تھے، حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ابوسفیان اور عبداللہ بن امیہ بھی ''نِیْقِ عُقَابْ'' کے مقام پر آپ ﷺ سے ملنے آئے، جو مکہ اور مدینہ کے وسط میں واقع ہے۔

یہ دونوں بارگاہِ نبوی ﷺ میں باریابی کے لئے حضرت اُم سلمہؓ کے پاس آئے اور ان سے سفارش کرنے کی گزارش کی، حضرت اُم سلمہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا ''آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور پھوپی زاد بھائی آئے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ان کی ضرورت نہیں، چچازاد بھائی نے مجھے بے عزت کیا اور پھوپی زاد بھائی اور داماد نے مکہ میں وہ کچھ کہا، جو مناسب نہ تھا''۔

ان دونوں کو اطلاع ملی، ابوسفیان کے پاس ایک چھوٹا بچہ بھی تھا، انھوں نے کہا: یا تو وہ مجھے اجازت دے دیں یا پھر اپنے اس بچہ کو لے کر کہیں نکل جاؤں گا، یہاں تک کہ بھوک و پیاس سے میری جان ہی نکل جائے ــــ آپ ﷺ تک جب یہ بات پہنچی تو دل بھر آیا اور ان کو باریابی کی اجازت مرحمت فرمادی، ان دونوں نے اسلام قبول کرلیا اور ابوسفیان نے اپنی پہلی کہی ہوئی باتوں سے معذرت کرتے ہوئے چند اشعار بھی کہے۔

ابوسفیان کا قبولِ اسلام

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ مرالظہر ان پہنچے تو میں نے سوچا ''ہائے قریش کی صبح! خدا کی قسم! اگر آپ بزورِ قوت مکہ میں داخل ہوگئے اور قریش نے پہلے ہی آکر امن کی درخواست نہ کرلی تو ہمیشہ کے لئے قریش کا نام ونشان مٹ جائے گا؛ چنانچہ میں آپ کی سفید خچر پر بیٹھا اور سوار ہوکر ''اَرَاکْ'' نامی مقام پر پہنچا، میں نے کہا: ممکن ہے کہ کوئی لکڑ ہارا، دودھ والا یا ضرورت مند مل جائے، جو مکہ جارہا ہو تو اس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی یہاں موجودگی کی اطلاع دے دوں؛ تاکہ وہ آپ ﷺ کے مکہ میں بہ قوت داخل ہونے سے پہلے خود ہی امن کی درخواست کرلیں''۔

میں ابھی اسی جستجو میں تھا کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل کی باہمی گفتگو سنی، ابوسفیان نے کہا: میں نے آج شب کی طرح کبھی آگ اور لشکر نہ دیکھا، بدیل کہہ رہا تھا: خدا کی قسم! یہ خزاعہ کا لشکر ہوگا، جس کو جنگ نے جلا بھون کر رکھ دیا ہے، ابوسفیان نے کہا: خُزاعہ اس قدر طاقتور اور تعداد میں اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ ان کا یہ لشکر ہو اور یہ آگ ان کے لشکر کی ہو۔

میں نے ان کی آواز پہچان لی، میں نے ابوسفیان کو پکارتے ہوئے کہا،"اے ابوحَنظلَۃ!" وہ بھی میری آواز پہچان گیا، کہنے لگا:"ابوالفضل"؟ میں نے کہا: ہاں! ابوسفیان نے کہا: کیا بات ہے؟ تم پر میرے ماں باپ قربان، میں نے کہا: ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، ان لوگوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، خدا کی قسم! قریش کی صبح بڑی دردناک ہوگی، اس نے پوچھا: تم پر میرے ماں باپ قربان، پھر اس سے بچاؤ کا کیا ذریعہ ہے؟ میں نے کہا: اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہاری گردن اڑا دیں گے؛ اس لئے اسی خچر پر تم میرے پیچھے سوار ہو جاؤ، میں تم کو آنحضور ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں اور تمہارے لئے امان چاہتا ہوں۔

چنانچہ وہ میرے پیچھے سوار ہوگیا اور اس کے ساتھی واپس ہوگئے، جب بھی میں مسلمانوں میں سے کسی کی آگ کے پاس سے گزرتا تو وہ کہتے یہ کون ہے؟ پھر جب حضور ﷺ کا خچر اور اس پر مجھے دیکھتے تو کہتے: رسول اللہ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کے خچر پر ہیں — یہاں تک کہ میرا گزر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، انھوں نے جب ابوسفیان کو میرے پیچھے دیکھا تو کہنے لگے:

> یہ ابوسفیان، خدا کا دشمن! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کسی عہد و پیمان کے بغیر ہی اس پر ہمیں قدرت دے دی ہے۔

وہ آنحضرت ﷺ کی طرف دوڑنے لگے، میں نے بھی خچر کو ایڑ لگائی اور پہلے پہنچ گیا، خچر سے اچھل کر نیچے آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:"یہ ابوسفیان ہے، اللہ نے کسی عہد و پیمان کے بغیر ہی اس پر قدرت عطا کردی ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ اس کا سر قلم کردوں" میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے

اسے پناہ دے دی ہے — پھر میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور سرِ مبارک پکڑ کر کہا: خدا کی قسم! آج رات اس سے میرے سوا کسی اور نے سرگوشی نہیں کی ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے بارے میں بہت کچھ کہہ چکے تو میں نے کہا: عمر! بس بھی کرو، واللہ اگر یہ بنی عدی سے ہوتا تو تم یہ سب کچھ نہ کہتے؛ لیکن تم کو معلوم ہے کہ اس کا تعلق بنوعبد مناف سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس دن تم اسلام لائے وہ دن میرے لئے اس سے زیادہ محبوب ہے، جس دن خطاب اسلام لاتے اگر وہ مسلمان ہوئے ہوتے، آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انھیں لے جائیں اور صبح کو حاضر کریں۔

میں ابوسفیان کو اپنے کجاوہ میں لے گیا، وہیں رات گزاری، صبح کو حضور ﷺ کی خدمت میں لایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم ''لا إله إلا الله'' کہو؟ — جواب ملا، میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، جو تم نے صلہ رحمی اور اکرام کیا ہے، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر ایک خدا کے سوا کچھ اور خدا بھی ہوتے تو وہ میرے کچھ نہ کچھ ضرور کام آتے — ارشاد ہوا: پھر کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس حقیقت کو سمجھ لو کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں؟ ابوسفیان نے کہا، اس بارے میں ابھی تک میرے دل میں کچھ شبہ ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمہارا برا ہو، اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے، اسلام قبول کرلو اور گواہی دو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے'' اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان رضی اللہ عنہ فخر کو پسند کرتے ہیں، مناسب ہوگا کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ کچھ خصوصی معاملہ فرمائیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوگا، وہ امن میں رہے گا اور جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا، وہ بھی امن میں ہے اور جو مسجد میں داخل ہوا، وہ بھی امن میں رہے گا''۔

خدائی فوج

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے لوٹنا چاہا تو آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، پہاڑ کے

سرے پر — جہاں سے وادی تنگ ہوکر گزرتی ہے — ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو روکو؛ تاکہ وہ وہاں سے خدائی فوج کو گزرتے ہوئے دیکھ سکے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو وہیں روک رکھا، مختلف قبیلے اپنے اپنے جھنڈے لے کر گزرتے رہے، جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتا جاتا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جواب دیتے جاتے، یہ سلیم ہیں، یہ مزینہ ہیں وغیرہ، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے دستہ کے ساتھ گزر رہوا، جس میں بکثرت ہتھیار تھے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: سبحان اللہ! عباس رضی اللہ عنہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ اب کوئی ان کے مدمقابل نہیں آسکتا اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے، آئندہ تمہارے بھتیجے کی حکومت بہت بڑی ہوجائے گی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حکومت نہیں نبوت ہے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو اور بھی خوب ہے ''فنعم اِذن''۔

امن کا اعلانِ عام

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا: تم تیزی سے مکہ چلے جاؤ؛ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور بلند آواز میں چیخ کر کہا ''گروہِ قریش! یہ محمد ﷺ تمہارے سروں پر آچکے ہیں، تمہارے اندر ان کے مقابلہ کی تاب نہیں ہے، لہٰذا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوجائے وہ امن میں رہے گا، ہند بنت عتبہ نے کھڑے ہوکر اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مونچھیں پکڑلیں اور کہنے لگیں: اس موٹے، چربیلے اور گھی کے برتن کی مانند پھولے ہوئے شخص کو قتل کر ڈالو۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کو تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے، محمد ﷺ ایسے لشکر کے ساتھ ہیں کہ تمہارے اندر ان سے مقابلہ کی تاب نہیں؛ لہٰذا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے — لوگوں نے کہا، تجھے اللہ برباد کرے، تمہارا گھر ہم لوگوں کے لئے کیسے کافی ہوگا؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا اور جو اپنا دروازہ بند کرلے وہ بھی امن میں ہے اور وہ بھی جو مسجد حرام میں داخل ہوجائے — اب لوگ منتشر ہوگئے اور اپنے اپنے گھروں اور مسجد میں چلے گئے۔

نبی کی فاتحانہ ادا

رسول اللہ ﷺ وادی ''ذِی طُویٰ'' میں پہنچے تو اپنی سواری پر ٹھہرے رہے، آپ ﷺ کا عمامہ شملہ کے بغیر تھا اور سرخ یمنی چادر کا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب اس فتح و کامرانی کا نظارہ کیا، جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کیا تو مارے عجز و تواضع کے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک پالان کے اگلے حصہ سے لگ رہی تھی۔

ابو قُحافہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

پھر جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہو گئے اور مسجد حرام میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو لے کر آئے، جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: تم نے ان بوڑھے آدمی کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا؛ کہ میں خود ہی آ جاتا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہ اس بات کے زیادہ سزاوار تھے کہ خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر آپ ﷺ نے ان کو سامنے بٹھایا، ان کے سینہ پر اپنا دست اقدس پھیرا اور کہا: اسلام قبول کر لیجئے؛ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔

مکہ میں داخلہ

''ذِی طُویٰ'' سے جب آپ ﷺ اپنی فوج بھیجنے لگے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ''کُدٰی'' (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں جنوب کی طرف ہے) سے مکہ میں داخل ہوں، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ''کَدَاء'' (جو مکہ کے بالائی علاقہ میں ہے) سے داخل ہونے کا حکم فرمایا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آج کشت و خون کا دن ہے، ''**اليوم يوم الملحمة**'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ''لِیط'' نامی مقام سے مکہ میں داخل ہوئے، حضور ﷺ کے آگے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ایک فوجی دستہ لے کر بڑھے اور آپ ﷺ خود ''اَذَاخِر'' نامی گھاٹی سے مکہ کے بالائی حصہ پر اُترے، وہیں آپ ﷺ کا خیمہ لگایا گیا۔

کفار سے مڈ بھیڑ

صَفوان بن اُمیہ، عِکْرِمَہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے جنگ کے ارادہ سے خَنْدَمَہ میں لوگوں کو جمع کیا، حِماس بن قیس آپ ﷺ کی آمد سے پہلے ہی سے اسلحہ تیار کر رہا تھا، اس کی بیوی نے کہا: خدا کی قسم! محمد اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، ان لوگوں کا مقابلہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس لڑائی میں —کُرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور خُنَیس بن خالد رضی اللہ عنہ جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور اس وقت لشکر سے الگ ہوکر دوسرے راستہ سے جا رہے تھے —قتل کر دیئے گئے، قبیلۂ جُہَینَہ کے سَلَمَہ بن مَیْلاء رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، یہ بھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ میں تھے، مشرکین کے بارہ آدمی مارے گئے، پھر انھیں شکست ہوئی، حِماس بھاگ کر اپنے گھر گیا اور بیوی سے کہا: دروازہ بند کر دو۔

مسلمانوں کا شِعار

فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں مہاجرین کا شعار (جنگی کوڈ ورڈ) ''یا بنی عبدالرحمٰن''، بنوخزرج کا ''یا بنی عبداللہ'' اور اوس کا ''یا بنی عبیداللہ'' تھا۔

چند بدنصیب

مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ ﷺ نے امراءِ فوج کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ قتل وخون نہ کریں، سوائے ان چند آدمیوں کے جن کے نام بھی آپ ﷺ نے بتا دیئے تھے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ کعبہ کے غلاف کے اندر بھی چھپ جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

انھیں لوگوں میں عبداللہ بن سعد ہے، حضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم اس لئے دیا کہ اس نے پہلے اسلام قبول کیا، وحی کی کتابت کرنے لگا، پھر مرتد ہوکر قریش سے آملا، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا، فتح مکہ کے موقع پر وہ بھاگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو چھپا دیا؛ یہاں تک کہ جب لوگ مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ سے اس کے لئے امان چاہی، آپ ﷺ کافی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: اچھی بات ہے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے تو آپ ﷺ نے گرد وپیش کے لوگوں سے کہا ''میں اس لئے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اسے قتل کردے'' ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اشارہ کیوں نہ فرمادیا؟ —— آپ ﷺ نے فرمایا: نبی قتل کے لئے اشارہ نہیں کرتے ہیں؛ چنانچہ یہ دوبارہ اسلام لے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو بعض اہم ذمہ داریاں بھی سونپیں۔

عبداللہ بن خَطَل: یہ بھی پہلے مسلمان تھا، حضور ﷺ نے اس کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اس کے ساتھ اس کا غلام بھی تھا، جو اس کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بھی مسلمان تھا، اس نے ایک جگہ قیام کیا اور غلام کو کھانا پکانے کا حکم دیا، پھر سوکر اٹھا تو غلام نے کھانا نہیں پکایا، اتنی سی بات پر اسے قتل کردیا اور مرتد ہوگیا؛ چنانچہ اس کو سعید بن حُرَیث مخزومی رضی اللہ عنہ اور ابو بَرْزَہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔

ان میں دو مغنیہ بھی تھیں، جن میں ایک کا نام ''فَرتَنیٰ'' تھا، یہ دونوں حضور ﷺ کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کے قتل کا بھی حکم دیا، ان میں سے ایک قتل کی گئی اور دوسری بھاگ گئی، جس کو بعد میں آپ ﷺ نے امان دے دی۔

حُوَیرِث بن نُقَیذ: یہ شخص حضور ﷺ کو میں بہت اذیت دیا کرتا تھا، اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔

مِقیَس بن صُبابہ: اس نے ایک انصاری کو قتل کردیا تھا، جس نے دھوکہ میں اس کے بھائی کو —— جو مسلمان ہوچکے تھے —— قتل کردیا تھا؛ حالاں کہ آپ اس کی دیت بھی ادا کرچکے تھے اور اس کے بعد مکہ واپس ہوگیا تھا، اس کو اسی کے قبیلے کے ایک صحابی حضرت نُمَیلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔

سارہ: یہ بنو مطلب کی باندی تھی اور آپ ﷺ کو مکہ میں بہت اذیت دیتی تھی، اس کے لئے بھی امان کی گزارش کی گئی اور آپ ﷺ نے اس کو قبول فرماتے ہوئے امان دے دی۔

عکرمہ بن ابی جہل: یہ فتح مکہ کے بعد یمن بھاگ گئے، ان کی بیوی حضرت اُم حکیمؓ

اسلام لا چکی تھیں، انھوں نے حضور ﷺ سے ان کے لئے امان چاہی، آپ ﷺ نے امن دے دیا، پھر وہ ان کی تلاش میں یمن تک گئیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائیں؛ یہاں آ کر انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت اُم ہانی ؓ کی طرف سے امان

حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے بالائی حصہ میں قیام پذیر تھے کہ میرے سسرال کے دو آدمی بھاگ کر میرے پاس آئے، میرے بھائی حضرت علی ﷺ بھی آئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا — میں نے ان دونوں پر اپنے مکان کا دروازہ بند کر دیا، پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ ؓ کپڑے سے پردہ کئے ہوئے تھیں۔

غسل کے بعد آپ ﷺ نے کپڑے پہنے، آٹھ رکعت نماز چاشت ادا کی، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''خوش آمدید اے اُم ہانی ؓ! تم کیوں آئی ہو''؟ انھوں نے اپنے دونوں رشتہ داروں اور حضرت علی ؓ کا معاملہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا ''جسے تم نے پناہ دی ہے، اسے میں نے پناہ دی، جسے تم نے امان دیا، اسے میں نے امان دی، علی ؓ ان کو قتل نہ کریں''۔

خطبۂ بلیغ

جب آپ ﷺ مطمئن ہو گئے تو بیت اللہ شریف آئے، سات بار اپنی اونٹنی ہی پر طواف کیا، حجر اسود کا استلام اس خمیدہ لکڑی سے کرتے رہے، جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی، طواف مکمل کر کے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور ان سے خانۂ کعبہ کی کنجی لی، کعبہ کھولا گیا، آپ ﷺ اندر داخل ہوئے اور کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے، لوگ آپ ﷺ کے اِردگرد مسجد میں جمع تھے، اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

> خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ کوئی اس کا شریک ہے، اس نے اپنا
> وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی، تنہا لشکروں کو شکست دی، یاد

رکھو! ہر انتقام، خون یا مال جس کا دعویٰ کیا جائے، وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے، سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کو پانی پلانے کے حق کے، خطاء شبہ عمد کا مقتول وہ ہے جو لاٹھی اور کوڑے سے مارا گیا ہو، اس میں دیت مغلظہ ہے، یعنی سو اونٹنیاں جن میں چالیس گابھن ہوں۔

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلانہ نخوت اور خاندان و آباء واجداد کے نام پر تکبر کو ختم کر دیا ہے، تمام انسان آدم علیہ السلام سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (حجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وعورت کے ذریعہ پیدا کیا، تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں محض اس لئے تقسیم کیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں سب سے معزز وہ ہے، جو سب سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہو۔

پھر فرمایا :

اے گروہِ قریش! تمہارا کیا اندازہ ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا کرنے والا ہوں؟

لوگوں نے کہا :

خیر و بھلائی کا سلوک؛ کیوں کہ آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا :

جاؤ تم سب آزاد ہو، تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

کلیدِ کعبہ

آپ ﷺ مسجد حرام میں بیٹھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں کلید کعبہ تھی، عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! حجاج کو پانی پلانے کے نظم (سقایہ) کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی عطا فرما دیجئے (یعنی کعبہ کی کنجی بھی ہمیں ہی دے دیجئے)'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں''؟ وہ بلائے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان یہ کنجی لو، آج حسن سلوک اور وفاءِ وعدہ کا دن ہے''۔

بت گر پڑے!

آپ ﷺ جب بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو اس میں کچھ فرشتوں وغیرہ کے مجسمے دیکھے، ان میں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ بھی تھا، جس کے ہاتھوں میں پانسے تھے، جن سے عرب حصے معلوم کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ان کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان چیزوں سے کیا تعلق؟

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (آل عمران: ٦٧)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی تھے؛ لیکن موحد مسلمان تھے اور وہ مشرک بھی نہیں تھے۔

پھر آپ ﷺ کے حکم سے تمام مورتیاں توڑ دی گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ اپنی سواری پر مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا، اس وقت اس کے گرد بت تھے، جس سیسے پگھلا کر جما دیئے گئے تھے، آپ ﷺ اپنے ہاتھ کی چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھتے جاتے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ (بنی اسرائیل: ٨١)

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بلاشبہ باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔
اور بت منھ اور سر کے بل گرتے جاتے؛ یہاں تک کہ کوئی بت باقی نہیں رہا۔

خطابِ نبوی ﷺ

فتح مکہ کے دوسرے دن بنوخُزاعہ نے بنوہُذَیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر ایک تقریر کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے دن سے مکہ کو حرمت کی جگہ بنایا ہے، یہ قیامت تک کے لئے باحرمت ہے، کسی ایسے شخص کے لئے جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں خوں ریزی کرے، نہ اس کا کوئی درخت کاٹے، نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا، ہاں صرف اس گھڑی کے لئے خدا نے اہل مکہ پر غضب ناک ہوکر میرے لئے اس کو حلال کیا ہے۔

سن لو! اب اس کی حرمت پہلے ہی کی طرح ہے، جو لوگ موجود ہیں وہ، غیر موجود لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں، جو شخص تم سے کہے کہ اللہ کے رسول نے اس میں قتال کیا ہے، اس سے کہہ دو کہ خدا نے اس کو اپنے رسول کے لئے حلال کیا تھا، تمہارے لئے حلال نہیں کیا۔

اے بنوخُزاعہ! اب تم قتل سے ہاتھ روک لو، بہت قتل ہو چکا، تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے، میں اس کی دیت ادا کردوں گا، پھر اس کے بعد جو شخص قتل کیا جائے گا، مقتول کے اہل خانہ کو اختیار ہوگا، چاہیں تو اس سے قصاص لے لیں یا دیت لیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے مقتول شخص کی دیت ادا فرمادی۔

فَضَالہ کا قبولِ اسلام

فضالہ بن عُمَیر لَیثیؓ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضور ﷺ کو قتل کر دیں، اس موقع پر وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہی بیت اللہ کا طواف کرنے لگے، جب وہ آپ ﷺ سے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فَضَالہ ہو؟'' جواب ملا: ہاں! دریافت فرمایا: ''اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے؟'' فَضَالہ نے جواب دیا: کچھ نہیں، خدا کو یاد کر رہا تھا، آپ ﷺ ہنسے، فرمایا: اللہ سے مغفرت چاہو — پھر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا، ان کا قلب مطمئن ہو گیا، فضالہ کہتے ہیں: خدا کی قسم! آپ ﷺ نے میرے سینہ سے اپنا دست مبارک اُٹھایا ہی تھا کہ اللہ کی خلقت میں آپ ﷺ سے زیادہ مجھے اور کوئی محبوب نہ تھا''۔

فتح مکہ میں شرکاء کی تعداد

فتح مکہ کے موقع سے لشکر اسلام میں شریک ہونے والوں کی تعداد دس ہزار تھی، سات سو یا ایک ہزار بنوسُلَیم کے تھے، چار سو بنو غِفَار کے، تیرہ سو بنو مُزَینہ کے اور بقیہ قریش، انصار، ان کے حلیف اور عرب کے دوسرے قبائل بنو تمیم، قیس اور اسد وغیرہ کے۔

☆ ☆ ☆

غـزوۂ حُنین

قبیلۂ بنو ہَوَازِن کو جب رسول اللہ ﷺ کے حالات اور فتحِ مکہ کا علم ہوا تو قبیلۂ ہَوَازِن کے سردار مالک بن عوف نے ان کو جمع کیا، بنوثَقِیف بھی تمام کے تمام ہوازن کے ساتھ ہو گئے، قبیلۂ نصر و جُشَم بھی سب کے سب ساتھ ہو گئے، کچھ لوگ سعد بن بکر اور بنو ہلال کے بھی تھے؛ البتہ ہوازن کے لوگوں میں قبیلۂ کعب اور کلاب کے لوگ نہیں آئے۔

جب ان لوگوں نے حضور ﷺ سے مقابلہ کے لئے نکلنے کا تہیہ ہی کر لیا، تو لوگوں کو لے کر اس طرح چلے کہ ان کے مال، بچے اور عورتیں بھی ساتھ تھے، اَوطاس پہنچ کر مالک اُترے، لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، ان میں دُرَید بن صِمَّہ بھی تھے، جن کو ایک کھلے ہوئے ہَوْدَج میں لایا گیا تھا، درید نے اُترنے کے بعد دریافت کیا: تم لوگ کس وادی میں ہو؟ لوگوں نے کہا: اوطاس میں، اس نے کہا: یہ گھوڑوں کے لئے بڑا اچھا میدان ہے، نہ بہت سخت و سنگلاخ ہے اور نہ بہت نرم، اور یہ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کا ڈھیچوں ڈھیچوں، بچوں کا رونا اور بکریوں کا ممیانا کیوں سن رہا ہوں؟ جواب دیا گیا: مالک بن عوف لوگوں کے ساتھ ان کے مال و اسباب، عورتیں اور بچے بھی لے آئے ہیں۔

انھوں نے کہا، مالک کہاں ہیں؟ وہ لائے گئے، درید نے کہا: تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو، آج کا دن ہے جس پر مستقبل کا دار و مدار ہے، یہ آوازیں میں کیوں سن رہا ہوں؟ مالک نے کہا: میں لوگوں کے ساتھ ان کے مال و اسباب اور اہل و عیال کو بھی لے آیا ہوں؛ تاکہ ہر آدمی ان کی حفاظت میں جم کر جنگ کرے۔

درید نے کہا: بکری کے چرواہے! شکست خوردہ آدمی بھی کوئی چیز واپس لے جا سکتا ہے؟ اگر جنگ تمہارے حق میں ہوئی تو تم کو آدمی کی تلوار اور نیزہ کے سوا اور کوئی چیز نفع نہ

پہنچائے گی اور اگر تمہارے خلاف پڑی تو اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کے معاملہ میں بھی رسوا ہو گے، اے مالک! تم بنو ہوازن کو گھوڑوں کے سامنے نہ رکھو، اپنی قوم کی حفاظت کے لئے پیچھے بھیج دو، پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر ان بد دینوں سے مقابلہ کرو، اگر جنگ تمہارے حق میں رہی تو جو لوگ پیچھے ہیں وہ بھی آملیں گے اور اگر تمہارے خلاف رہی تو تمہارے اہل وعیال اور مال واسباب کی تو حفاظت ہو گی۔

دُرَیْد نے کہا: ''خدا کی قسم! میں ایسا نہ کروں گا، تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے، اے بنو ہوازن! واللہ یا تو تم میری اطاعت وفرماں برداری کرو، یا پھر میں اپنی تلوار پر بھروسہ کروں گا؛ یہاں تک کہ وہ میری پیٹھ سے نکل جائے'' — لوگوں نے کہا: ہم تمہاری اطاعت کریں گے، دُرَید بن صَمَّہ نے کہا: آج کا دن وہ ہے کہ نہ میں اس میں حاضر ہوا اور نہ اس سے بچ سکا، پھر مالک نے لوگوں سے کہا: جب تم مسلمانوں کو دیکھو تو اپنے تلوار کی ڈھالیں کاٹ ڈالو، پھر یکبارگی ایک ساتھ مل کر حملہ کر دو۔

حضور ﷺ نے بنو ہوازن کی تیاریوں کا حال سنا تو ان کے پاس عبداللہ بن ابی حَدْرَدْ اَسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں میں جا کر رہیں، حالات معلوم کریں، پھر ان کے بارے میں اطلاع کریں، ابن حدرد رضی اللہ عنہ آئے، اور آپ ﷺ کو ان کے عزائم سے آگاہ کیا۔

جب آپ ﷺ نے ہوازن کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کر لیا، تو آپ ﷺ سے ذکر کیا گیا کہ صفوان بن اُمیہ کے پاس مقابلہ کی غرض سے زرہیں اور ہتھیار ہیں، وہ اس وقت تک مشرک تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ''ابو امیہ! ہمیں عاریتاً اپنے اسلحہ دو جس سے کل ہم دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں''، صفوان نے کہا: غصب کرنا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، عاریتاً لے رہا ہوں، جس کا میں خود ذمہ دار ہوں؛ یہاں تک کہ تم کو واپس کر دوں، صفوان نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ ایک سو زرہیں، نیز اتنے ہتھیار دیئے جو مسلمانوں کے لئے کافی ہو جائیں۔

اسلامی فوج کی تعداد

اب حضور ﷺ بنو ہوازن کی طرف نکلے، آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار ـــ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ جو فتح مکہ میں شریک تھے ـــ دو ہزار مکہ کے نومسلم بھی تھے، اس طرح ان کی تعداد بارہ ہزار تھی، آپ ﷺ نے ـــ مکہ اور جو لوگ یہاں رہ گئے ان پر ـــ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔

وادیٔ حنین میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم وادیٔ حنین کے سامنے آئے تو تہامہ کی ایک وسیع اور نشیبی وادی میں اُترے، اس وقت صبح کے ابتدائی اوقات کی تیرگی چھائی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے اور وادیٔ حنین کے تنگ راستوں، تمام گوشوں اور گھاٹیوں پر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے، ہم لوگ جوں ہی اُترے، ان کے لشکر بیک وقت ہم پر حملہ آور ہوئے، لوگ شکست کھا کر اس طرح بھاگنے لگے کہ کوئی کسی کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہٹ گئے، پھر فرمایا: کہاں ہو اے لوگو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں عبداللہ کا بیٹا ہوں؛ کیوں اونٹ اونٹ سے بھڑ رہے ہیں؟ ـــ لوگ چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چند مہاجرین، انصار اور اہل بیت رہ گئے، مہاجرین میں ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ایمن بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ۔

نازک وقت

جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آنے والے درشت مزاج اہل مکہ نے مسلمانوں کی ہزیمت دیکھی تو ان کے دل میں جو بغض تھا وہ زبان پر آ گیا، ابوسفیان بن حرب نے کہا: ان کی شکست سمندر سے پہلے مکمل نہ ہوگی، (یعنی بنو ہوازن ان کو بھگا کر

سمندر تک پہنچادیں گے) جَبلَہ بن حنبل رضی اللہ عنہ نے — جو سفیان بن امیہ کا بھائی تھا، کہا: آج سحر ٹوٹ گیا ہے، "ألا بطل السِّحر اليوم" شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: آج میں محمد ﷺ سے انتقام لے لوں گا، (۱) آج میں محمد ﷺ کو قتل کر ڈالوں گا — میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے آپ ﷺ کے گرد چکر لگا تا رہا؛ مگر کوئی چیز میرے سامنے آ گئی؛ یہاں تک کہ میرا دل بیٹھ گیا، میں اس پر قادر نہ ہو سکا اور میں جان گیا کہ حضور ﷺ کو مجھ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا، میں ایک موٹا تازہ بلند آواز آدمی تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمانے لگے "کہاں ہوا ے لوگو؟" میں نے دیکھا کہ لوگ پلٹتے ہی نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عباس رضی اللہ عنہ چیخ کر پکارو، اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان میں شریک ہونے والو! چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب آواز لگائی تو لوگ لبیک کہنے لگے۔

اب لوگ اپنے اونٹ کا رُخ پھیرنا چاہتے؛ لیکن اس پر قابو نہ پا سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اونٹ کو چھوڑ کر اپنی زرہ، تلوار اور ڈھال لے کر اُتر جاتے اور آواز کے پیچھے دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاتے؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے گرد سو افراد جمع ہو گئے اور انھوں نے جنگ شروع کر دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کا کارنامہ

ہوازن سے جنگ کے دوران جس شخص کے ہاتھ میں ان کا علم تھا، وہ برابر اپنے فوج کی کمان کرتا جا رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ اس پر یکبارگی ٹوٹ پڑے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پشت کی طرف سے اونٹنی کے پچھلے پاؤں پر ایسا وار کیا کہ اس کی ٹانگیں کٹ گئیں اور اونٹ سرین کے بل گر پڑا، ادھر انصاری رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر چھلانگ ماری اور ایسا وار کیا کہ ایک آواز کے ساتھ اس کی نصف پنڈلی اُڑ گئی اور وہ اپنی سواری سے گر پڑا، اب

(۱) ان کے باپ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے تھے۔

مسلمانوں نے خوب جوش وخروش سے جہاد کرنا شروع کر دیا؛ یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوگئی کہ ان میں سے کوئی شکست خوردہ بھاگنے کے بعد پھر واپس نہیں آتا اور مسلمان ان کے قیدیوں کو گھیرے میں لے کر حضور ﷺ کے پاس لاتے۔

اُمِ سُلَیمؓ کی بلند حوصلگی

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ حضرت اُمِ سُلَیم بنت مِلحانؓ اپنے شوہر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور اپنی کمر کو ایک چادر سے باندھے ہوئی ہیں، اس وقت وہ حاملہ بھی تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ ان کے حمل میں تھے، وہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ کو پکڑے ہوئی تھیں اور اس ڈر سے کہ کہیں اونٹ بدک نہ جائے، نکیل پکڑنے کے علاوہ اپنا ہاتھ اس کے نتھنوں میں دے رکھا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اُمِ سلیمؓ!'' انھوں نے جواب دیا: ''ہاں، یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ ان لوگوں کو بھی قتل کر دیجئے جو آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، جس طرح جنگ کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ بھی اسی کے مستحق ہیں'' — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اُمِ سلیمؓ! کیا اللہ کافی نہیں ہے؟'' — ان کے پاس ایک خنجر بھی تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارے پاس یہ کیسا خنجر ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے یہ لے رکھا ہے؛ کہ اگر کوئی مشرک مجھ سے قریب ہوا تو اس کا پیٹ چاک کر دوں، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ اُمِ سلیمؓ کی بات نہیں سن رہے ہیں؟

شکست کے بعد

بنو ہوازن کی شکست کے بعد بنوثقیف کے لوگ کافی قتل کئے گئے؛ چنانچہ ستر آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے قتل ہوئے جن میں عثمان بن عبداللہ بھی تھا، ان کا جھنڈا اصل میں عوف بن ربیع کے ہاتھ میں تھا، اس کے مارے جانے کے بعد عثمان بن عبداللہ نے لیا اور وہ بھی مارا گیا۔
مشرکین شکست کھا کر، طائف آگئے، ان ہی لوگوں میں مالک بن عوف بھی تھا، کچھ

لوگ اوطاس چلے گئے، اور بنو غِیَرَہ کے لوگوں نَخلَہ میں پناہ لی، رسول اللہ ﷺ کے قافلہ نے ان کا تعاقب بھی کیا، اوطاس کی طرف تعاقب کی غرض سے حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے کچھ شکست خوردہ لوگوں کو پایا، جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایسا تیر لگا کہ وہیں شہید ہو گئے، اب ان کے چچا زاد بھائی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لے لیا اور ان سے جنگ کی؛ یہاں تک کہ اللہ نے انھیں فتح عطا فرمائی، حضرا ابو عامر رضی اللہ عنہ کا قاتل سَلَمَہُ بن دُرَید تھا۔

بچوں اور خواتین کے قتل کی ممانعت

ایک خاتون کے پاس سے ـــ جس کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا ـــ آپ ﷺ کا گزر ہوا، وہاں لوگوں کا اژدہام تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ خاتون ہیں، جن کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قتل کیا ہے، آپ ﷺ نے اپنے ساتھ کے لوگوں سے فرمایا: خالد رضی اللہ عنہ سے کہہ دو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتا ہے کہ تم کسی بچے یا عورت یا مزدور کو قتل کرو۔

آپ ﷺ کی رضاعی بہن

رسول اللہ ﷺ نے اس دن فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ بنو سعد کے ایک شخص ''بجاد'' پر قابو پا جاؤ تو وہ تم سے بچ کر نہ جائے، اس نے ایک بڑا جرم کیا تھا، جب مسلمانوں نے اس کو پایا تو اس کو اور اس کے اہل و عیال کو نیز ان کے ساتھ آپ ﷺ کی رضاعی بہن شَیمَاء بنت حارث کو بھی لائے، لوگ آتے ہوئے ان کو برا بھلا کہتے تھے، شَیمَاء نے مسلمانوں سے کہا: جان لو، خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھی (محمد ﷺ) کی رضاعی بہن ہوں؛ مگر مسلمانوں کو یقین نہ آیا اور وہ حضور ﷺ کے پاس لے آئے۔

حضور ﷺ کے پاس آ کر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن ہوں، آپ ﷺ نے علامت دریافت کی، انھوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو کمر پر اُٹھا رکھا تھا، اس وقت آپ ﷺ نے میری پشت پر دانت کاٹ لئے تھے، رسول اللہ ﷺ علامت سے

پہچان گئے، ان کے لئے اپنی چادر بچھادی، ان کو بٹھایا اور اختیار دیا کہ اگر چاہو تو باعزت طور پر میرے پاس رہو اور اگر چاہو تو میں تم کو کچھ سامان دے دوں اور تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ، انھوں نے عرض کیا: آپ ﷺ مجھے کچھ دے کر مجھے میری قوم میں واپس کر دیجئے، آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا؛ چنانچہ ان کو ایک غلام عطا کیا، جن کا نام مکحول رضی اللہ عنہ تھا اور ایک باندی دی، شیمَاء نے ان دونوں کی شادی کر دی اور ان کی نسل کا سلسلہ چلتا رہا۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کے سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں :

> اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی، جب تم اپنی کثرت پر عجب میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آسکی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور وہ فوجیں اُتاریں جن کو تم دیکھ نہ سکے، نیز کافروں کو عذاب دیا اور یہی کافروں کی سزا ہے۔(التوبہ:۲۵-۲۶)

شہداءِ حنین

غزوۂ حنین میں شہید ہونے والوں میں بنو ہاشم میں سے اَیمَن بن عُبَید، بنو اسد میں سے یزید بن زمعہ، انصار میں سراقہ بن حارث اور بنو اشعر میں ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حنین کے قیدی اور مال کو رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے اور حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت پر نگراں متعین فرمایا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یہ قیدی اور مال و اسباب جعرّانہ پہنچا دیئے گئے۔

☆ ☆ ☆

غـــزوۂ طائف

جب بنوثقیف کے شکست خوردہ لوگ طائف واپس آئے تو اپنے شہر کے دروازے مسلمانوں پر بند کردیئے اور جنگ کی تیاری شروع کردی۔

رسول اللہ ﷺ حنین سے فارغ ہوئے تو طائف کا رُخ کیا، سب سے پہلے آپ ﷺ نَخْلَہ، یَمانیہ، قَرْن، مُلَیح اور ''لِیَّہ'' کے بحرۃ الرغا نامی مقام پر پہنچے، یہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد بنائی اور اس میں نمازیں ادا کیں، پھر آپ ﷺ ''ضَیقَہ'' اور وہاں سے نَخْب کی طرف نکلے، یہاں تک کہ صَادِرَۃ نامی ایک درخت کے پاس آپ ﷺ اُترے، جو ثقیف کے ایک آدمی کی جائداد کے قریب ہی تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ یا تو وہ نکل جائے یا پھر ہم اس باغ کو ویران کردیں گے، اس نے نکلنے سے انکار کردیا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو تباہ کردینے کا حکم فرمایا۔

طائف پر حملہ

پھر آپ ﷺ یہاں سے نکل کر طائف کے قریب پہنچے اور وہاں اپنے لشکر کے خیمے نصب کردیئے، یہاں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم دشمنوں کی تیراندازی کی وجہ سے شہید ہوئے، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ لشکر کا پڑاؤ طائف کی دیوار سے قریب تھا؛ اس لئے ان کے تیر یہاں تک پہنچتے تھے اور چوں کہ ان لوگوں نے شہر کے دروازے بند کرلئے تھے، اس لئے مسلمان اس بات پر قادر نہیں تھے کہ شہر میں داخل ہوجائیں؛ چنانچہ جب بعض صحابہ شہید ہوگئے تو آپ ﷺ نے اس لشکر کو وہاں سے ہٹا کر مسجد طائف کے پاس رکھا، پھر یہاں آپ ﷺ نے بیس سے زیادہ راتوں تک محاصرہ جاری رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی دو ازواج تھیں، جن میں سے ایک حضرت اُم سلمہؓ تھیں، آپ ﷺ نے ان کے لئے دو خیمے نصب کرائے، ان کے درمیان نماز ادا کی اور وہیں قیام کیا؛ چنانچہ جب ''بنوثقیف'' نے اسلام قبول کیا تو ان میں سے عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کروادی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ جاری رکھا، سخت لڑائی ہوئی اور آپس میں تیراندازی بھی ہوئی، آپ ﷺ نے اس جنگ میں منجنیق بھی استعمال کی؛ یہاں تک کہ فصیل کے قریب جب شَدْخَہ کے مقام پر جنگ ہوئی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم دَبَّابہ(۱) میں بیٹھے اور اسے طائف کی دیوار کی طرف لے چلے؛ تاکہ دیوار میں سوراخ کرکے راستہ بنالیں؛ لیکن بنوثقیف کے لوگ آگ پر گرم کی ہوئی آہنی سلاخیں مارنے لگے، بالآخر دبابہ سے یہ لوگ نکل گئے ـــ انھوں نے تیراندازی شروع کردی، جس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے، اب رسول اللہ ﷺ نے ثقیف کے انگور توڑنے کا حکم دیا اور لوگ انگور کاٹنے لگے۔

طائف سے واپسی

اس محاصرہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: (یہ بھی بنوثقیف کا محاصرہ کرنے والوں میں تھے) اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے مکھن سے بھرا ہوا ایک پیالہ عطا کیا گیا، ایک مرغ نے اس پر چونچ ماری، جس سے اس میں جو کچھ تھا وہ بہہ گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ ثقیف کے بارے میں آپ ﷺ جو چاہتے ہیں وہ آج پا نہ سکیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

پھر خُوَیلہ بنت حکیم سلمیہؓ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ اگر اللہ نے طائف کے لوگوں پر آپ ﷺ کو فتح دے دی تو بادیہ بنت غیلان یا فارعہ بنت عَقِیل کے زیورات مجھے دے دیجئے، (ثقیف کی عورتوں میں ان دونوں کے پاس بہت زیورات تھے)، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ

(۱) ایک آلہ کا نام ہے، جس کو محاصرہ میں استعمال کیا کرتے تھے اور اس کے جوف میں داخل ہوکر قلعہ کی دیوار کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور جوف میں رہتے ہوئے نقب لگاتے تھے۔

مجھے ثقیف سے جنگ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی گئی، خُوَیلہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بات کا ذکر کردیا، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! خویلہؓ مجھے کیا کہتی ہیں؟ کیا آپ ﷺ نے یہ بات کہی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میں نے ہی کہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ﷺ کو اس کی اجازت نہیں دی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر کیا میں روانگی کا اعلان کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں سے کوچ کرنے کا اعلان کردیا۔

اس مدت میں جن لوگوں کا محاصرہ کیا گیا تھا، ان میں سے کچھ غلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد کردیا، بعد کو اہل طائف مسلمان ہوگئے تو ان میں سے کچھ لوگوں نے غلاموں کے متعلق آپ سے گفتگو کی، جن میں حارث بن کَلَدَۃ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اب ان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد کئے جاچکے ہیں۔

شہداء

اس غزوہ میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، ان کی تعداد بارہ ہے، سات قریش: سعید بن سعید رضی اللہ عنہ، عُرْفُطَہ بن جَنّاب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ایک تیر سے زخمی ہوئے، زخمی حالت میں مدینہ آئے اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد اسی زخم میں جان دے دی، عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سائب بن حارث رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ —— چار انصار: ثابت بن جَذَع رضی اللہ عنہ، حارث بن سہیل رضی اللہ عنہ، مُنذر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور رُقَیم بن ثابت رضی اللہ عنہ، نیز ایک آدمی بنولیث کا: جُلَیحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

بددُعاء کی بجائے دُعاء

رسول اللہ ﷺ طائف سے لوٹ کر ''دَحْنَا'' کی طرف آکر مقام جِعرَّانہ میں ٹھہرے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ ہوازن کے بہت سے قیدی بھی تھے، طائف سے روانگی کے وقت ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ثقیف کے بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا کہ

ان پر بددُعاء کیجئے ، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللھم اھد ثقیفاً وأتِ بھم '' (اے اللہ تو ثقیف کو ہدایت دے اوران کو اسلام میں لے آ)۔

اسیرانِ ہوازن کی رہائی

پھر ہوازن کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں جعرانہ پہنچا، آپ ﷺ کے ساتھ ہوازن کے چھ ہزار قیدی تھے، جن میں بچے اور عورتیں شامل تھے، اونٹ بکریوں وغیرہ کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا، انھوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ عرب کی جڑ بھی ہیں اور شاخ بھی، اب ہم پر جو مصیبت آپڑی ہے وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں ؛ اس لئے ہم پر کچھ احسان کیجئے، اللہ آپ ﷺ پر احسان کرے گا۔

بنوسعد بن بکر میں سے زُہَیر نامی ایک شخص جس کی کنیت ابوصُرَد تھی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! ان باڑوں میں آپ ﷺ کی پھوپھیاں بھی ہیں اور خالائیں بھی اور آپ ﷺ کی وہ مائیں بھی ہیں، جو آپ ﷺ کو دودھ پلاتی اور آپ ﷺ کی پرورش کرتی تھیں، اگر ہم شام کے بادشاہ حارث بن ابی شِمر یا عراق کے بادشاہ نُعمان بن منذر کو دودھ پلاتے اور ہم پر اس جیسی مصیبت آتی، جس میں اب ہم مبتلا ہیں، تو ضرور ہم ان سے فضل و کرم کی اُمید رکھتے اور آپ ﷺ تو ان سب سے بڑھ کر کفالت کرنے والے ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمھیں تمہاری عورتیں اور تمہارے لڑکے زیادہ محبوب ہیں یا تمہارے اموال''؟ ـــ ان لوگوں نے کہا: آپ ﷺ ہمیں ہمارے بچے اور عورتیں ہی واپس کردیجئے، یہی ہمارے لئے زیادہ محبوب ہیں ـــ حضور ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور بنومطلب کے حصہ میں ہوگا، وہ تو تمہارے لئے ہے ؛ مگر جب میں لوگوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھوں تو اس وقت تم لوگ کھڑے ہوجاؤ اور کہو کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے اور حضور ﷺ کے سامنے مسلمانوں سے سفارش چاہتے ہیں، اسی وقت تمہارے لئے اپیل کروں گا اور تمہیں دوں گا۔

چنانچہ جب آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی تو ان لوگوں نے وہی بات کہی، حضور ﷺ

نے فرمایا: جو میرے اور بنو مطلب کے حصہ میں ہو، وہ تمہارے لئے ہیں، پھر مہاجرین نے کہا: جو ہمارے حصہ میں ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہیں، انصار نے بھی یہی کہا، اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا اور بنو تمیم کا حصہ تو ہم نہیں دیں گے، عُیَیْنَہ بن حِصن رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا کہ میرا اور بنو فزارہ کا حصہ ہم نہ دیں گے، عباس بن مِرْدَاس رضی اللہ عنہ نے کہا میرا اور بنو سُلَیم کا حصہ بھی نہ دیں گے؛ لیکن بنو سُلَیم نے کہا: کیوں نہیں؟ جو ہمارے حصہ کا ہے وہ حضور ﷺ کے لئے ہے، عباس بن مِرداس رضی اللہ عنہ نے بنو سُلَیم سے کہا تم نے میری توہین کر دی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جن لوگوں نے بھی اپنے حصہ کو محفوظ کر لیا ہے، ان کو آئندہ پہلی گرفتاری میں جو قیدی ملیں گے، اس میں سے چھ چھ حصے دیئے جائیں گے، تم لوگ انھیں ان کے بچے اور عورتیں لوٹا دو۔

مالک بن عوف کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے مالک بن عوف کے بارے میں دریافت کیا، ان لوگوں نے کہا کہ وہ طائف میں ثقیف کے ساتھ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مالک کو کہہ دو کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر آئے تو میں اس کے مال اور اہل وعیال دونوں دوں گا اور سو اونٹ بھی عطا کروں گا، مالک کو اس کی اطلاع پہنچا دی گئی تو وہ طائف سے نکلا؛ لیکن مالک کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر ثقیف کو حضور ﷺ کی کہی ہوئی بات کی خبر ہو جائے تو وہ اس کو قید کر دیں گے؛ چنانچہ اس نے اپنے لئے ایک سواری تیار کرنے کا حکم دیا، سواری تیار کر دی گئی، پھر گھوڑا منگایا گیا اور رات کے وقت سوار ہو کر اس جگہ پہنچا؛ جہاں اس نے اپنے لئے سواری تیار کرنے کا حکم دیا تھا، یہاں سے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا، جعرانہ یا مکہ میں آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، مالک رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا، حضور ﷺ نے ان کو ان کے اہل وعیال اور مال کے علاوہ سو اونٹ دے دیئے اور انھیں اپنی قوم کے ان لوگوں پر، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، نیز ثُمَالَۃ، سَلِمَۃ اور فَہم قبائل پر عامل مقرر فرمایا؛ چنانچہ مالک رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ساتھ ثقیف سے لڑتے رہے اور ان کو تنگ کر دیا، ان کا کوئی آدمی بھی نکلتا تو یہ اس پر حملہ کر دیتے۔

رسول اللہ ﷺ قیدیوں کو واپس کر کے جب لوٹے، تو لوگ کہہ رہے تھے: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے مالِ غنیمت کے اونٹ بکریاں تقسیم کر دیجئے ـــ حضور ﷺ نے اونٹ کے ایک جانب کھڑے ہو کر اس کی کوہان سے کچھ بال لئے اور اسے اپنے دونوں انگلیوں کے درمیان رکھ کر اوپر اُٹھایا، پھر کہا: اِے لوگو! میرے لئے تمہارے مالِ غنیمت میں سے اور ان بالوں میں سے بھی کچھ نہیں سوائے خُمس (پانچویں حصہ) کے، اور یہ خُمس بھی تمہاری طرف لوٹ جاتا ہے؛ اس لئے تم لوگ سوئی اور دھاگہ تک بھی لاکر جمع کر دو؛ کیوں کہ اس میں خیانت قیامت کے دن شرمندگی، ذلت و رسوائی اور جہنم کا باعث ہوگی۔

چنانچہ ایک شخص دھاگہ کا ایک بنڈل لئے ہوئے آیا اور کہا یا، رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ اس لئے لیا تھا کہ اپنے زخمی اونٹ کا نمدہ بنالوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں سے میرا جو حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے، اس شخص نے کہا: جب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے تو اب مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر اس نے اسے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو مالِ غنیمت عطا فرمایا، جن کی تالیف قلب مقصود تھی، یہ مؤلفۃ القلوب سردارانِ قوم تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ابوسفیان بن حَرب رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے مُعاویہ رضی اللہ عنہ، حکیم بن حِزَام رضی اللہ عنہ، حارث بن حارث کَلَدَہ رضی اللہ عنہ، سُہَیل بن عمر رضی اللہ عنہ، حُوَیطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ، علاء بن جاریہ ثقفی رضی اللہ عنہ، عُیَینَہ بن حِصن رضی اللہ عنہ، اَقرَع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ، مالک بن عوف نَصری رضی اللہ عنہ اور صَفوان بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ کو سوسو اونٹ عطا فرمائے۔

اس کے علاوہ قریش کے بعض آدمیوں کو سو سے کچھ کم اونٹ دیئے، جن میں مَخرَمَہ بن نَوفِل زُہری رضی اللہ عنہ، عمیر بن وَہب جُمحی رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں، سعید بن یربوع بن عَنکَثہ رضی اللہ عنہ اور سَہمی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ رضی اللہ عنہ نے پچاس اونٹ عنایت کئے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ قریش اور دیگر قبائل عرب کو عطایا دے چکے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے اپنے دل میں انقباض محسوس کیا، آپس میں قیل وقال ہونے لگی، حتیٰ کہ ایک انصاری نے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ اپنی قوم میں مل گئے۔

سعد بن عُبَادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! انصار آپ ﷺ کے متعلق اپنے دلوں میں انقباض وخلش پاتے ہیں، اس معاملہ کی وجہ سے جو آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کے بارے میں کیا ہے، آپ ﷺ نے اپنے افرادِ خاندان وافرادِ قبیلہ میں اسے تقسیم فرمایا، ان کو بڑے عطیے دیئے اور انصار کو اس میں سے کچھ عطا نہیں فرمایا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے سعد رضی اللہ عنہ! تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم ہی میں سے ہوں (یعنی مجھے بھی یہ خلش ہے)، آپ ﷺ نے فرمایا: اس وادی میں اپنی قوم کو جمع کرو؛ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور انصار کو جمع کیا، کچھ مہاجر بھی جمع ہوئے، ان کو بھی آنے دیا گیا، پھر کچھ اور لوگ آئے ان کو لوٹا دیا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ انصار جمع ہو گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا:

> اے گروہِ انصار! تمہارے بارے میں کیا بات مجھ تک پہنچی ہے، یہ کیسی خلش ہے، جو تم میرے متعلق اپنے دلوں میں پاتے ہو؟ کیا جب میں تمہارے پاس آیا تم گمراہ نہیں تھے؟ اللہ نے تمہیں ہدایت دی، تم غریب تھے، اللہ نے تمہیں غنی بنادیا اور تم باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑا — انصار کہتے رہے: کیوں نہیں؟ بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ سب سے زیادہ محسن ومہربان ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

> اے گروہِ انصار! کیا تم مجھے جواب نہ دوگے''؟ — انھوں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہی احسان ہے'' — حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، خدا کی قسم! اگر تم چاہتے تو ضرور کہتے اور سچ کہتے اور میں بھی اس کی

تصدیق کرتا کہ ’’آپ ﷺ اس حال میں ہمارے پاس آئے، جب
آپ ﷺ جھٹلائے ہوئے تھے، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی،
آپ ﷺ گھر سے نکالے گئے تھے اور ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی،
آپ ﷺ بے گھر و بے ٹھکانہ تھے، آپ ﷺ غریب تھے، ہم نے
آپ ﷺ کے ساتھ مواسات کی ـــــ اے گروہِ انصار! کیا تم دنیا کی
حقیر شئے کے بارے میں اپنے دل میں خلش پاتے ہو، جس کے
ذریعہ سے میں نے قوم کی تالیف قلب کی؛ تاکہ وہ اسلام لے آئیں
اور میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے، اے گروہ
انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے
جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے کجاووں کی طرف لوٹو،
اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر ہجرت
نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا اور اگر لوگ ایک گھاٹی سے
چلتے اور انصار ایک گھاٹی سے تو میں انصار ہی کے راستہ سے چلتا،
خداوندا! انصار پر، ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ رونے لگے، ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور انھوں نے کہا: ہم اللہ کے رسول کی پر راضی ہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور لوگ منتشر ہو گئے۔

جِعِرّانہ سے عمرہ اور واپسی (۸ھ)

رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے اور مالِ غنیمت کے باقی ماندہ حصوں کے بارے میں فرمایا: اسے مرالظہر ان کے کنارے مقام مَجَنَّہ میں رکھا جائے، پھر جب حضور ﷺ عمرہ سے فارغ ہو گئے تو مدینہ واپس آ گئے اور مکہ میں حضرت عتّاب بن اَسِید رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی یہیں چھوڑ دیا؛ تاکہ وہ لوگوں کو دینی احکام

اور قرآن مجید کی تعلیم دیں، آپ ﷺ نے حضرت عَتَّاب رضی اللہ عنہ کے لئے ایک درہم یومیہ تنخواہ مقرر کی اور مالِ غنیمت کا باقی ماندہ حصہ لیتے آئے۔

حضور ﷺ کا یہ عمرہ ذی قعدہ کے مہینہ میں ہوا اور ذی قعدہ ہی کے اواخر یا ذی الحجہ کے اوائل میں مدینہ واپسی ہوئی ، عربوں نے اپنے معمول کے مطابق اس سال بھی حج کیا اور مسلمانوں کے امیر حج حضرت عَتَّاب رضی اللہ عنہ رہے، یہ ۸ ھ کی بات ہے، اہل طائف مسلمانوں کی واپسی کے بعد سے رمضان ۹ ھ تک کفر و شرک پر قائم رہے۔

☆ ☆ ☆

غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ)

ذوالحجہ سے رجب تک رسول اللہ ﷺ کا قیام مدینہ میں رہا، اس درمیان آپ نے لوگوں کو روم سے جنگ کے لئے تیار ہونے کا حکم فرمایا، اس وقت مسلمان سخت عسرت میں تھے، سخت گرمی اور قحط سالی تھی، پھل پک رہے تھے اور لوگ اپنے پھلوں اور درخت کے سایہ میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے، ان حالات میں ان کو اپنے گھروں سے نکلنا پسند نہ تھا، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی کسی جنگ کا ارادہ ہوتا اشاروں میں اس کا ذکر فرماتے اور صراحت کے ساتھ اس مقام کا تعین نہیں کرتے، جہاں جانا ہے، مگر غزوۂ تبوک میں طویل مسافت، سخت حالات اور دشمن کی کثرت کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں اپنے ارادہ کا اظہار فرما دیا؛ تا کہ لوگ اس کے مطابق تیاری کرلیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے صراحت کردی کہ روم سے مقابلہ کرنا ہے۔

جَدّ بن قَیس کی حیلہ جوئی

آپ ﷺ تیاری میں مصروف تھے کہ اسی دوران آپ ﷺ نے قبیلۂ بنوسَلَمہ کے ایک شخص جَدّ بن قَیس سے کہا: اے جد! کیا زردرُو لوگوں (رومیوں) کے مقابلہ میں اس سال چلو گے؟ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ مجھے جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیں اور فتنہ وآزمائش میں مبتلا نہ کریں؟ خدا کی قسم! میری قوم کو معلوم ہے کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ عورتوں کا دلدادہ نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کی عورتوں کو دیکھوں تو صبر نہ کرسکوں گا، آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: میں نے اجازت دے دی؛ چنانچہ جد بن قیس کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ۔ (التوبہ:۴۹)

ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے، آگاہ ہو جاؤ کہ وہ تو فتنہ میں پڑ چکے ہیں اور دوزخ کافروں کو سمو لے گی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جذبہ انفاق

رسول اللہ ﷺ نے سفر کے لئے جدوجہد شروع کردی، لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور اہل ثروت کو انفاق اور اللہ کی راہ میں سواریاں اور سرمایہ فراہم کرنے کی ترغیب دی؛ چنانچہ مختلف اہل ثروت نے سواریاں دیں، اس موقع پر سب سے زیادہ قربانی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کی، انھوں نے ایک ہزار دینار دیئے، آپ ﷺ نے دُعاء فرمائی، خدایا: میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں، آپ بھی ان سے راضی رہیں۔

چند نادار مسلمان

اس موقع پر بنی عَمرو بن عَوف کے سات مخلص مسلمان ــــ سالم بن عُمیر رضی اللہ عنہ، عُلبہ بن زید رضی اللہ عنہ، ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ، عمر بن حُمام رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم ضرورت مند ہیں، ہمارے لئے سواری کا انتظام کردیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں ہے، جو تمہیں دے سکوں، یہ سن کر وہ واپس ہوگئے اور مارے غم کے ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

ابن یامین رضی اللہ عنہ کی ملاقات ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے ہوئی، دیکھا وہ رو رہے ہیں، وجہ دریافت کی، کہنے لگے: ہم حضور ﷺ کے پاس گئے تھے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کردیں؛ مگر حضور ﷺ کے پاس نہیں تھی اور خود ہمارے اندر بھی اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ہم نکل سکیں، انھوں نے ان کو اپنی پانی ڈھونے والی ایک اونٹنی دے دی اور توشۂ سفر کے لئے تھوڑا سا کھجور دے دیا؛ چنانچہ اس طرح یہ دونوں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے۔

سفر کا آغاز

رسول اللہ ﷺ کا قافلہ روانہ ہوگیا، چند مسلمانوں کو ارادہ کرنے میں تاخیر ہوگئی، ان حضرات سے گو تاخیر ہوگئی؛ مگر یہ مخلص مسلمان تھے، ان میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، مُرَارَہ بن ربیع رضی اللہ عنہ، ہِلال بن اُمَیہ رضی اللہ عنہ اور ابوخَیثَمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے نکل کر ثَنِیَۃُ الوَدَاعِ میں پڑاؤ کیا اور عبداللہ بن اُبی اس سے نشیبی حصہ میں ذُبابْ نامی پہاڑ کی طرف اپنی جماعت کے ساتھ ٹھہر گیا، دونوں قافلوں میں یہ فاصلہ بھی کچھ کم نہ تھا، پھر جب رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے تو عبداللہ اور اس کے ساتھ دوسرے منافقین واپس ہوگئے۔

آپ ﷺ نے آتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا عامل وامیر مقرر فرمایا تھا، منافقین نے ان کے بارے میں جھوٹی افواہ مشہور کردی کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر اہم تصور کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے اور ان سے نجات حاصل کرلی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اسلحہ سے لیس ہوکر مدینہ سے چل پڑے، مدینہ سے تین میل کی دوری پر شام کی سمت میں جُرْفُ کے مقام پر آپ ﷺ کا قیام تھا، وہیں ملاقات ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس افواہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں، میں نے تم کو اپنے اہل وعیال کی نگرانی کے لئے چھوڑا ہے، جن کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں، تم میرے قائم مقام رہو اور لوٹ جاؤ، کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ تم میرے نزدیک ویسے ہی ہو، جیسے حضرموسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام؛ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا: ''لا نبی بعدی'' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آگئے اور آپ ﷺ نے سفر جاری رکھا۔

حضرت ابوخَیثَمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ بھی ایک دن جب سخت گرمی تھی، اپنے گھر واپس آگئے، دیکھا کہ ان کی دونوں بیویاں باغ میں دو چھپر بنا چکی ہیں اور پانی کا چھڑکاؤ کرکے اس کو ٹھنڈا کر رکھا

ہے، ٹھنڈے پانی کا بھی انتظام کیا ہے اور کھانا بھی تیار ہے، باغ میں داخل ہونے کے بعد جب یہ سماں دیکھا تو کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ تو سخت تپش، گرمی اور لو میں ہیں اور ابوخَیثمہؓ ٹھنڈے سایہ میں رہے گا، جہاں کھانا تیار ہے، حسین بیوی ہے اور اس کے مال واسباب ہیں؟ یہ انصاف نہیں ہے، میں کسی کے سائبان میں داخل نہ ہوں گا؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ سے جاملوں اس لئے میرا توشہ تیار کردو۔

دونوں بیویوں نے سفر کا توشہ تیار کیا، اپنا اونٹ لیا، اس پر کجاوہ کسا اور آپ ﷺ کی جستجو میں روانہ ہوگئے اور ٹھیک اس وقت قافلہ سے جاملے، جب آپ ﷺ تبوک میں اُتر چکے تھے، ابوخیثمہؓ جب قریب پہنچے تو لوگوں نے کہا: کوئی سوار ادھر بڑھ رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو ابوخیثمہؓ ہو جا: ''کُنْ اَبَا خَیْثَمَۃَ'' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم، وہ ابوخیثمہؓ ہی ہیں، ابوخیثمہؓ پہنچے، اونٹ کو بٹھایا، آپ ﷺ کے پاس آئے اور سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوخیثمہؓ! تم ہلاکت کے قریب ہوگئے تھے: ''اَوْلٰی لک یا أبَا خَیْثَمَۃَ''(۱) حضرت ابوخیثمہؓ نے آپ ﷺ سے اپنی پوری روداد سنائی، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں کچھ کلماتِ خیر کہے اور دُعاء دی۔

مقامِ حِجر میں

راستہ میں آپ ﷺ کا گزر مقام حِجر میں ہوا، یہیں آپ ﷺ نے قیام فرمایا، لوگوں نے یہاں کا پانی بھی پی لیا، پھر جب لوگ مطمئن ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں کا پانی نہ پیو، نہ نماز کے لئے وضو کرو، جو آٹا یہاں کے پانی سے گوندھ چکے ہو، اونٹوں کو دے دو اور خود نہ کھاؤ، تم میں سے کوئی آدمی شب میں تنہا نہ نکلے، نکلنا ہو تو ایک ساتھی کے ساتھ نکلو — لوگوں نے ایسا ہی کیا، صرف بنوساعدہ کے ایک شخص قضاء حاجت کے لئے اور ایک شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلے، اول الذکر کو خُناق کی بیماری ہوگئی اور دوسرے ہوا کے جھونکے میں اس طرح پھینکے گئے کہ طَیٔ کے پہاڑوں پر جا پڑے، آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو فرمایا: میں نے تم کو کسی ساتھی

(۱) یہ عربی زبان کا ایک محاورہ اور اسم فعل ہے جو ''دنوت من المھلکۃ'' کے معنی میں ہے۔

کے بغیر تنہا نکلنے سے منع نہیں کر دیا تھا؟ پھر پہلے شخص کے لئے دُعاء صحت کی اور وہ شفایاب ہو گئے، دوسرے شخص کو مدینہ واپسی کے بعد طَیِّئ کے لوگوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔

صبح ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی نہ ہونے کی شکایت کی، آپ ﷺ نے دُعاء فرمائی، اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجے، بارش ہوگئی، لوگ سیراب ہو گئے اور ضرورت کا پانی بھی ساتھ رکھ لیا۔

زید بن لُصَیت کی منافقت

رسول اللہ ﷺ راستہ ہی میں تھے کہ اونٹنی گم ہو گئی، آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تلاش میں نکلے، حضور ﷺ کے ایک ساتھی عُمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے، ان کے کجاوہ میں ایک شخص زید بن لُصَیت قینقاعی تھا، جو درحقیقت منافق تھا، زید کجاوہ میں تھا اور حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، زید نے کہا محمد ﷺ کا خیال تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور تم کو آسمانی باتیں بتاتے ہیں؛ مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ آپ نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ایک شخص نے کہا ہے کہ محمد (ﷺ) تم لوگوں کے سامنے نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ تمہیں آسمانی باتوں کی اطلاع دیتے ہیں؛ مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حالاں کہ مجھے تو صرف وہی معلوم ہوتا ہے، جس کی اطلاع خود اللہ تعالیٰ نے دی ہو، اونٹنی کے متعلق بھی اللہ نے ہماری رہنمائی کی ہے، وہ فلاں وادی میں اس گھاٹی میں ہے، اس کی مہار درخت سے اٹکی ہوئی ہے؛ اس لئے جاؤ اور تم لوگ اونٹنی لے آؤ۔

عمارہ رضی اللہ عنہ جب اپنے کجاوہ میں واپس آئے تو کہا: میں نے حضور ﷺ سے عجیب بات سنی ہے کہ کسی آدمی نے آپ ﷺ کے بارے میں ایسا ایسا کہا تھا، جس کی اللہ نے آپ ﷺ کو اطلاع دے دی ہے، یہ بات وہ خود زید سے کہہ رہے تھے، ایک دوسرے شخص جو ان کی عدم موجودگی میں کجاوہ میں موجود تھے اور زید کی بات سن چکے تھے، کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ بات تو آپ ﷺ کے آنے سے پہلے زید ہی نے کہی ہے —— یہ سن کر حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے زید کے گلے میں ہاتھ دیا اور کہنے لگے: خدا کے بندو! میری مدد کرو، میرے کجاوہ میں ایک سانپ ہے، جسے میں سمجھ

نہیں رہا تھا، اے دشمن خدا! تو میرے کجاوہ سے نکل جا اور میرے ساتھ نہ رہ — بعض حضرات کی رائے ہے کہ بعد میں زید تائب ہوگئے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی

آپ ﷺ کا سفر جاری رہا، بعض لوگ پیچھے رہ جانے لگے، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ! فلاں پیچھے رہ گیا، آپ ﷺ فرماتے، چھوڑ دو، اگر اس میں خیر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو تم سے ملا دے گا؛ ورنہ تم کو اس سے نجات دے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ سست رفتار تھا، وہ بھی پیچھے ہوگئے، جب انھوں نے اپنے اونٹ کی سست رفتاری ملاحظہ کیا تو اپنا سامان لیا خود اپنی پشت پر رکھا اور حضور ﷺ کے نقش قدم پر پیدل ہی چلنے لگے، کسی مقام پر حضور ﷺ اُترے تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ایک شخص تن تنہا پیدل چلا آرہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر ہوجا'' — جب لوگوں نے غور کیا تو واقعی ابوذر رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور تنہا اٹھائے جائیں گے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ''رَبَذَہ'' کے مقام پر شہر بدر کردیا اور ان پر موت کا وقت آیا تو ان کے ساتھ بیوی اور بچے کے سوا کوئی نہ تھا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کو وصیت کی کہ تم لوگ مجھے غسل دینا، کفن پہنا دینا، پھر راستہ پر رکھ دینا، پہلے جس قافلہ کا تم پر گزر ہو، ان سے کہنا کہ یہ صحابی رسول ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی تدفین میں میری مدد کرو۔

چنانچہ ان کا انتقال ہوگیا، ان دونوں نے حسبِ ہدایت عمل کیا، اتفاق کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اہل عراق کے ایک قافلہ کے ساتھ آئے، جو عمرہ کے ارادہ سے چلے تھے — قریب تھا کہ جنازہ کو اونٹ روند دیتا؛ کہ ان کے لڑکے اہل قافلہ کی طرف متوجہ ہوئے؛ کہ یہ صحابی رسول ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، آپ لوگ ان کی تدفین میں ہماری مدد کیجیے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کلمہ پڑھا اور فرمانے لگے: ''رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ! تم تنہا چلو گے، تنہا مروگے اور تنہا اُٹھائے جاؤگے'' پھر اسی قافلہ نے ان کو دفن کردیا۔

اہل اَیْلَہ کے لئے پروانۂ اَمن

رسول اللہ ﷺ تبوک پہنچے تو اَیْلَہ کا سردار یُحَنَّہ بن رُوَبَہ آیا، اس نے حضور ﷺ سے مصالحت کی اور جزیہ دیا، جَرْبَاء اور اَذْرُحْ کے لوگ بھی آئے اور انھوں نے بھی جزیہ دیا، آپ ﷺ نے ان کو ایک تحریر لکھ دی، یُحَنَّہ کے لئے تحریر کا مضمون یہ تھا :

> ''اللہ رحمٰن ورحیم'' کے نام سے — یہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے یُحَنَّہ بن رُوَبَہ اہل اَیْلَہ کے بَرّی اور بحری قافلوں کے لئے پروانہ امن ہے، ان کے لئے اور ان کے ساتھ یمن، شام اور سمندری علاقہ کے جو لوگ ہیں، ان سبھوں کے لئے خدا اور محمد ﷺ کا ذمہ ہے؛ لیکن جو شخص اس میں کوئی نئی بات پیدا کرے (یعنی بدعہدی کرے) تو اس کا مال اس کی جان بچانے میں سود مند نہ ہوگا اور جو بھی لے لے اس کے لئے حلال ہوگا — یہ بات درست نہیں ہوگی کہ ان معاہدین کو کسی بھی پانی کے چشمہ پر آنے یا کسی بری یا بحری راستہ پر سفر کرنے سے روکا جائے۔

اُکَیْدِرْ دُوْمَہْ کی مہم

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دُوْمَہْ کے اُکَیْدِرْ بن عبد الملک کے پاس بھیجا جو قبیلۂ کِندہ سے تعلق رکھتا تھا اور ان کا بادشاہ اور مذہباً عیسائی تھا، روانہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اسے گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے، اُکیدر کے قلعہ پر جس وقت ان کی نظر پڑی، اس وقت گرما کی شب تھی جو چاندنی میں نہائی ہوئی تھی، قلعہ کی سطح پر خود اُکیدر اور اس کی بیوی بیٹھی تھی اور ایک گائے اپنی سینگوں سے محل کے دروازہ کو رگڑ رہی تھی، اس کی بیوی نے کہا: اس سے پہلے کبھی تم نے ایسا دیکھا تھا؟ اس نے کہا: نہیں، بیوی نے دریافت کیا: گائے کو کون چھوڑ سکتا ہے؟

اس نے کہا: کوئی نہیں، اور پھر چھت سے اُترا، اس کے حکم سے گھوڑے کی زِین کسی گئی، اس کے اہل خانہ کے چند دوسرے لوگ بھی ساتھ ہوئے، ان ہی میں اس کا بھائی حَسّان بھی تھا۔

یہ لوگ اپنے نیزے لے کر نکلے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار پہنچ گئے اور ان سے مڈبھیڑ ہوگئی، ان حضرات نے خود اُکَیدِر کو تو گرفتار کر لیا اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا، نیز اس کے بھائی کے جسم پر ریشمی قبا تھی، جس پر سونے کا کام کیا ہوا تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ اُتار لیا اور اپنی آمد سے پہلے ہی اس کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اُکَیدِر کو آپ ﷺ کی خدمت میں لائے، آپ ﷺ نے اس کی جاں بخشی کر دی، جزیہ پر مصالحت کر لی اور اس کو چھوڑ دیا اور وہ اپنی جگہ واپس ہو گیا۔

تبوک سے واپسی

تبوک میں آپ ﷺ کا قیام دس دنوں سے زیادہ رہا، اس کے بعد آپ ﷺ مدینے کے لئے واپس ہو گئے، راستہ میں ایک جگہ پانی تھا، جو پتھروں کے درمیان سے قطرہ قطرہ نکلتا تھا، اس کی مقدار اتنی کم تھی جو ایک سے تین آدمی تک کے لئے کفایت کر سکے، یہ پانی وادی مُشَقَّق میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ مجھ سے پہلے اس وادی میں پہنچ جائیں، وہ میرے آنے سے پہلے کچھ نہ پئیں۔

چنانچہ کچھ منافقین آپ سے پہلے ہی پہنچ گئے اور جو کچھ پانی تھا سب پی گئے، آپ ﷺ تشریف لائے تو اس چشمہ پر آ کر رُک گئے، دیکھا تو کچھ نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہم سے پہلے کس نے پانی پی لیا؟ عرض کیا گیا: فلاں فلاں لوگ، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے ان لوگوں کو منع نہیں کیا تھا کہ میرے آنے سے پہلے کوئی نہیں پئے؟ پھر آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور بددُعاء کے کلمات کہے۔

آپ ﷺ نے اس پتھر کے نیچے اپنا ہاتھ رکھا اور اللہ کی مشیت سے پانی بہنے لگا، آپ ﷺ نے پانی پتھر پر بہا دیا اور اپنا ہاتھ پونچھتے ہوئے دُعاء فرمائی؛ چنانچہ پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا اور اس سے بجلی کی سی ایک آواز پیدا ہوئی، لوگوں نے پیا اور حسبِ ضرورت پانی رکھ بھی لیا۔

مسجد ضِرار کا انہدام

واپس ہوتے ہوئے آپ ﷺ ''ذی اَوَان'' میں اُترے، مدینہ سے اس کا فاصلہ بہت کم تھا، آپ ﷺ جب تبوک جانے کی تیاری کر رہے تھے تو مسجد ضرار والوں نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا تھا کہ ہم لوگوں نے مریضوں اور معذوروں کے لئے سردی اور شدید بارش کے دوران نماز ادا کرنے کی غرض سے ایک مسجد تعمیر کی ہے اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اس مسجد میں تشریف لاکر ہمیں نماز پڑھائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی تو سفر پر جارہا ہوں، واپس آنے کے بعد پڑھاؤں گا؛ چنانچہ آپ ﷺ جب اوان پہنچے تو آپ ﷺ کو من جانب اللہ اس مسجد کے بانیوں کی بدنیتی اور نفاق کی خبر ہوگئی اور آپ نے مالک بن دُخشُم رضی اللہ عنہ اور مَعْن بن عَدِی رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی عاصم رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ یہ لوگ ظالم ہیں، اس مسجد کو نذرِ آتش اور منہدم کردو؛ چنانچہ ان دونوں نے مسجد جلادی، اس وقت وہ منافقین مسجد ہی میں موجود تھے، ان لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی اور بھاگ گئے، ان ہی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ، لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا . . . الخ ۔ (التوبہ:۱۰۷-۱۱۰)

ان لوگوں نے نقصان پہنچانے، کفر کرنے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور ان لوگوں کو پناہ دینے کے لئے جو شروع ہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑ رہے ہوں، مسجد بنائی ہے، اگر ان سے پوچھا جائے تو وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ اس سے ہمارا ارادہ تو صرف خیر ہی کا تھا؛ لیکن اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں......الخ۔

اس مسجد کی تعمیر میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا ان کی تعداد بارہ تھی: ثَعْلِبہ بن حاطب، خِذَام بن خالد، مُعَتِّب بن قُشَیر، ابوحبیبہ بن اَزْعَرْ، عَبّاد بن حُنَیف، جاریہ بن عامر، اس کے بیٹے مُجَمِّعْ اور زید، نَبْتَل بن حارث، بَحْزَجْ، بجاد بن عثمان اور وُدَیعہ بن ثابت۔

☆ ☆ ☆

وفد بنوثقیف کی آمد (رمضان ۹ ھ)

رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں تبوک سے مدینہ واپس تشریف لائے، اسی مہینہ میں بنوثقیف کا وفد آیا، رسول اللہ ﷺ جب ان کے ہاں سے واپس آ گئے تو آپ ﷺ کے نقش قدم ہی پر حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ آ گئے؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے آ ملے، انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ تم کو قتل کردیں گے، حضور ﷺ کا اندازہ تھا کہ ان لوگوں میں ابھی دینِ حق سے روکنے کا زبردست جذبہ اور قومی نخوت ہے، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ان کے درمیان ان کی آنکھوں سے زیادہ محبوب ہوں، وہ واقعی اپنے قبیلہ میں بہت محبوب تھے اور ان کی بات مانی جاتی تھی، اسی اُمید پر انھوں نے اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی؛ مگر جوں ہی ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا تو لوگ ہر طرف سے ان پر تیر پھینکنے لگے، ایک تیر لگا، اور وہ شہید ہو گئے، ان کے قاتل کا نام اَوس بن عوف یا وَہب بن جابر تھا، آپ ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا وہ اپنی قوم میں ایسے ہی تھے، جیسے صاحبِ یٰسین اپنی قوم میں۔

بارگاہِ رسالت میں

بنوثقیف اس واقعہ کے بعد چند ماہ ٹھہرے رہے، پھر باہم مشورہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب عام طور پر عربوں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور ہمارے اندر ان سے مقابلہ کی تاب نہیں ہے؛ اس لئے ہمیں اسلام قبول کرلینا چاہئے؛ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ پہلے باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ عروہ کی طرح ایک شخص کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا جائے، لوگوں نے عَبۡدُ یَالِیۡل سے جانے کی خواہش کی، جو حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہم عمر ہی تھے، وہ جانے پر آمادہ

نہیں ہوئے، ان کو اندیشہ ہوا کہ واپسی کے بعد کہیں ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار نہ کیا جائے، جو اس سے پہلے عروہ کے ساتھ پیش آیا تھا، انھوں نے کہا: میں تنہا نہیں جاؤں گا، ہاں، اس شرط پر جاسکتا ہوں کہ میرے ساتھ چند اور آدمیوں کو بھیجو؛ چنانچہ باہمی اتفاق رائے سے قبیلہ اَحْلَافُ کے دو آدمی حَکَم بن عمرو اور شُرَحْبِیْل بن غَیْلان اور بنو مالک کے تین نمائندے عثمان بن ابی العاص، اَوْس بن عوف اور نُمَیْر بن خَرَشَہ ساتھ کردیئے گئے اور اس طرح چھ افراد کا یہ قافلہ مدینہ کی سمت نکلا، جس کے سردار اور امیر عَبْدُ یَالِیْل تھے۔

یہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور قَنَاۃ نامی مقام پر اُترے تو دیکھا کہ حضرت مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے اونٹ چرا رہے ہیں، اونٹ باری باری صحابہ رضی اللہ عنہم چرایا کرتے تھے، اس دن اُن ہی کی باری تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو اونٹ وہیں چھوڑ دیئے اور بھاگے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کو ان کی آمد کی خوشخبری دیں، آپ ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بنوثقیف کے قافلہ کے متعلق اطلاع دی کہ وہ بیعت اور قبولِ اسلام کے ارادہ سے آئے ہیں؛ بشرطیکہ حضور ﷺ ان کی چند شرطیں مان لیں اور ان کی قوم اور اَملاک کے سلسلہ میں ایک تحریر لکھ دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں یہ خوشخبری دینے میں تم سبقت نہ کرو، مجھے اس کا موقع دو، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مان لیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور ان کی آمد کی اطلاع دی، پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نکل کر ان حضرات کے پاس آئے، شام تک ان کے ساتھ رہے اور ان کو بتایا کہ وہ حضور ﷺ کو کس طرح سلام کریں؛ مگر ان نو واردوں نے ایام جاہلیت کے طریقہ کے مطابق ہی آپ ﷺ کو سلام کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان واردین کے لئے مسجد نبوی ہی کے گوشہ میں ایک قبہ بنوایا، رسول اللہ ﷺ اور ان لوگوں کے درمیان خالد بن سعید رضی اللہ عنہ واسطہ تھے، بنوثقیف کے سلسلہ میں جو تحریر لکھی گئی ہے، وہ بھی خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ہی نے لکھی، یہ لوگ حضور ﷺ کے پاس سے آیا ہوا کھانا

اس وقت تک نہ کھاتے تھے، جب تک خود حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس میں سے نہ کھالیں، بالآخر ان حضرات نے اسلام قبول کرلیا اور معاہدہ طے پا گیا۔

انھوں نے آپ ﷺ سے جو مطالبات کئے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ ﷺ ابھی ان کے ''لات'' نامی بت کو تین سال تک نہ توڑیں اور رہنے دیں؛ مگر آپ ﷺ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، وہ ایک ایک سال گھٹاتے گئے؛ یہاں تک کہ کم کرتے کرتے ایک ماہ کی مدت چاہی؛ مگر آپ ﷺ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے، ان کے اس مطالبہ کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعہ وہ قوم کے ناسمجھ لوگوں، عورتوں اور بچوں کے الزام سے بچیں اور جب تک پوری قوم اسلام میں داخل نہ ہوجائے، اس طرح کا اقدام کرکے ان میں اضطراب پیدا نہ کریں۔

ان کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بت نہ توڑیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ شرط مان لی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ و حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس قافلہ کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ بتوں کو منہدم کردیں ـــــ ان کا ایک اور مطالبہ تھا کہ وہ نماز سے مستثنیٰ رہیں، آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول نہ کیا اور فرمایا: اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے، جس میں نماز نہ ہو ـــــ انھوں نے اس کو بھی قبول کرلیا۔

اسلام کے ساتھ واپسی

جب ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کو ایک تحریر بھی لکھ دی گئی، تو آپ ﷺ نے ان پر حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، جو اگرچہ ان میں سب سے کم عمر تھے؛ لیکن قرآن سیکھنے اور دین کو سمجھنے کی طلب ان میں سب سے زیادہ تھی، آپ ﷺ نے ان سے یہ عہد بھی لیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ! ہلکی نماز پڑھنا اور لوگوں میں سب سے زیادہ کمزور آدمی کو معیار بنانا؛ اس لئے کہ نماز پڑھنے والوں میں عمر دراز آدمی بھی ہوتے ہیں، کم سن بھی، کمزور بھی ہوتے ہیں اور ضرورت مند بھی۔

بنوثقیف کے قافلہ کے ساتھ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طائف آئے، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو آگے کردیں؛ مگر وہ تیار نہ ہوئے اور کہا: تم ہی اپنی قوم میں

داخل ہو ـــ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ انہدام کا سامان لے کھڑے ہوگئے، مغیرہ رضی اللہ عنہ بت پر پھاوڑے مارنے لگے اور ان کی حفاظت کے لئے ان کے خاندان بنومُعَتِّب کے لوگ کھڑے ہوگئے کہ کہیں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی طرح ان کو بھی تیر کا نشانہ نہ بنایا جائے، ادھر بنوثقیف کی خواتین برہنہ سر روتے ہوئے نکل پڑیں اور ماتمی اشعار گانے لگیں، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ ان پر اپنا وار کرتے ہوئے کہتے جاتے تھے ''تم پر افسوس! ہائے افسوس!''۔

بت کے ساتھ جو اسباب اور سونا چاندی تھے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اور اسود رضی اللہ عنہ کے قرض ادا کئے گئے، جس کے لئے ابوملیح بن عروہ رضی اللہ عنہ اور قارِب بن اسود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی تھی۔

وثیقہ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوثقیف کے لئے یہ تحریر لکھی تھی :

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے ـــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تمام مومنوں کے نام! ''وَج''(۱) کے کانٹے نہیں کاٹے جائیں گے اور نہ شکار کیا جائے گا، جو شخص ایسا کچھ کرتا ہوا پایا جائے گا، اسے کپڑے اُتار کر کوڑے لگائے جائیں گے، پھر اگر اس سے بھی آگے تجاوز کر جائے تو اس کی اطلاع محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچائی جائے گی اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ ہے۔

سنہ وفود

رمضان المبارک کے بقیہ ایام، نیز شوال و ذوقعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں مقیم رہے، ۹ھ میں حج کا امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے حج کے ذمہ دار ہیں، { حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے نمائندہ کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا } (۲) مشرکین بھی حج میں شریک رہے، اسی سال سورۂ براءت

(۱) ''وَج'' طائف کی ایک جگہ کا نام ہے۔ (۲) الروض الانف: ۷/ ۴۲۲۔

نازل ہوئی اور کفار سے جو معاہدے کئے گئے تھے، ان سے براءت اور دستبرداری کا اعلان کر دیا گیا۔

مکہ کی فتح، تبوک سے فراغت اور بنوثقیف کے قبول اسلام کے بعد ہر طرف سے آپ ﷺ کی خدمت میں وفود کی آمد شروع ہوگئی؛ اسی لئے اس سال کو سنہ وفود کہا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ قریش کو عربوں میں قائدانہ مقام حاصل تھا، وہ بیت اللہ اور حرم کے پاسبان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے، اس لئے عربوں کی نظر ان ہی پر تھی اور یہی تھے، جنھوں نے ابتداءً پیغمبر اسلام ﷺ کی مزاحمت کی تھی، پھر جب مکہ فتح ہوگیا اور خود قریش نے اپنا سر جھکا لیا تو تمام عرب پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام سے مقابلہ ان کے بس کی بات نہیں ہے اور یہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اللہ تعالیٰ نے اسی کا نقشہ یوں کھینچا ہے :

> اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ، وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۔ (النصر:۱-۳)
>
> جب اللہ کی فتح ونصرت آجائے اور لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگیں تو آپ اپنے رب کی حمد وتسبیح کیجئے اور استغفار کرتے رہئے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

☆ ☆ ☆

وفد بنو تمیم

چنانچہ عُطارد بن حاجب تمیمی بنو تمیم کے سرداروں اور معززین کے ساتھ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ آنے والوں میں اَقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اَہتَم، حَبحاب بن یزید، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، قَیس بن عاصم اور عُیَینَہ بن حِصن ہیں، ان میں سے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حِصن فتح مکہ، غزوۂ حنین اور طائف میں بھی شریک تھے اور اس وفد میں بھی ساتھ تھے۔

وفد بنی تمیم جب مسجد میں داخل ہوا تو حجرہ کے باہر سے آواز دی: محمد (ﷺ) ہمارے پاس آؤ — آپ ﷺ کو ان کی اس چیخ وپکار سے اذیت ہوئی، پھر بھی آپ ﷺ باہر تشریف لائے، وفد کے ارکان نے کہا: ہم آپ (ﷺ) کے پاس باہمی فخر ومباہات کے لئے آئے ہیں؛ اس لئے آپ (ﷺ) ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دیں — آپ ﷺ نے ان کے خطیب کو تقریر کی اجازت دی؛ چنانچہ عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور تقریر کی :

> خدا کی حمد وثناء ہے، جس کا ہم پر فضل واحسان ہے اور وہی تعریف کا مستحق ہے، جس نے ہمیں بادشاہ بنایا، ہمیں بڑی دولت عطا فرمائی، جس کے ذریعہ ہم بھلائی کرتے ہیں، اس نے ہمیں اہل مشرق میں سب سے باعزت بنایا ہے، عددی کثرت عطا کی، ساز وسامان کی فراخی دی، پس لوگوں میں کون ہے جو ہمارا ہمسر ہو؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور ان میں اہل فضل نہیں ہیں؟ جو ہم پر فخر کرنا چاہتا ہے، اسے وہ خوبیاں شمار کرنی چاہئیں جو میں نے شمار کرائی ہیں — اگر ہم چاہیں تو اور بہت کچھ کہہ سکتے ہیں؛ لیکن ہمیں شرم محسوس ہوتی

ہے کہ ہم ان تمام چیزوں کو گنائیں اور اسی حیا سے ہم پہچانے جاتے ہیں — یہ چند باتیں میں نے اس لئے کہی ہیں کہ تم بھی ایسی ہی باتوں سے اس کا جواب دو اور ہم سے بہتر معاملہ پیش کرو۔

اس تقریر کے بعد عطارد بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

خدا کی تعریف کہ جس کی پیدا کردہ زمین و آسمان ہے، ان میں اسی کا حکم جاری ہے، اس کا علم پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کے فضل و کرم کے بغیر نہیں ہوتی، اس کی قدرت ہے کہ اس نے ہمیں فرمانبردار بنایا، اپنی مخلوق کے سب سے بہتر آدمی کو رسالت کے لئے منتخب کیا، جو سب سے اعلیٰ نسب، راست گو اور بہترین حسب کے ہیں، ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اپنی مخلوق پر ان کو امین بنایا،، وہ کائنات میں خدا کے سب سے زیادہ پسندیدہ انسان ہیں، انھوں نے اللہ پر ایمان کی دعوت دی؛ ان کی قوم اور قرابت داروں میں سے مہاجرین نے — جو سب سے شریف، ذی وجاہت اور نیکوکار تھے — لبیک کہا، پھر ہم نے ان کی دعوت قبول کی۔

ہم خدا کے انصار اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار ہیں، ہم لوگوں سے جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ خدا و رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں اور ہم سے اپنے جان و مال محفوظ کرلیں، اور جو اس سے انکار کرے گا، ہم خدا کی خاطر اس سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہیں گے اور ان کا قتل ہمارے لئے ایک معمولی بات ہوگی، یہی میرا کہنا ہے، میں اپنے لئے اور تمام اہل ایمان مرد و عورت کے لئے خدا سے مغفرت چاہتا ہوں، والسلام علیکم۔

اب بنوتمیم کی طرف سے زبرقان بن بدر کھڑے ہوئے اور فخریہ اشعار پڑھے، حضرت حسّان رضی اللہ عنہ اس وقت مجلس میں موجود نہیں تھے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور اشعار میں جواب دینے کا حکم فرمایا، زبرقان نے ۱۸ اشعار کہے تھے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسی زمین میں ۱۸/اشعار میں فی البدیہہ جواب دیا۔

اقرع بن حابس کہہ اُٹھے: اس شخص ﷺ کو توفیق الٰہی حاصل ہے، ان کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے اور ان کے الفاظ میں ہمارے الفاظ سے زیادہ مٹھاس ہے، اس کے بعد ان سبھوں نے اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ نے ان کو بیش قیمت انعامات عطا فرمائے، یہاں تک کہ عمرو بن اُہتم — جو نوعمر تھے اور وفد سے پیچھے کجاووں کی حفاظت کے لئے تھے — ان کو بھی سبھوں کے برابر عنایت کیا۔

☆ ☆ ☆

وفد بنی عامر

بنوعامر کا وفد بھی بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا، اس وفد میں تین بد بخت سردار تھے: عامر بن طُفَیل، اَرْبَدْ بن قیس اور جَبَّارْ بن سَلْمٰی، دشمن خدا عامر بن طفیل آپ کو فریب دینا چاہتا تھا، اس کی قوم نے اس سے کہا: عامر! لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں، تم بھی مسلمان ہو جاؤ—— اس نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک نہ رکوں گا، جب تک پورا عرب میرا تابع اور پیرو نہ ہو جائے، پھر کیا میں قریش کے اس نوجوان کی پیروی کروں گا؟ اس کے بعد اس نے اربد سے کہا: جب میں اس شخص (محمد ﷺ) کے پاس آؤں گا تو میں اس کو تمہاری طرف سے مشغول کر دوں گا، جب میں ایسا کروں تو تم اس کو تلوار سے قتل کر دینا۔

چنانچہ یہ لوگ خدمت نبوی ﷺ میں آئے، عامر بن طفیل نے کہا: مجھ کو تخلیہ کا موقع دیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا؛ جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ—— اس نے پھر یہی کہا اور آپ ﷺ سے گفتگو کرنے لگا، وہ منتظر تھا کہ اربد اپنا کام کر گزرے گا؛ مگر اربد تھا کہ کچھ کر ہی نہیں رہا تھا، عامر نے یہ دیکھ کر ایک بار پھر تخلیہ کی خواہش کی، مگر آپ ﷺ نے وہی جواب دیا کہ پہلے اللہ وحدہٗ لاشریک لہ پر ایمان لاؤ، اس کے باوجود جب وہ انکار ہی پر مصر رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اس سرزمین کو تمہارے خلاف گھوڑوں اور سواریوں سے بھر دوں گا—— چنانچہ واپس ہو گئے، آپ ﷺ نے دُعاء فرمائی: خداوندا! عامر کے مقابلہ میں میری طرف سے تو کفایت کر جا۔

وہاں سے نکلنے کے بعد عامر نے اربد سے کہا: تیرا برا ہو، میں نے تجھے کس بات کا حکم دیا تھا؟ خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی شخص نہیں ہے، جس سے میں تمہارے مقابلہ زیادہ ڈرتا؛ مگر خدا کی قسم! آج کے بعد تجھ سے کبھی نہیں ڈروں گا، اربد نے کہا: تیرا باپ نہ رہے، جلد

بازی سے کام نہ لے، واللہ! جب بھی میں نے اس کام کا ارادہ کیا، جس کا تم نے حکم دیا تھا، تم میرے اور اس شخص کے درمیان حائل ہوجاتے تھے اور مجھے تمہارے سوا اور کوئی نظر ہی نہ آتا تھا، پھر کیا میں تم ہی کو قتل کر دیتا؟

یہ لوگ اپنے شہر کی طرف واپس چلے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ عامر کی گردن میں طاعون کی گلٹی پیدا ہوگئی اور وہ بنوسَلُول کی ایک خاتون کے گھر میں مر گیا، اس کو دفن کر کے دوسرے ساتھی اپنے ہاں آئے، قوم کے لوگوں نے آ کر حالات پوچھے، اربد نے بتایا: کچھ نہیں ہوا، خدا کی قسم! اس شخص (ﷺ) نے ایک ایسی چیز کی عبادت کی دعوت دی ہے کہ اگر وہ میرے پاس ہوتا تو تیر مار مار کر اسے ہلاک کر دیتا،

یہ کہنے کے ایک دو دنوں کے اندر ہی اپنی اونٹنی کے ساتھ نکلا کہ اللہ کے حکم سے اس پر بجلی گری اور دونوں اسی میں جل گئے۔

☆ ☆ ☆

وفد سعد بن بکر

بنو سعد نے اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ضِمَام بن ثَعْلَبہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں بھیجا، آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اپنا اونٹ مسجد کے دروازہ پر بٹھایا، مسجد میں آئے، ان کے بال بڑے بڑے تھے، آ کر پوچھا: عبدالمطلب کے پوتے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: میں ہوں، اس نے پوچھا: کیا آپ محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

ضِمام نے کہا، میں آپ (ﷺ) سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں، جو کچھ سخت اور تُند ہوں گے، ان کا کچھ برا نہ ماننا، آپ ﷺ نے سوال کی اجازت مرحمت فرمادی، ضمام رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو آپ ﷺ کا بھی معبود ہے، آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا بھی اور بعد میں آنے والوں کا بھی، کیا اللہ نے آپ (ﷺ) کو ہماری طرف پیغامبر بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کے بندے! ''ہاں'' — اسی طرح وہ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے بارے میں سوال کرتے رہے اور آپ ﷺ جواب دیتے رہے، اس گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے کہا:

> میں خدا کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں، میں اِن فرائض کو ادا کروں گا اور جن باتوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اُن سے اجتناب کروں گا، اِس پر نہ کوئی اضافہ کروں گا اور نہ کوئی کمی۔

یہ کہہ کر اونٹ کی رسی کھولی اور اپنی قوم میں آ گئے، لوگ جمع ہو گئے، ضمام رضی اللہ عنہ نے کہا:

''لات وعزیٰ (۱) کیا ہی برے ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ضمام! ٹھہرو، کہیں تم کو برص، جذام یا جنون نہ ہوجائے، انھوں نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ دونوں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلاشبہ اللہ نے رسول بھیجا ہے، کتاب نازل کی ہے اور اس کے ذریعہ خدا کے رسول نے تمہیں گمراہی سے نکالا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، میں تمہارے پاس ان کی طرف سے اوامر ونواہی لے کر آیا ہوں''۔

چنانچہ شام ہوتے ہوتے ان کے قبیلہ کا کوئی فرد نہ تھا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

☆ ☆ ☆

(۱) 'لاتُ اور عُزّیٰ' زمانۂ جاہلیت کے بت تھے، جن کو مشرکین بڑی اہمیت دیتے تھے اور زیادہ تر انھیں کی قسم کھاتے تھے۔

وفد عبد القیس

قبیلۂ عَبدُ القَیس سے جَارُود بن عَمر و رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی، آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور اس کی ترغیب دی، جارود عیسائی تھے، انھوں نے عرض کیا: اے محمد (ﷺ)! میں ایک دین پر قائم تھا اور اسے آپ (ﷺ) کے دین کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں، پھر کیا آپ ﷺ میرے لئے دین کے ضامن ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ نے تم کو اس سے بہتر دین کی ہدایت دی ہے۔

چنانچہ وہ اور ان کے ساتھی مسلمان ہوگئے، پھر آپ ﷺ سے سواری کے لئے درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس تو سواری نہیں ہے، جو تم کو دوں — انھوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور ہمارے ملک کے درمیان لوگوں کے بہت سے گم شدہ جانور ہوتے ہیں، کیا ہم ان کے ذریعہ اپنے شہر پہنچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اس سے بچو، یہ جہنم کی آگ ہے''۔

جارود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس سے واپس گئے اور استقامت کے ساتھ آخری وقت تک اسلام پر قائم رہے؛ حالاں کہ ان کی زندگی ہی میں ارتداد کا فتنہ بھی اُٹھا، ان کے قبیلہ کے بعض لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے، جب غَرُور بن مُنذِرُ کے ساتھ اپنے سابقہ دین، یعنی کفر کی طرف لوٹ گئے، مگر وہ اس وقت بھی اسلام پر ثابت قدم رہے اور حق کی شہادت دیتے ہوئے اسلام کی دعوت دی اور کہا: ''اے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور جو اس کی گواہی نہیں دیتے ہیں، میں ان کو کافر سمجھتا ہوں''۔

☆ ☆ ☆

وفد بنو حنیفہ

آپ ﷺ کے پاس بنو حَنِیفہ کا وفد بھی آیا، اسی وفد میں مُسَیْلِمَہ بن حبیب کذاب بھی تھا، یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور مسیلمہ کو اپنے کجاووں میں رکھ دیا، اسلام قبول کرنے کے بعد لوگوں نے مسیلمہ کا ذکر کیا، جو سامان کی حفاظت پر مامور تھا، آپ ﷺ نے دوسرے اسلام قبول کرنے والوں کو جو دیا تھا، وہی اس کو دینے کا حکم فرمایا اور فرمایا ''انہ لیس بشرکم مکانا'' وہ بھی اپنے قیام کے لحاظ سے برا نہیں ہے، یعنی اگرچہ وہ خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوا؛ مگر چوں کہ دوسرے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت پر مامور ہے؛ اس لئے اس حاضری سے محرومی میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کے بعد یہ لوگ بارگاہِ نبوی ﷺ سے واپس آ گئے اور آپ ﷺ نے مسیلمہ کے لئے جو کچھ عطا فرمایا، وہ اسے دے دیا۔

یمامہ واپسی کے بعد یہ دشمن خدا مرتد ہو گیا، اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں، میرے اس مقام کو جانتے ہوئے ہی آپ ﷺ نے کہا تھا کہ یہ شخص برا نہیں ہے، اس کے بعد وہ مختلف مُسَجَّع اور پرتکلف قسم کے کلام گھڑنے لگا، قرآن کے مقابلہ میں اس نے بطور خود جو فقرے گھڑے، اس کا ایک نمونہ یہ ہے :

لَقَدْ أَنْعَمَ اللهُ عَلَى الْحُبْلٰى اَخْرَجَ مِنْهَا نَسَمَةً تَسْعٰى ،
مِنْ بَيْنَ صِفَاقٍ وَحَشٰى ۔

بلاشبہ اللہ نے حاملہ عورتوں پر انعام فرمایا ہے، ان کے رحم اور جھلیوں کے درمیان سے چلنے پھرنے والا انسان پیدا کیا۔

اس کے ساتھ اس نے اپنے متبعین کے لئے شراب نوشی اور زنا کو حلال کر دیا اور نماز معاف کر دی۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

عدی بن حاتم سے مروی رضی اللہ عنہ ہے کہ عرب کا کوئی آدمی میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا، میں مذہباً عیسائی اور اپنی قوم کا معزز آدمی تھا، عربوں کے رواج کے مطابق سردار ہونے کی حیثیت سے اپنی قوم کے مالِ غنیمت میں سے ایک چوتھائی لے لیا کرتا تھا اور اپنی قوم کا بادشاہ تھا، جب مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اطلاع ملی تو میں نے اپنے عربی غلام سے —— جو میرے اونٹ چرایا کرتا تھا —— کہا: تمہارا باپ نہ رہے، میری کچھ فربہ تیز رو اونٹنیاں تیار کرو اور ان کو قریب ہی رکھو، جب محمد (ﷺ) کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملے تو مجھے آگاہ کردو؛ چنانچہ وہ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے چند جھنڈے دیکھے ہیں، میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہ کہ محمد (ﷺ) کا لشکر ہے —— عدی اپنے اہل وعیال کے ساتھ سوار ہو گئے کہ اپنے ہم مذہب لوگوں تک چلے جائیں، جو شام میں رہتے ہیں اور صرف اپنی ایک بہن کو چھوڑ گئے، وہ شام پہنچ گئے اور ادھر رسول اللہ ﷺ کے قافلہ نے حاتم کی بیٹی کو گرفتار کر کے بنوطی کے کچھ قیدیوں کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا، حضور ﷺ کو عدی کے بھاگنے کی اطلاع ہو چکی تھی۔

یہ مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس ہی رکھی گئیں، حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو کھڑی ہوئیں، وہ ایک جرأت مند خاتون تھیں، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! والد ہلاک ہو گئے اور جانے والے چلے گئے، آپ ﷺ مجھ پر احسان فرمائیے، خدا آپ ﷺ پر احسان کرے گا، آپ ﷺ نے دریافت کیا: جانے والا کون ہے؟ بنت حاتم نے کہا: عدی بن حاتم، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے خدا اور اس کے رسول سے راہ فرار اختیار کی ہے؟

یہ کہہ کر حضور ﷺ بڑھ گئے، دوسرے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا، تیسرے دن وہ مایوس

ہوچکی تھیں ؛ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے جو آپ ﷺ کے پیچھے چل رہے تھے ، پھر یہی درخواست کی ، آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور کہا: عجلت نہ کرو ، جب کوئی ایسا قابل اعتماد مل جائے ، جو تم کو تمہارے ملک پہنچادے تب جاؤ اور اس وقت مجھے اطلاع کردو؛ چنانچہ ان کی قوم کا ایک قافلہ آگیا ، آپ ﷺ نے ان کو کپڑے دیئے ، سواری دی ، خرچ دیا اور وہ شام چلی گئیں۔

یہاں عدی سے ملاقات ہوئی ، انھوں نے دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بنت حاتم نے کہا: کہ تم جلد سے جلد ان سے ملو ، اگر وہ نبی برحق ہیں تو ان کی اتباع میں سبقت اچھی بات ہے اور اگر وہ باشاہ ہیں تو تم ذلت سے دوچار نہ ہوگے اور تمہاری جو حیثیت ہے وہ برقرار رہے گی۔

عدی نے اس مشورہ سے اتفاق کیا اور مدینہ آئے ، اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی میں تھے ، سلام کیا ، آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہو؟ عرض کیا: عدی بن حاتم (رضی اللہ عنہ) — آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے ، راستہ میں ایک سن رسیدہ ضعیف عورت سے ملاقات ہوگئی ، اس نے آپ ﷺ کو ٹھہرالیا ، آپ ﷺ کافی دیر تک ٹھہرے ہوئے اس سے گفتگو کرتے رہے ، انھوں نے دل ہی دل میں کہا: اللہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے ، پھر آپ ﷺ ان کو لے کر گھر گئے ، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں چھال بھری ہوئی تھی ، حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو دیا؛ تاکہ وہ اس کے سہارے بیٹھیں ، انھوں نے انکار کیا؛ مگر آپ ﷺ نے باصرار ان کو گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے ، عدی ﷺ کہتے ہیں ، میں نے سوچا کہ یہ بادشاہوں کا طریقہ تو نہیں ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: کیا تم ''ا کوسی'' (۱) نہیں تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں ، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی قوم سے اموالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں ، ارشاد ہوا: یہ تو تمہارے دین میں حلال نہیں تھا؟؟ عدی نے کہا: آپ نے درست فرمایا — عدی نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں اور آپ ﷺ کو ان باتوں کا بھی علم ہے ، جن سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہوتے۔

(۱) یہ ایک خاص مذہبی فرقہ تھا ، جس کے عقائد عام عیسائیوں سے قدرے مختلف تھے ، عدی اسی مسلک کے حامل تھے۔

آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: ''عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تمہارے لئے مسلمانوں کی محتاجی اور غربت رکاوٹ بن رہی ہو؛ مگر خدا کی قسم! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ مسلمانوں پر مال اس طرح بہے گا کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا، اور شاید تمہارے لئے یہ رکاوٹ بن رہی ہو کہ مسلمانوں کے دشمن زیادہ ہیں اور اہل اسلام کی تعداد کم ہے؛ لیکن خدا کی قسم! عنقریب تم سنوگے کہ قادسیہ سے ایک خاتون اپنے اونٹ پر نکل کر بیت اللہ شریف کی زیارت کو آئے گی اور اسے کوئی خوف و جھجک نہیں ہوگا، نیز تمہارے لئے قبول اسلام میں یہ بات رکاوٹ بن رہی ہوگی کہ حکومت اور سلطنت غیر مسلموں میں ہے؛ لیکن خدا کی قسم! تم جلد ہی سنوگے کہ سرزمین بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے لئے فتح ہو چکے ہیں''۔

یہ سن کر حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ان میں سے دو چیزیں تو واقع ہو چکی ہیں، بابل فتح ہو گیا اور میں نے خود دیکھا کہ ایک عورت قادسیہ سے حج بیت اللہ کے لئے بے خوف و جھجک نکلتی ہے اور تیسری چیز کہ ''مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا'' باقی ہے اور یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو کر رہے گی۔

فُرْوَہْ بن مُسَیک رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

فُرْوَہْ بن مُسَیک رضی اللہ عنہ مُرادی کِنْدَہ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، اسلام سے کچھ پہلے قبیلہ مُراد اور ہَمْدَان کے درمیان ایک مرتبہ لڑائی ہوئی تھی، جس میں ہمدان نے مراد کو غیر معمولی تکلیف پہنچائی اور ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا، جس دن یہ واقعہ پیش آیا اسے ''یوم رَدْم'' کہا جاتا تھا، اس وقت ہمدان کے قائد و سپہ سالار اَجْدَع بن مالک تھے۔

فُرْوَہْ رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو حضور ﷺ نے ان سے کہا: اے فروہ! یوم ردم میں تمہاری قوم کو جو مصیبت پہنچی ہے، کیا وہ تم کو ناگوار گزری ہے؟ فروہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون شخص ہے، جس کی قوم کو وہ مصیبت پہنچے، جو یوم ردم میں میری قوم کو پہنچی ہے، اور یہ اس کو ناگوار نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بہر حال، تمہاری قوم کے لئے اسلام ہی میں بڑی بھلائی ہے۔

حضور ﷺ نے فُرْوَہ رضی اللہ عنہ کو مُراد، زُبَیْد اور مَذْحِج وغیرہ قبائل پر عامل مقرر کیا اور ان کے ساتھ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا، جو حضور ﷺ کی وفات تک فُرْوَہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

عَمْرو بن مَعْدِیکَرَبْ رضی اللہ عنہ

بنو زُبَیْد کے چند آدمیوں کے ساتھ عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسلام قبول کرلیا، حضور ﷺ کے دعویٔ نبوت جب کی اطلاع ان لوگوں تک پہنچی تو عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے قیس بن مَکْشُوح مرادی سے کہا: اے قیس! تم اپنی قوم کے سردار ہو، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ قریش کے ایک شخص محمد (ﷺ) نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تم ہمارے ساتھ چلو؛ تاکہ ہم ان کے دعویٰ کو جانچیں، اگر وہ واقعی نبی ہیں — جیسا کہ وہ کہتے ہیں — تو یہ بات تم پر پوشیدہ نہیں رہے گی اور ان کی اتباع کرلیں گے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو ہمیں معلوم ہو جائے گا — قیس نے اس سے انکار کیا اور عمرو کی اس رائے کو حماقت اور بے وقوفی قرار دیا، عمرو بن معدیکرب حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اسلام قبول کرلیا؛ لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہوگیا۔

وفدِ کِنْدَہ

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک وفدِ کِنْدَہ سے بھی آیا، جس میں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ اسّی سواروں کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آئے اور مسجد میں داخل ہوگئے، سب اپنے بالوں میں کنگھا کئے اور آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے حَبَرَّہ کے جبوں میں ملبوس تھے، جس کے دونوں بازووں پر ریشم لگا ہوا تھا، حضور ﷺ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: کیا تم لوگ مسلمان نہیں ہوئے؟ لوگوں نے جواب دیا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تمہاری گردنوں میں ریشم کیسے ہے؟ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے جبوں سے ریشم پھاڑ کر نکال دیا۔

صُرَدْ اَزْدِیْ اور اہلِ جُرَشْ سے جہاد

رسول اللہ ﷺ کے پاس اَزْد کے وفد میں صُرَدْ بن عبداللہ اَزْدِی رضی اللہ عنہ بھی آئے

اور اسلام میں داخل ہو گئے، ان کی قوم میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان پر آپ ﷺ نے صُرَدْ ہی کو امیر مقرر کیا، ان کی قوم نے ان سے کہا کہ وہ مسلمانوں کو لے کر یمن کے مشرکین سے جہاد کریں، جو ان کے قریب رہتے ہیں۔

صُرَدْ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حکم سے روانہ ہوئے اور جُرَش (جو یمن کا ایک ضلع ہے) میں اُترے، اس وقت یہ شہر چاروں طرف سے بند تھا، اسی میں یمن کے کچھ قبائل رہتے تھے، مسلمانوں نے تقریباً ایک مہینہ تک محاصرہ جاری رکھا؛ لیکن مشرکین قلعہ بندی کی وجہ سے زیر نہ ہو سکے؛ چنانچہ صُرَدْ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس ہو گئے، جب یہ شُکَرْ نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو مشرکین نے گمان کیا کہ مسلمان ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے ہیں؛ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا؛ لیکن جب قریب پہنچے تو صرد رضی اللہ عنہ پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور انھیں بری طرح شکست دی، اس کے بعد جُرَش کے ایک وفد نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

☆ ☆ ☆

شاہانِ حمیرَ کے قاصدوں کی آمد

رسول اللہ ﷺ کے پاس تبوک سے شاہانِ حمیرَ کی تحریر پہنچی اور ان کی طرف سے کچھ نمائندے بھی اسلام کے بارے میں معلوم کرنیکے لئے آئے ،جن میں حارث بن عبدکُلاَل ، نُعَیم بن عبدکُلاَل نعمان امیر ذُورُعَین ،معافر اور ہمدان تھے، زُرعَہ ذُویَزَن نے اپنے اور اپنے قبیلہ کے قبولِ اسلام کی اطلاع دینے کے لئے مالک بن مُرَّہ رَہاوِی کو بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ مکتوب تحریر فرمایا :

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حارث بن عبدکُلاَل، نُعَیم بن عبدکُلاَل ،نعمان امیر ذُورُعَین ،مَعافر اور ہمدان کے نام — میں تمہارے سامنے اس ایک خدا کی حمد وستائش کرتا ہوں ،جس کے سوا کوئی معبود نہیں — بعد ازیں — تمہارا خط جو بادشاہ روم سے ہمارے پاس بھیجا گیا موصول ہوا، یہ خط ہمیں مدینہ میں ملا، اس مکتوب کے ذریعہ تمہارے پیغام کی بھی اطلاع ہوئی ،تمہارے اسلام لانے اور مشرکین کو قتل کرنے سے بھی مطلع ہوئے ،اللہ تمہیں ہدایت پر قائم رکھے، اگر تم اصلاح کرلو گے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے، نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، مالِ غنیمت میں سے اللہ کا حق ''خمس'' اور رسول اللہ کا بھی حصہ دیتے رہو گے اور زمینوں کی پیداوار کے سلسلہ میں جو صدقہ مومنوں پر فرض کیا گیا ہے، وہ ادا کرتے رہو گے، یعنی جو زمین چشمے اور بارش ہی کے پانی سے سیراب ہوئی ہو، اس کا دسوال

حصہ اور جس زمین کو ڈول وغیرہ (یعنی اپنی محنت) سے سیراب کیا ہو، اس کا بیسواں حصہ اور اونٹوں، گایوں اور بکریوں کی زکوٰۃ —— ہر چالیس اونٹ پر ایک بنت لبون (۱)، تیس اونٹوں پر ایک ابن لبون اور ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری اور دس اونٹ پر دو بکری، اسی طرح ہر چالیس گایوں پر ایک گائے، ہر تیس گایوں پر ایک تبیع (۲) یا جذع یا جذعہ اور ہر چالیس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے، جس نے اس اُصول پر زکوٰۃ دی —— جو اس سے زیادہ دے، اس کے حق میں وہ زیادہ بہتر ہے —— جس نے اپنے اسلام کی گواہی دی اور مشرکوں کے مقابلہ میں مومنوں کی مدد کی تو اس کا شمار مومنوں میں ہوگا، اس کے وہی حقوق ہوں گے، جو مومنوں کے ہوں گے اور اس پر وہی واجبات ہوں گے، جو مومنوں پر ہوں گے اور اس کے لئے اللہ و رسول کا ذمہ ہے، جو یہودی یا نصرانی اسلام قبول کرے، اس کا شمار بھی مومنوں میں ہوگا اور اس کے حقوق و واجبات بھی وہی ہوں گے، جو مومنوں پر ہیں اور جو یہودیت یا نصرانیت پر جمے رہیں، ان کو یہودیت و نصرانیت سے نہیں ہٹایا جائے گا؛ بلکہ اس پر جزیہ (ٹیکس) واجب ہوگا، چاہے وہ مرد ہوں یا عورت اور آزاد ہوں یا غلام، اسے ایک دینار، اگر دینار نہ ہو تو اسی قیمت کے یمنی یا کوئی دوسرے کپڑے دینے ہوں گے، جو شخص یہ جزیہ ادا کرتا رہے، اس کے لئے اللہ و رسول (ﷺ) کا ذمہ ہوگا اور جو نہیں دے گا، وہ خدا اور رسول کا دشمن سمجھا گائے گا۔

(۱) بنت لبون وہ مادہ اونٹنی اور ابن لبون اس نر اونٹ کو کہتے ہیں، جن کی عمر کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

(۲) تبیع دو سالہ بچھڑے کو کہتے ہیں —— جذع یا جذعہ اس نر یا مادہ کو کہتے ہیں، جن کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے زُرْعَہْ ذُوْ یَزَنْ کو لکھا ہے کہ تمہارے پاس جب ہمارے یہ قاصد ــــ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، مالک بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عقبہ بن مونم رضی اللہ عنہ، مالک بن مُرَّہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ــــ پہنچیں تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم ان سے بھلائی کا معاملہ کرنا اور تمہارے اضلاع کا جو صدقہ اور جزیہ تمہارے پاس ہو، اسے جمع کر کے ان قاصدوں کو دے دینا اور یہ کہ ان قاصدوں کے امیر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، یہ تم سے خوش ہو کر واپس ہوں۔

محمد (ﷺ) گواہی دیتے ہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، مالک بن مُرَّہ رہاوی رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ تم اسلام لے آئے ہو اور حِمْیَرْ کے پہلے مسلمان ہو اور یہ کہ تم نے مشرکین کو قتل کیا ہے تو تمہیں خیر و فلاح کی خوشخبری ہو، میں تمہیں حمیر کی خیر و فلاح کا حکم دیتا ہوں، تم لوگ خیانت نہ کرنا اور ایک دوسرے کو بے یار و مددگار نہ چھوڑنا، رسول اللہ تم سب کے محافظ و ولی ہیں، چاہے تم میں سے کوئی امیر ہو کہ غریب اور صدقہ محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کے خاندان کے لئے حلال نہیں، صدقہ تو وہ زکوٰۃ ہے جو ضرورت مند مسلمانوں اور مسافروں کو دی جاتی ہے، مالک نے خبر پہنچائی اور راز محفوظ رکھا اور میں تم لوگوں کو ان کے ساتھ خیر و فلاح کا حکم دیتا ہوں اور دیکھو میں صالح، دین دار اور صاحبِ علم ساتھیوں کو تمہارے یہاں بھیج رہا ہوں، ان کے ساتھ بھی خیر و فلاح کا حکم دیتا ہوں، یہی ان کے لئے مناسب ہے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو نصیحت فرمائی اور ان سے وعدہ لیا کہ :

آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ کرنا، خوش رکھنے والی باتیں کرنا، نفرت دلانے والی نہیں، تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، وہ تم سے سوال کریں گے کہ جنت کی کنجی کیا ہے؟ تم جواب دینا کہ اس بات کی شہادت کہ خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن پہنچے اور حضور ﷺ کی ہدایات پر قائم رہے۔

☆ ☆ ☆

بنو حارث کا قبولِ اسلام

ربیع الآخر یا جمادی الاولی میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو حارث کے پاس نجران بھیجا اور ان کو ہدایت دی کہ جنگ سے پہلے تین بار ان کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ قبول کر لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر ان سے جنگ کریں؛ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، ہر طرف اپنے سواروں کو مارچ کرنے کے لئے بھیجا، جو اسلام کی دعوت دیتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: لوگو! اسلام لے آؤ اور سلامتی حاصل کر لو''أسلموا تسلموا'' لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے درمیان رہ کر ان کو اسلام اور کتاب وسنت کی تعلیم دینے لگے، پھر آپ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا :

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خالد بن ولید کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام، یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلامتی و خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، میں آپ ﷺ کے سامنے خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں، اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے بنی حارث کے پاس بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان کے پاس پہنچ کر تین دنوں تک جنگ نہ کروں؛ بلکہ اسلام کی دعوت دوں، اگر وہ اسلام قبول کریں تو ان کے درمیان رہوں اور ان کا مسلمان ہونا تسلیم کر لوں، نیز ان کو اسلامی تعلیمات اور کتاب وسنت سے آگاہ کروں اور اگر مسلمان نہ ہوں تو جنگ کروں۔
>
> چنانچہ میں ان کے پاس آیا، تین دنوں تک آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اسلام کی دعوت دی اور ان کے پاس اپنے سوار بھیجے، جو

کہہ رہے تھے: اسلام قبول کرلو اور امن وسلامتی حاصل کرو، پس یہ مسلمان ہوگئے اور جنگ نہ کی، میں ان ہی کے درمیان قیام پذیر ہوں، خدا نے جن باتوں کا حکم دیا ہے، ان کا حکم دیتا ہوں اور جن باتوں سے منع کیا ہے، ان سے روکتا ہوں، نیز ان کو اسلامی تعلیمات وسنت نبوی ﷺ کی تعلیم دیتا ہوں، والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مکتوب رسالت مآب

آپ ﷺ نے اس خط کے جواب میں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد نبی رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے نام، تم پر اللہ کی سلامتی ہو، میں خدائے واحد کی حمد وثنا کرتا ہوں —— بعد ازیں، میرے پاس تمہارے قاصد کے ذریعہ خط پہنچا، جس سے معلوم ہوا کہ بنی حارث نے جنگ سے پہلے ہی اسلام قبول کرلیا اور تمہاری دعوتِ اسلام پر لبیک کہا، انھوں نے خدا کی وحدانیت اور محمد (ﷺ) کے خدا کے بندہ اور رسول ہونے کی شہادت دی اور اللہ نے ان کو ہدایت سے سرفراز کیا۔

لہٰذا تم ان کو خوشخبری دو اور ڈراؤ اور آجاؤ، تمہارے ساتھ ان کا ایک وفد بھی آنا چاہئے، والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنو حارث کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، اس وفد کے ارکان قیس بن حُصَین رضی اللہ عنہ، یزید بن عبدُ المَدَان رضی اللہ عنہ، یزید بن مُحَجَّل رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن قُرَ اذ زِیَادِی رضی اللہ عنہ، شَدَّاد بن عبداللہ قَنَانی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبداللہ ضِبَابی رضی اللہ عنہ تھے، حضور ﷺ نے ان کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو ہندوستان کے باشندے معلوم ہوتے ہیں'' عرض کیا گیا: یہ بنو حارث ہیں۔

یہ حضرات بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے ، سلام کیا اور کہنے لگے : ہم خدا کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا : میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور میں اسی کا رسول ہوں ، آپ ﷺ نے فرمایا : تم ہی ہو جو ڈانٹے ڈپٹے جانے کے بعد اسلام کی طرف بڑھے ہو؟ لوگ خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا ، آپ ﷺ نے دوسری ، تیسری اور چوتھی بار یہی سوال کیا ، چوتھی دفعہ یزید بن عبد مَدَان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : ہاں یا رسول اللہ ﷺ ! ہم ہی وہ لوگ ہیں — آپ ﷺ نے فرمایا : اگر خالد رضی اللہ عنہ نے یہ نہ لکھا ہوتا کہ تم لوگ اسلام قبول کر چکے ہو اور جنگ سے باز رہے ہو تو میں تمہارے سر تمہارے قدموں کے نیچے ڈال دیتا ، یزید رضی اللہ عنہ نے کہا : خدا کی قسم ! ہم نہ آپ ﷺ کی حمد کریں گے نہ خالد رضی اللہ عنہ کی ، آپ ﷺ نے پوچھا : پھر کس کی حمد کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا : خدا کی ، جس نے یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت سے نوازا ہے ، آپ ﷺ نے فرمایا : تم نے صحیح کہا ہے۔

حضور ﷺ نے قَیس بن حُصَین رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرما دیا ، بنو حارث کا وفد شوال کے اواخر یا ذو قعدہ کے اوائل میں واپس ہو گیا ، ان کی واپسی کو چار ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی ، وفد کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے دینی تعلیم ، کتاب و سنت اور ارکان اسلام کی اشاعت اور صدقات کی وصولی کے لئے ان کے ہاں حضرت عمرو بن حَزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کے لئے ایک اہم تحریر لکھ کر دی :

> بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے وضاحت ہے ، اے ایمان والو! وعدوں کو پورا کیا کرو ، محمد رسول اللہ (ﷺ) کا عمرو بن حزم (رضی اللہ عنہ) کے لئے عہد ہے ، جب انھیں یمن بھیجا گیا ، اللہ کے رسول نے انھیں تمام معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ؛ کیوں کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے ، جو اس سے ڈرتے ہیں اور ان کے ساتھ جو بھلائی کرنے والے نیکوکار ہیں

اور انھیں اس بات کا حکم دیا کہ لوگوں سے حق وصول کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو خیر وفلاح کی خوشخبری دیں، بھلائی کا حکم دیں، ان کو قرآن کی تعلیم دیں، اس کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کریں اور اس بات سے روکیں کہ کوئی قرآن کو ناپاکی کی حالت میں چھوئے اور لوگوں کو ان کے حقوق وفرائض سے باخبر کریں، حق کے معاملہ میں لوگوں کے ساتھ نرمی اور ظلم کے بارے میں سختی کا برتاؤ کریں؛ کیوں کہ اللہ نے ظلم کو ناپسند کیا ہے اور اس سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: آگاہ ہوجاؤ کہ ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے، لوگوں کو جنت اور اس کے اعمال کی خوشخبری سنا دیں، دوزخ اور اس کے اعمال سے ڈرائیں، لوگوں کو اپنے آپ سے مانوس کریں تاکہ انھیں دین کی باتیں سمجھائی جاسکیں۔

اور لوگوں کو حج کے شعائر اور اس کے فرائض وسنن وغیرہ کی تعلیم دیں، حج اکبر حج ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، لوگوں کو اس بات سے روکیں کہ وہ چھوٹے کپڑے میں نماز پڑھیں، مگر یہ کہ وہ کپڑا ایسا ہو، جس کے دونوں کنارے دونوں کندھوں پر ہوں اور ایسا کپڑا پہن کر اس طرح نہ بیٹھیں کہ بے پردگی ہو، اور اس بات سے بھی روکیں کہ کوئی اپنے سر کے بالوں کو پشت پر باندھے، جب لوگوں کے درمیان خوف واشتعال اور ہیجان ہو تو ان کو قبائل اور گروہوں کی طرف بلانے سے روکیں؛ بلکہ انھیں چاہئے کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف بلائیں، جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، جو اللہ کی طرف دعوت نہیں دیتا ہے؛ بلکہ قبائل اور گروہوں کی طرف دعوت دیتا ہے تو چاہئے کہ ان کی گردنیں تلوار سے کاٹ دی جائیں۔

اور لوگوں کو حکم دیں کہ وضو میں اپنے پورے چہرے، کہنیوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئیں اور سر کا مسح کرلیں، جیسا کہ اللہ نے حکم فرمایا: اور لوگوں کو وقت پر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے اور اچھی طرح رُکوع وسجدہ کرنے کا حکم دیں اور بتائیں کہ فجر کی نماز غَلَس (شروع وقت) میں پڑھیں اور ظہر اس وقت جب کہ سورج ڈھل جائے، اور عصر اس وقت جب کہ سورج زمین میں جا رہا ہو، اور مغرب شروع رات میں پڑھیں، اس کو اتنی تاخیر سے نہ ادا کریں کہ آسمان میں ستارے ظاہر ہونے لگیں اور عشاء اولین شب میں پڑھیں اور لوگوں کو سَعی جمعہ کا حکم دیں؛ جب کہ اذان ہوجائے اور جاتے وقت غسل کا حکم دیا کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ مالِ غنیمت میں سے اللہ کا حصہ خمس لے لیں اور مومنوں پر جو صدقہ فرض کیا گیا ہے وہ بھی وصول کریں، اُن زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ جو بارش وغیرہ کے پانی سے سیراب ہوئی ہوں اور جسے اپنی محنت کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس کا بیسواں حصہ، اور ہر دس اونٹ پر دو بکری، بیس پر چار بکری، اسی طرح چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس گایوں پر دو چار سالہ بچھڑا اور ہر چالیس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری، اسی اُصول پر اللہ نے مومنوں پر فرض کیا ہے، جو اس سے زیادہ دے، وہ اس کے حق میں بہتر ہے۔

جو یہودی یا نصرانی خلوص کے ساتھ اسلام لے آئے تو اس کا شمار مومنوں میں ہی ہوگا، اس کے حقوق وواجبات وہی ہوں گے جو مومنوں کے ہیں، اور جو یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے اسے اس

کے دین سے ہٹایا نہیں جائے گا؛ بلکہ ان میں سے مرد وعورت، غلام اور آزاد ہر ایک کے لئے ایک مکمل دینار یا اس کے عوض میں کپڑا دینا ضروری ہوگا، جو یہ (جزیہ) ادا کرتا رہے، وہ اللہ و رسول (ﷺ) کے ذمہ میں ہوگا اور جو نہ دے وہ اللہ، رسول (ﷺ) اور تمام مومنوں کا دشمن سمجھا جائے گا، وصلوٰت الله علی محمد، والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته۔

☆ ☆ ☆

دو جھوٹے مدعیانِ نبوت

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں دو شخصوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، ان میں ایک مُسَیْلِمَہ بن حبیب تھا، جو بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا اور یمامہ کا رہنے والا تھا اور دوسرا اَسْود بن کعب عَنْسِی جو صَنْعاء کا باشندہ تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے منبر پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لوگو! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کڑے ہیں، میں نے ان کو ناپسند کیا اور پھونکا؛ یہاں تک کہ وہ اُڑ گئے، میں نے اس کی تعبیر کی کہ اس سے یہی دونوں کذاب مراد ہیں، ایک یمن کا اور دوسرا یمامہ کا''۔

عمالِ زکوٰۃ کا تقرر

جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، حضور ﷺ نے وہاں اپنے امراء اور عمال کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا؛ چنانچہ مہاجر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو صَنْعاء اور زِیاد بن لَبِید رضی اللہ عنہ کو حَضْرَمُوت، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بنی طیٔ اور بنو اسد، مالک بن نُوَیْرَہ رضی اللہ عنہ کو بنو حَنْظَلَہ اور زِبْرِقان بن بَدْر رضی اللہ عنہ اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو بنو سعد کے دو حصوں پر متعین فرمایا، نیز علاء بن حَضْرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کے ہاں بھیجا؛ تاکہ زکوٰۃ وصول کریں اور غیر مسلموں سے جزیہ لیں۔

مسیلمہ کذاب کا خط

مسیلمہ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا:

اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد ﷺ کے نام،
تم پر سلامتی ہو، بعد ازیں یہ کہ مجھے رسالت میں تمہارے ساتھ

شریک کردیا گیا ہے ، زمین کا نصف حصہ ہمارے لئے ہے
اورنصف قریش کے لئے ؛لیکن قریش حد سے تجاوز کرر ہے ہیں۔

اس کے دو قاصد یہ خط لے کرآئے ،آپ ﷺ نے خط پڑھ کران سے دریافت کیا کہ خودتمہاری رائے کیا ہے؟انھوں نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جومسیلمہ نے کہا ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:''خدا کی قسم !اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کوقتل نہ کیا جائےتو میں تمہاری گردنیں اڑادیتا''— پھرمسیلمہ کے خط کادرج ذیل جواب دیا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سےجھوٹےمسیلمہ کے نام ،اس شخص پرسلامتی ہوجوراہِ ہدایت کی پیروی کرے ،بعد ازیں،زمین تو خدا کی ہے،وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے اورحسن انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

یہ واقعہ ۱۰ھ کےاواخر کا ہے۔

☆ ☆ ☆

حجۃ الوداع (۱۰ھ)

ذوقعدہ کے مہینہ میں آپ ﷺ نے سفر حج کی تیاری شروع کردی اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا، مدینہ پر حضرت ابودُجانہ سَاعِدی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ۲۵/ذوقعدہ کو روانہ ہوئے؛ یہ چوں کہ حج فرض ہونے کے بعد کا پہلا اور آخری حج تھا، اس لئے آپ نے پورے اہتمام کے ساتھ لوگوں کو حج کی تعلیم دی اور {۹/ذوالحجہ ۱۰ھ، ۶/مارچ ۶۳۲ء کو میدانِ عرفات میں} ایک اہم خطبہ دیا — پہلے حمد وثنا کے کلمات کہے، پھر ارشاد فرمایا :

> لوگو! میری بات سنو: مجھے نہیں معلوم کہ اس سال کے بعد پھر میں کبھی تم سے اس مقام پر مل سکوں گا یا نہیں؟ — لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال باہم خدا سے ملنے تک اسی طرح حرام ہیں، جیسے آج کے اس دن اور اس مہینہ کی حرمت ہے اور تمہیں عنقریب اپنے پروردگار سے ملنا ہے، جہاں وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔
>
> جس کے پاس کوئی امانت ہو اسے چاہئے کہ صاحبِ امانت تک پہنچادے — ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے؛ البتہ تمہارا اصل سرمایہ رہے گا، نہ تم ظلم کروگے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا، خدا کا فیصلہ ہے کہ سود جائز نہیں، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تمام سود ختم کیا جاتا ہے — ایامِ جاہلیت کے تمام خون معاف کئے جاتے ہیں اور پہلا خون جسے میں معاف کرتا ہوں، ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا

خون ہے (۱) —— لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی بھی اس کی پرستش کی جائے گی؛ البتہ وہ اس پر خوش ہے کہ تم اپنے معمولی کاموں میں اس کی اطاعت کرو، اس لئے اپنے دین کے معاملہ میں اس سے بہت بچ کر رہنا۔

لوگو! ''نسی'' زمانۂ کفر کی ایک زیادتی تھی، جس کے ذریعہ اہل کفر گمراہ کیا کرتے ہیں، ایک سال مہینہ کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال حرام؛ تاکہ وہ حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کرلیں؛ چنانچہ وہ حرام مہینوں کو حلال اور حلال مہینوں کو حرام قرار دے لیتے ہیں اور سنو! کہ زمانہ گھوم کر اسی جگہ پر آ گیا ہے، جس طرح کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جان لو کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں: تین مہینے تو مسلسل ہیں (شوال، ذوقعدہ، ذوالحجہ) اور ایک رجب کا مہینہ جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔

اے لوگو! تمہارے اوپر عورتوں کے اور عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارا بستر کسی ایسے شخص کے لئے نہ بچھائیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو اور یہ کہ وہ کھلی ہوئی برائی نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم انھیں اپنے بستروں سے الگ کردو اور اس طرح مارو جو شدید نہ ہو، اگر وہ اس سے باز آجائیں تو ان کے لئے معروف طریقہ پر ان کا کھانا اور کپڑا ہے، عورتوں کے بارے میں بھلائی کا خیال رکھو؛ کیوں کہ وہ

(۱) حضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، جو عربوں کے رواج کے مطابق دودھ پلانے بنولیث میں لے جائے گئے تھے، مگر بنو ہذیل نے ان کو قتل کردیا۔

تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، اپنے لئے وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں، تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، تم نے ان کے ستر کو اللہ کے کلمات کے ذریعہ حلال کیا ہے۔

اے لوگو! میری بات سمجھو، میں نے تم تک ہر بات پہنچادی ہے، میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رہوگے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے اور یہ بالکل کھلی ہوئی چیز ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔

اے لوگو! میری بات سنو! جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی آدمی کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں؛ سوائے اس کے کہ وہ بطیب خاطر دے دے؛ لہٰذا تم لوگ اپنے اوپر ہرگز ظلم نہ کرو۔

خداوندا! کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ لوگوں نے عرض کیا: ''ہاں'' اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہیۓ'' {یعنی اُمت کی گواہی اور ان کا اقرار واعتراف آپ کے سامنے ہے!}۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

حج سے واپسی کے بعد ذوالحجہ کے بقیہ ایام اور محرم وصفر آپ ﷺ نے مدینہ ہی میں قیام فرمایا اور ایک لشکر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی امامت میں شام کی مہم پر بھیجا، نیز ان کو حکم دیا کہ تُخُومُ الْبَلْقَاء اور دَارُوْم ہوتے ہوئے جائیں؛ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مہم میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مہاجرین اولین بھی روانہ ہوئے۔

بادشاہوں کے یہاں قاصدوں کی روانگی

حضور ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قاصد بنا کر بھیجا اور ان کو

خطوط کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی؛ چنانچہ حضرت دِحیَّہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم، عبداللہ بن حُذَافَہ سَہْمِی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ شاہ ایران، عمرو بن اُمیہ ضَمرِیُ رضی اللہ عنہ کو نجاشی شاہ حبش، حاطب بن ابی بَلتَعہ رضی اللہ عنہ کو مُقَوقِس شاہ اِسکَندریہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان کے بادشاہوں جَیْفَرْ اور عیاذ، سَلِیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے حاکموں ثُمامہ بن اُثال اور ہَوْذَہ بن علی، علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساویٰ شاہ بحرین اور شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو تُخُوم شام کے بادشاہ حارث غَسّانی کے پاس بھیجا۔

☆ ☆ ☆

بیماری کا آغاز

خادمِ رسول ﷺ حضرت ابومُوَیْہِبَہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے شب میں بلا بھیجا اور فرمایا: ''مُوَیْہِبَہ رضی اللہ عنہ! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ بقیع میں دفن ہونے والوں کے لئے دُعاءِ مغفرت کروں؛ اس لئے تم میرے ساتھ چلو'' میں آپ ﷺ کے ساتھ چلا، آپ ﷺ جب قبرستان میں کھڑے ہوئے تو فرمایا: ''اے اہل قبر! تم پر سلامتی ہو، یہاں لوگ جس حالت میں ہیں، ان کے مقابلہ میں تمہیں وہ حالت مبارک ہو جس میں تم ہو، تاریک رات کی طرح یہاں فتنے کھڑے ہوگئے ہیں، ایک کے بعد دوسرا شروع ہو رہا ہے اور بعد میں آنے والا پہلے سے زیادہ مضر ہے''۔

پھر میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ابومویہبہ رضی اللہ عنہ! مجھے دنیا کے خزانے، اس میں ہمیشہ رہنے کا حق اور جنت دی گئی، مجھے اس کے اور اپنے رب کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے — میں نے کہا: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان! آپ ﷺ خزانۂ عالم کی کلید اور اس میں ہمیشہ رہنے کا یا دنیا کے خاتمہ کے بعد جنت کا انتخاب فرمالیجئے — آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کیا ہے۔

اس کے بعد اہل بقیع کے لئے دُعاءِ مغفرت فرمائی اور لوٹ آئے، اسی وقت سے آپ ﷺ کو درد شروع ہوا، جس میں آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے؛ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بقیع سے واپسی کے بعد حضور ﷺ نے مجھے دیکھا کہ سر کے درد میں مبتلا ہے اور میں کہہ رہی ہوں ''وا رأساہ'' (ہائے میرا سر) آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ ''وا رأساہ'' تو مجھے کہنا چاہئے، پھر فرمایا: اگر تمہارا انتقال مجھ سے پہلے ہوجائے، میں تم کو کفن پہناؤں، نماز جنازہ پڑھوں اور دفن کردوں تو تم کو کیا نقصان ہوگا؟ میں نے جواب دیا: خدا کی قسم! اگر میرے ساتھ ایسا ہوا تو

آپ ﷺ میرے ہی گھر میں اپنی کسی بیوی کر کے آئیں گے — آپ ﷺ مسکرائے، آپ ﷺ کا درد بڑھتا گیا اور آپ ﷺ معمول کے مطابق باری باری ازواج مطہرات کے حجروں میں رات گزارتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ حضرت میمونہؓ کے گھر پہنچے تو تکلیف بہت بڑھ گئی، آپ ﷺ نے تمام بیویوں کو بلایا، ان سے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں رہنے کی اجازت چاہی اور سبھوں نے اجازت دے دی۔

آخری ایام

ایک دن رسول اللہ ﷺ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد نبوی تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، منبر پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلے اصحابِ اُحد رضی اللہ عنہم کے لئے دُعاءِ مغفرت فرمائی اور ان کے لئے خوب دُعائیں کیں، پھر ارشاد فرمایا: اللہ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا، جو خود خدا کے پاس ہے، پس اس نے قربِ خداوندی کا انتخاب کیا — حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس سے مراد خود آپ ﷺ کی ذات ہے، وہ رونے اور کہنے لگے: بلکہ ہم اپنی جانوں اور بال بچوں کے ذریعہ آپ ﷺ کا فدیہ ادا کردیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ٹھہر جاؤ، پھر فرمایا: مسجد کی طرف جو دروازے کھلے ہیں ان کو بند کر دیا جائے، سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے؛ اس لئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے رفقاء میں کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر ہو اور یہ کہ اگر میں بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا؛ لیکن رفاقت اور ایمانی اُخوت ہے۔

محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے دیکھا کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے میں لوگ سستی برت رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک کم عمر لڑکے کو اکابر مہاجرین وانصار پر امیر بنادیا گیا، تو آپ ﷺ سر پر پٹی باندھے ہوئے نکلے اور فرمایا: ''اے لوگو! جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاؤ، جس طرح تم لوگ آج اس کی امارت میں قیل وقال کر رہے ہو، اسی طرح اس سے پہلے اس کے باپ کے متعلق بھی کر چکے ہو؛ حالاں کہ یہ بھی امارت کے حقدار ہیں اور اس کے باپ بھی اس کے اہل تھے''۔

عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے دورانِ تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ اے گروہِ مہاجرین! انصار کے ساتھ حسن سلوک کرو، لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کی تعداد میں اضافہ نہ ہوگا، انصار میرے رازدار ہیں جن کی میں نے پناہ لی، تم ان میں بہتر عمل کرنے والوں ساتھ حسن سلوک کرو اور غلطی کرنے والوں سے درگزر کرو۔

حضرت اسامہ بن زید سے رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو میں اور میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی مدینہ واپس آ گئے، میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ خاموش تھے اور بول نہیں رہے تھے، آپ ﷺ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر میرے اوپر رکھتے، میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ اس وقت میرے لئے دُعائیں فرما رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت

جب رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رقیق القلب آدمی ہیں، ان کی آواز نحیف ہے، قرآن پڑھتے ہیں تو بہت رونے لگتے ہیں''، لیکن آپ ﷺ نے پھر بھی انھیں کی امامت کا حکم دیا، میں نے پھر اپنی بات دہرائی؛ اس لئے کہ مجھے اندیشہ تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی جگہ کھڑا ہوگا، لوگ اسے پسند نہیں کریں گے اور ہمیشہ اس کو بدشگون تصور کریں گے۔

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نکلا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے؛ البتہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کو نماز پڑھانے کو کہا، انھوں نے نماز پڑھائی، ان کی آواز بہت بلند تھی، آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی نماز پڑھائی۔

آخری خطاب

پیر کے دن — جس دن کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی — آپ ﷺ فجر کی نماز کے

وقت لوگوں کی طرف نکلے، پردہ اٹھایا، دروازہ کھولا اور نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے، قریب تھا کہ لوگ اپنی نمازیں ہی توڑ دیتے، حضور ﷺ نے ان کو اشارہ سے کہا کہ نمازیں پوری کرلو، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصروف دیکھ کر آپ ﷺ نے مسرت آمیز تبسم فرمایا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے — جو امامت کر رہے تھے — پیچھے کھسکنا چاہا، مگر حضور ﷺ نے منع فرما دیا اور ان کی دائیں جانب بیٹھے، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بلند الفاظ میں ارشاد فرمایا، جس کی آواز مسجد کے باہر تک جا رہی تھی :

> لوگو! آگ بھڑکا دی گئی اور تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے شروع ہو گئے، خدا کی قسم! تم مجھ پر کسی چیز کا ذمہ نہیں ٹھہرا سکتے، میں نے وہی چیز حلال قرار دی، جسے قرآن نے حلال بتایا اور وہی چیز حرام بتائی جسے قرآن نے حرام کیا۔

آپ ﷺ جب گفتگو سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اب آپ ﷺ بحمد اللہ ہماری خواہش کے مطابق تندرست ہو گئے ہیں، پھر آپ ﷺ سے اجازت لے کر ''سُنُح'' نامی مقام پر چلے گئے، جہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال تھے۔

☆ ☆ ☆

وفات

اس دن مسجد سے واپسی کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اوران کی گود میں لیٹ گئے، اسی درمیان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کے کوئی صاحب آ گئے جن کے پاس ایک سبز وتازہ مسواک موجود تھی، حضور ﷺ نے اس کی طرف کچھ اس طرح دیکھا کہ رغبت محسوس ہوئی، اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا: کیا مسواک لینا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا، حضرت عائشہؓ نے اسے چبا کر نرم کر کے آپ ﷺ کو دیا، آپ ﷺ نے مسواک فرمائی اور رکھ دیا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ ﷺ میری گود میں بھاری ہوتے جا رہے ہیں، اب جو میں نے روئے انور کی طرف دیکھا تو آنکھ اُلٹ چکی تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''بل الرفیق الاعلیٰ من الجنة'' (بلکہ جنت کے رفیق اعلیٰ) اور آپ ﷺ کی روح پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیه راجعون۔

تجہیز وتکفین

منگل کے دن تجہیز وتکفین ہوئی، غسل کا فریضہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فَضْل بن عباس رضی اللہ عنہ، قُثَم بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے غلام شُقْرَان رضی اللہ عنہ نے انجام دیا اور حضرت اَوْس بن خَوْلی رضی اللہ عنہ کی خواہش پر ان کو بھی غسل کے وقت آنے کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے سینہ پر سہارا دیئے ہوئے تھے، کروٹیں بدلوانے کا کام حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ انجام دے رہے تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور شُقْرَان رضی اللہ عنہ پانی بہا رہے تھے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے

تھے، کپڑے کے اوپر سے ہی جسم مبارک ملتے جاتے اور کہتے جاتے: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان! آپ ﷺ کیا ہی بہتر ہیں زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی — غسل کے بعد تین کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان میں دو صُحَارِیْ (۱) کے بنے ہوئے تھے اور ایک لکیر دار چادر تھی۔

قبر شریف کھودنے کی نوبت آئی تو دو صحابی قبریں کھودا کرتے تھے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ لحد بنایا کرتے تھے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صندوقی قبر کھودتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں کے پاس ایک ایک شخص کو بھیجا اور دُعاء فرمائی کہ خدایا! اپنے رسول ﷺ کے لئے بہتر صورت اختیار فرما؛ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ملے اور قبر کھودنے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

تدفین اور نمازِ جنازہ

تجہیز و تکفین کے بعد مقامِ تدفین کا مسئلہ پیدا ہوا، بعض لوگوں نے کہا: مسجد نبوی میں دفن کیا جائے، کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ جہاں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم مدفون ہیں، وہیں مدفون ہوں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی جہاں روح قبض ہوتی ہے، وہیں اس کو دفن کیا جاتا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کے بستر کے نیچے ہی قبر انور کھودی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اس کے بعد لوگ گروہ درگروہ آتے گئے اور نماز جنازہ پڑھتے گئے، جب مرد فارغ ہو گئے تو خواتین داخل ہوئیں اور انھوں نے نمازیں ادا کیں، پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھی، کسی شخص نے آپ ﷺ کے جنازہ پر امامت نہیں کی۔

چہار شنبہ کی وسط شب میں تدفین عمل میں آئی — قبر اطہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، قُثَم بن عباس رضی اللہ عنہ، شُقْران رضی اللہ عنہ، اور اَوْس بن خَوْلی رضی اللہ عنہ اُترے۔

☆ ☆ ☆

(۱) صُحَارِیْ، یمن یا یمامہ کے ایک شہر کا نام ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن

حضور ﷺ کی ۹/ازواج وفات کے وقت موجود تھیں، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت اُم حبیبہ، حضرت اُم سلمہ، حضرت سودہ، حضرت زینب، حضرت میمونہ، حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن اجمعین، جن خواتین سے آپ کا رشتۂ زوجیت قائم ہوا، وہ کل تیرہ تھیں۔(۱)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ

یہ حضور ﷺ کی پہلی بیوی تھیں، جن سے آپ ﷺ نے رشتۂ زوجیت قائم فرمایا، آپ ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کا نکاح ان کے والد خُوَیْلِد بن اسد یا ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے کرایا تھا،

---

(۱) رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار سے زیادہ نکاح کی اجازت تھی؛ اس لئے بحیثیت مجموعی آپ ﷺ نے صحیح روایات کے مطابق گیارہ نکاح کئے، ان میں سوائے حضرت عائشہؓ کے تمام ازواج بیوہ یا طلاق شدہ تھیں، پچاس سال کی عمر تک آپ کے نکاح میں حضرت خدیجہ تھیں، جو آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں اور دو شوہروں سے گذر کر آپ کے حرم میں آئی تھیں، اس کے بعد آپ کا نکاح حضرت سودہ سے ہوا اور ترپین سال اس سے بھی زیادہ آپ کا ازدواجی تعلق ان ہی سے رہا، حضرت سودہؓ بھی ایک معمر بلکہ تقریباً آپ کے ہم عمر خواتین تھی، حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح اگرچہ مکہ میں ہو چکا تھا؛ لیکن رُخصتی مدینہ میں ہوئی بقیہ تمام ازواج عمر کے آخری دس سال میں آپ کے نکاح میں رہی، یہ خود اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے کئی نکاح عورت طلبی کے جذبہ سے نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ اعتراض کیا جاتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو آپ نے عنفوانِ شباب میں زیادہ نکاح کئے ہوتے، بالخصوص ان حالات میں کہ اہل مکہ نے خود آپ سے مکہ کے حسین وجمیل لڑکی کے انتخاب کی پیشکش کی تھی، دوسرے اگر آپ کے اندر عورت طلبی کا جذبہ ہوتا تو آپ اپنے لئے کنواری لڑکیوں کا انتخاب کیا ہوتا، نہ کہ عمر دراز بیوہ اور طلاق شدہ خواتین کا — متعدد نکاح سے آپ ﷺ کا مقصود مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام سے مانوس کرنا، بیواؤں اور یتیموں کا خود سہارا بننا اور اپنے رفقاء کو اس طرف متوجہ کرنا؛ کیوں کہ اس وقت غزوات کے تسلسل کی وجہ سے سماج میں بیواؤں اور یتیموں کی کثرت ہوگئی تھی۔(تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا نور الحق رحمانی کی کتاب ''پیغمبر اسلام اور تعدد ازدواج)

حضور ﷺ نے مہر میں حضرت خدیجہؓ کو بیس کم عمر اونٹنیاں عنایت فرمائی تھیں، حضور ﷺ کی تمام اولاد ـــ سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ـــ حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئیں، حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ سے پہلے ابوہالہ بن مالک کی زوجیت میں تھیں، جو بنوعبدالدار کے حلیف اور بنواُسید بن عمرو بن تمیم سے تعلق رکھتے تھے، ان سے حضرت خدیجہؓ کی دو اولاد ہند اور زینب بنت ابی ہالہ ہیں، ابوہالہ سے پہلے حضرت خدیجہؓ عتیق بن عابد کی زوجیت میں تھیں، ان سے بھی ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی جاریہ تولد ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضور ﷺ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے مکہ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی، مدینہ میں رخصتی ہوئی جب کہ عمر نو یا دس برس کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ کسی کنواری خاتون سے نکاح نہیں فرمایا، حضور ﷺ سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کرایا تھا، حضور ﷺ نے ان کو چار سو درہم (۱) مہر دیا۔

حضرت سودہؓ

حضرت سودہؓ سے حضور ﷺ کا نکاح سَلِیط بن عمرو رضی اللہ عنہ یا ابوحاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کرایا، چار سو درہم مہر کی رقم آپ ﷺ نے دی، اس سے پہلے وہ سکران بن عمرو کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت زینبؓ

حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا، چار سو درہم بطور مہر دیا، یہ نکاح حضرت زینبؓ کے بھائی ابواحمد بن جَحش رضی اللہ عنہ نے کرایا، اس سے پہلے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

---

(۱) صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ کا ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا؛ البتہ حضرت اُم حبیبہؓ کا مہر چار سو دینار تھا، جو آپ ﷺ کی طرف سے شاہ حبش نجاشی نے ادا کیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۴۱)

حضرت اُم سلمہؓ

حضور ﷺ نے حضرت اُم سلمہؓ سے رشتۂ زوجیت قائم فرمایا، ان کا نام ہند تھا، یہ نکاح حضرت اُم سلمہؓ کے بیٹے سلمہ بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کرایا، رسول اللہ ﷺ نے مہر میں ایک بستر — جس میں پتیاں بھری ہوئی تھیں — اور ایک پیالہ، ایک لگن اور ایک چکی دی، حضرت اُم سلمہؓ اس سے پہلے ابوسلمہ بن عبدالاسد — جن کا نام عبداللہ تھا — کے نکاح میں تھیں جن سے ان کو چار اولاد ہوئے، سلمہ، عمر، زینب اور رقیہ۔

حضرت حَفصہؓ

حضور ﷺ سے حضرت حفصہؓ کا نکاح ان کے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کرایا، چار سو درہم حضور ﷺ نے بطور مہر کے دیا، اس سے پہلے وہ خُنَیس بن حُذَافہ سَہمی کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت اُم حبیبہؓ

حضرت اُم حبیبہؓ کا نام رَملہ بنت ابی سفیان تھا، حضور ﷺ سے ان کا نکاح خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے کرایا، اس وقت دونوں حبشہ میں تھے، نجاشی نے حضور ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا اور اسی نے آپ ﷺ کی طرف سے پیام نکاح بھی دیا تھا، حضور ﷺ سے پہلے حضرت اُم حبیبہؓ عبیداللہ بن جَحش اسدی کے نکاح میں تھیں۔

حضرت جُوَیرِیہؓ

یہ خزاعہ کے خاندان سے تھیں، غزوۂ بنی مُصطَلِق کے قیدیوں میں آئی تھیں اور ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں چلی گئیں، حضرت جویریہؓ نے ان سے بدل کتابت پر معاملہ طئے کیا، اور حضور ﷺ کے پاس اعانت کے لئے حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے بہتر چیز پسند کروگی؟ حضرت جویریہؓ نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں تمہاری طرف سے بدل کتابت ادا کردوں اور تم سے شادی کرلوں — وہ اس پر راضی

ہو گئیں اور حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرما لیا، اس سے پہلے وہ اپنے چچازاد بھائی عبداللہ کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت صفیہؓ

یہ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں اور حضور ﷺ نے انھیں اپنے لئے اختیار کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کی دعوت بھی کی جس میں گوشت وغیرہ نہ تھا؛ بلکہ کھجور اور ستو تھا، پہلے وہ کِنَانَہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔

حضرت میمونہؓ

حضرت میمونہ بنت حارثؓ کا نکاح عباس بن عبدالمطلب نے کرایا اور انھوں نے ہی آپ ﷺ کی طرف سے چار سو درہم مہر کے دیئے، اس سے پہلے وہ ابورُہم بن عبدالعزیٰ کی زوجیت میں تھیں، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کے لئے اپنے آپ کو ہبہ کر دیا تھا، جب آپ ﷺ کا پیامِ نکاح ان کے پاس پہنچا، اس وقت وہ اونٹ پر تھیں تو کہا: یہ اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے؛ چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ الخ ۔ (احزاب:۵۰)

کہا جاتا ہے کہ جس خاتون نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا، وہ حضرت زینب بنت جحشؓ تھیں، ایک اور روایت میں ہے کہ اُم شریک غزیہؓ بنت جابر تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ بنوسَامَہ بن لُوَیٰ کی ایک عورت تھی۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ

ان کے دل میں مسکینوں کے لئے بڑی نرمی اور محبت تھی، جس کی وجہ سے انھیں ''اُم المساکین'' کہا جاتا ہے، حضور ﷺ سے ان کا نکاح قَبِیْصہ بن عمرو ہلالی رضی اللہ عنہ نے کرایا، آپ ﷺ نے چار سو درہم مہر دیا، آپ ﷺ سے پہلے وہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان سے پہلے جہم بن عمرو کی زوجیت میں رہ چکی تھیں، جہم ان کے چچازاد بھائی تھے۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات تھیں، جن سے حضور ﷺ نے خلوت فرمائی، ان میں سے دو بیویاں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ حضور ﷺ کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں۔

ان کے علاوہ آپ ﷺ کی دو اور بیویاں ہیں، جن سے آپ ﷺ نے نکاح تو فرمایا؛ لیکن خلوت کی نوبت نہیں آئی، ایک: اسماء بنت نعمان کِندیہؓ، آپ ﷺ نے ان سے شادی کی؛ لیکن جب ان کے جسم پر برص دیکھا تو انھیں کچھ متاع دے کر گھر واپس کر دیا، دوسرے: عُمْرَہ بنت یزید کِلابیہؓ، جو نئی نئی اسلام لائی تھیں، حضور ﷺ سے وہ پناہ چاہنے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بچنا چاہتی ہیں اور اللہ کی پناہ مانگ رہی ہیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں واپس فرمادیا۔

حضور ﷺ کی چھ بیویاں خاندانِ قریش سے تھیں: حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم حبیبہؓ، حضرت اُم سلمہؓ، اور حضرت سودہؓ۔

چھ بیویاں عربی تھیں: حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینب بنت خزیمہؓ، حضرت جویریہ بنت حارثؓ، حضرت اسماء بنت نعمانؓ، عُمْرَہ بنت یزید کلابیہؓ، اور ایک غیر عربی تھیں اور وہ ہیں حضرت صفیہ بنت حُیَیْ ابن اَخْطَبؓ جو بنو نضیر سے تھیں۔

☆ ☆ ☆